

2021 جیئنگی

جاب ڈا مجست

سالِ نومبارک



بیان	نیہب انزالہ
مدیر اعلیٰ	فرحت آرک
مدیرہ	مشناقِ حجۃ قریشی
نائب مدیرہ	سیدونہ نثار
گروپ اینڈ ٹرینر	سیدنا رضا
مدیرہ معاون	ظاہر حجۃ قریشی
	سید حسن عبداللہ



06	حدائق
03	شمان
2021	جنوری



[naeyufaq.com](http://www.naeyufaq.com)



Aanchal & Hijab
Official Group



/women.magazine

اشتہارات اور گیگ معلومات

0300-8264242

ابتدائیہ

- | | | |
|----|----------------|---------|
| 08 | مدیہ | بات چیت |
| 09 | نعیم انصاریاشی | حمد |
| 09 | محمد علی ظہوری | نعت |

آنکن کی چڑبا

- | | | |
|----|--------------|--------|
| 10 | فہمیدہ جاوید | انشویو |
|----|--------------|--------|

سلسلہ وار ناول

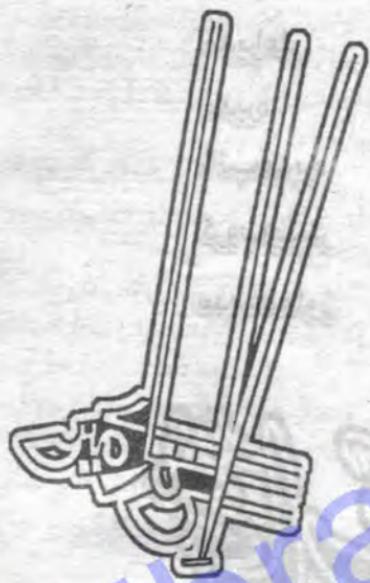
- | | | |
|-----|-------------|------------------|
| 87 | ماوراء طلحہ | مرگ تمنا |
| 141 | نلا حسین | عشق نگر کے مسافر |

مکمل ناول

- | | | |
|-----|-----------------|--------------------|
| 13 | یحانہ آفتاب | تیراعشق بن ذات بحق |
| 111 | نہنہت جبین خیا | میری میٹھی میں گلب |
| 183 | صالح عزیز صدیقی | میرے سکندر |

پاپر شستاق احمد و ترجمی پیر جیل حسن طبع عاصم حسن پونگا پر سس با کی انسانیہ یہ کراچی

وقت کا پ: 81 غیرہی رکھا کی کلب آف یا کستان، اسٹیڈی یونیورسٹی آنچل پر سس کراچی 75510



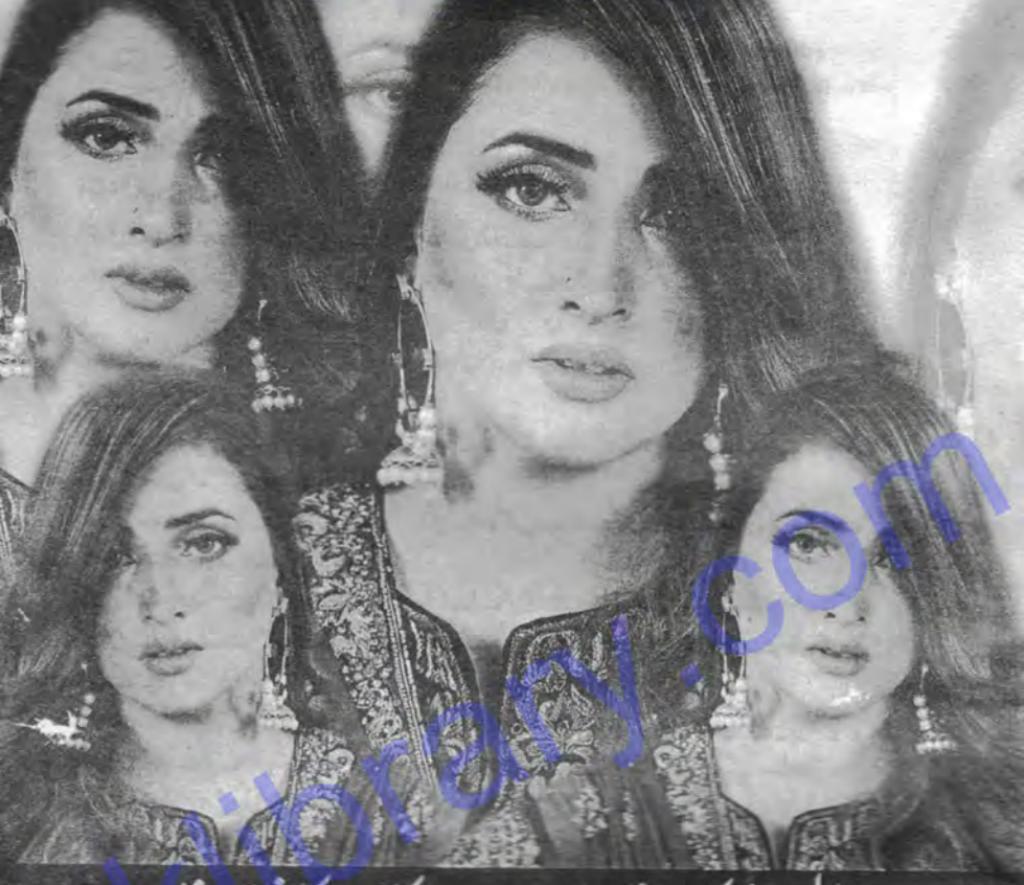
ناولت

- | | | |
|-----|--------------------|-----------|
| 161 | دل کو سکھ ملال تھا | ندیہ احمد |
|-----|--------------------|-----------|

افسانے

- | | | |
|-----|----------------|-----------|
| 153 | بایوں کی بستات | آرزو احمد |
|-----|----------------|-----------|

- | | | |
|-----|--------------|-----------------|
| 177 | دوپیا سے نین | صالح عزیز صدیقی |
|-----|--------------|-----------------|



ماڈل: مسکان خان عکاسی: کاشف خان



211	سمیت عثمان	زنب احمد	ہر جن	206	مون جن	نے بن جن
215	زہرا جیمن	ہمازوالفقار	پکن کارز	208	شوٹھی تحریر	
			حسن خیال	219	جوہی احمد	

خط و کتابت کا پتہ: "آنچھل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771

ایمیل: Info@naeyufaq.com | گیک ارطبورس اسٹریٹ، افغان پبلی کیشنز، ای سیل 03008264242

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امٰم علیکم و رحمۃ اللہ و کاظم

جنوری 2021ء کا شمارہ بلور سال نمبر آپ کے ذوق مطابع کی تذكرة ہے۔

بھر تھے سال کی سرحد پر کھڑے ہیں ہم لوگ

راکھ ہو جائے گا یہ سال بھی حرمت کیسی

بہت سی خوش کن امیدوں اور خوشگانہوں کے ساتھ تھے سال کو خوش امید۔

قارئین کرام اور عزیز ہم وطنوں کو نیا سال بارک ہو۔

سال کا انکا پہلا سورج اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ تھی امیدیں ہنچیں لے کر طلوع ہو چکا ہے۔ میری دعا ہے کہ نیا سال ہم سب کے لئے میں پر نور ہمیں اور ست رنگی شامیں لے کر آئے۔

زندگی کیا ہے، انسان کیا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ بس اتنی کہ جو حقائق ہیں ہے، جو ہے نہیں ہوں گا، اگر ہمارا آج گزشتہ کل سے بہتر ہے تو کامیاب ورنہ سب پرچم بیکار۔

سال گزشتہ میں کرونا ٹھیکی بیماری کا سامنا رہا۔ جس کے اثرات اپنی قائم ہیں۔ اللہ اس وبا کی مرض سے نجات دلائے آئیں۔

وطن ہریز کے حوالے سے دعائیں تو سال گزشتہ کچھ جو لوگوں سے خوش آئندہ رہ۔ خصوصاً ان وامان کی صورتی حال میں، بہتری آئی۔ اس کے لیے پاک فوج کو سلام۔

ئے سال کے آغاز پر ہمیں بہت ہی جیدگی سے اپنی زندگی ہوئی۔ وقت کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے کیا کھویا کیا پایا الہ کیا کیا کرنا چاہیے تھا۔ اس گزر جانے والے سال میں کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچا لیا گی کون سکاں ہیں جوئے نئے نئے کرنے چاہیں۔

یہ شمارہ آپ تمام قارئین کی محبتیوں سے جاہوا ہے۔ ہر خریر آپ کو اپنے مزان اور دل کے قربیب محبوں ہوئی۔ ہر کہانی کو پڑھیں اور اپنی رائے ضرور دیجیے تھقید اور تدبیر کے ساتھ آئندہ ماہ انتظار ہے گا۔

اللہ کرے نیا سال بخیر لحاظ سے با برکت اور دین و دنیا کی تمام خوشیاں لانے والا سال ہو۔ آپ سال کے آغاز میں یہ بات ضرور ذہن نشین کر لیں کہ انسان کی سب سے بڑی دولت اس کا آپھما اخلاق ہے۔

گھنے وطنوں کی پاتیں بھلکار

ئے سال میں مجبوتوں کا نصباب لکھتا

مبارک ہو نیا سال آپ سب کو!

قارئین، ہبھوں کے مشبوقوں کی روشنی میں اگلے ماہ سے کئی سلسے شروع کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ کی پسندیدگی کی سند پاکیں کے، جہاں تک کہاںوں کے معیار اور موضوع کے بارے میں کہا گیا ہے تو ان شاء اللہ وہ بھی شکایت اس بارکانی حد تک دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسے والے شماروں میں بھی نظر آئی رہی گی۔

اگلے ماہ کے ستارے۔

رسیحانہ آفتاب، نرم جنم جنین ضیاء، آرزا و احمد، صالح عزیز صدیقی۔

دعا گو

مدیریہ

سعیدہ ثمار

حَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰالَمِينَ

تیری جالیوں کے نیچے تیری رحمتوں کے سائے

جسے دیکھنی ہو جنت وہ مدینہ دیکھ آئے

لوچلا ہوں میں بعد میں میرے مصطفیٰ ﷺ سے کہہ دو

کہ ہو تیری گلی کی مجھے چھوڑنے کو آئے

طیبہ کو جانے والوں مجھے دیتا ہوں دعا میں

در مصطفیٰ ﷺ پر جا کے تو جہاں کو بھول جائے

روشنے کے سامنے میں یہ دعا میں مانگتا تھا

میری جاں نکل تو جائے یہ سماں بدل نہ جائے

وہ غمگسار میرا وہ ظہوری یار میرا

میری قبر پر آ کر جو نعمت نبی ﷺ نہ سائے

تو ہے چاہترے پچے قول سائیں

اوپنی ہوں میں اوپنی میرے قول سائیں

خطاؤں کا میری رکنا ہے بھرم مولا

کھل نہ چائیں کہیں میرے راز سائیں

بھید دل کا میں چھپا نہیں سکتا

دل کا بند قفل تو کھول سائیں

پیاسا رہا بھگیل خواہشات میں ہمیشہ میں

بے مراد یوں نہ مجھے روں سائیں

دن ہو، رات ہو، ہر گھری انصر

رہتا ہے تو ہمیشہ میرے قریب سائیں

لیم انصر راشی

محمد علی ظہوری

آنکھی خدا

فہد: جبادی

کی جائے کہ وہ اچھے مقام پر جائیں تو پھر اللہ کے کرم سے اچھے رشتے بھی خود ہی مل جاتے ہیں اور لڑکوں کی زندگی میں آسانی ہوتی ہے۔ مستقبل اچھا رہتا۔ ہر خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاشرے میں ان کی اہمیت کا لوگوں کا اندازہ ہوتا ہے اور لوگ عزت بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر لڑکیاں کم تعلیم یافتہ ہوں تو خود اعتمادی نہ ہوا اور کوئی اچھا مقام یا تو کرنی نہ ہو تو میرے خیال سے تو ان کی اتنی عزت نہیں ہوتی سرراں اور شوہر پر ہی انحصار ہوتا ہے اور ان کی مرخصی پر ہی راضی رہنا پڑتا ہے ہاں کچھ کے ساتھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔

سوال:- آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب:- میرے نزدیک تو زندگی گزارنے کا درست طریقہ آداب معاشرت، لوگوں سے اچھے تعلقات، اکام و خطا کا خیال، حقوق اللہ اور حقوق العبادی ادا ہے، اگرچہ جہاں کی تیاری اور خاص طور پر پانی اولاد اور بچوں کی اچھی تربیت اور اس کے ساتھ اپنے کروار اور شخصیت کی تعمیر کرنے کا ہی علم حاصل کرنے کے مقاصد میں شامل ہے۔ اگر علم محض کاغذ کے پتوں (ڈگری) حاصل کرنے کے لیے یا صرف وقت گزاری کے لیے لیا جائے تو وقت کا ضایع اور پیسے کے ضایع کے علاوہ کچھ نہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی اشد ضروری ہے۔ ورنہ تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال:- کیا آپ ملازمت کرنے والی خواتین کے حق میں ہیں؟

جواب:- بھی بالکل، میں حق میں ہوں اگر اس کے گھر کا نظام متاثر نہ ہو رہا ہو، اگر ایک عورت عزت دار طریقے سے کمار ہی سے اور گھر بار بھی چلا رہی سے تو اس کی ہمت کو سلام ہے۔ مگر یہ کام اتنا آسان بھی نہیں۔

جباب کی پیاری شہزادیوں یعنی پیاری بہنوں اور تمام ملکاؤں جو کہ (جباب و آپل کی رائٹرز ہیں) کو پیار بھرا شراری سلام۔ بعد سلام دوستی اور دعائیں کہ آپ سب ہمیشہ آباد و شادر ہو اور ان پیارے صفات یعنی آپل و جباب کے ساتھ مشکل رہیں۔ اگرچہ یہ سلسلہ نکواری لڑکوں کے لیے ہو گا مگر میں شادی شدہ ہوں اور 24 سال ہو گئے اس بندھن میں بندھے ہوئے مگر اس سلسلے کے جوابات ہی استثنے دلچسپ ہیں کہ دل کیا میں بھی اپنے شیلات کا اٹھا کر دوں۔

سوال:- کیا آپ کے گھر میں صفائی اتیاز برداشتا تھا اور آپ اس پر احتیاج کرتی تھیں؟

جواب:- بھی ہاں، ہمارے گھر کا ماحول بہت سخت تھا۔ میرے سات بھائی ہیں اگرچہ ہم لوگ مہاجر تھے گھر سکھر میں ہمارے علاقے میں کافی سندھی لوگ رہتے تھے تو گھروالوں نے مشکل سے مدد تک پڑھایا اور آگے کا منع کیا مگر میری ہند کے آگے ہتھیار ڈال دیے، میں میڑک کر پاتی وہ بھی بر قع پہن کر جاتی تھی۔ شوق تو تھا مگر اس کے بعد گھروالوں کو شادی کی جلدی تھی پھر شادی ہو گئی اور پڑھائی نہ ہو پائی مگر ایسا نہیں ہوتا چاہیے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں فرق رکھا جائے دونوں کو یہاں تعلیم کے موقع چاہیے اور ماں باپ ہی اپنی ذمہ داریاں اچھے سے پوری کریں، یہ نہ ہو کہ زمانے کے ذر سے لڑکوں کو تعلیم حاصل نہ کرنے دیں۔ اگرچہ محنت اور کام مشکل ہے مگر کم از کم پڑھنے والی لڑکوں کو تو پڑھنے دیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی

آداب معاشرہ اور مذہبی قوانین کی پیروی کرتے ہوئے عورت ضرورت کے مطابق اگر تو کری کرے یا اپنے بچوں کو ریاستوں کے متعلق بتائیں جو ملک حاصل کرنے کے لیے دین اور ان میں بھی وطن کے متعلق جذبہ پیدا کریں کہ وہ اچھے اور باعزت محبت وطن نہیں جو رنگ و سل مقام اور مرتبے اور فرقے سے دور ہو۔ سوال:- کیا لڑکوں کو خواب پورے کرنے کا موقع ملتا چاہیے؟

جواب:- ضرور ملتا چاہیے بشرطیکہ وہ خواب اچھے ہوں اور ہمارے اس معاشرے اور مذہبی حوالے سے ان کی اجازت ہو اور اس سے کوئی تیری پہلو نہ کتا ہو جیسا کہ ڈاکٹر، پھر، آرمی یا کوئی اور عزت دار شعبہ یہ نہیں کہ لڑکی خواب پورے کرتا چاہتی ہو کہ میں پاکستان کی نمبر ون ادا کارہ یا گلکارہ یا باڈل ہوں۔

سوال:- زندگی گزارنے کے لیے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟

جواب:- زندگی میں انسان کو ایسا ہونا چاہیے کہ جب وہ اس دنیا میں ہو تو لوگ اس سے راضی ہوں اور جب اس دنیا سے چلے جائیں تو لوگ اسے اچھے الفاظ میں یاد کریں۔ یہ میرا پسندیدہ تین اقتباس ہے اور اس پر عمل کی کوشش کرتی ہوں۔

سوال:- کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟

جواب:- جی ضرور کرتی ہوں اور کرنی بھی چاہیے کہ یہ ہماری پیچان ہے اور یہ شوق ثیں نسل میں بھی منتقل کرنا ضروری ہے کہ ہمارا نہ ہب ہمارے بعد بھی ہماری نسلوں میں منتقل ہوتا رہے اور اگر پھیلانے سکیں تو خود تو عمل کریں۔ محروم الحرام، حشی میلاد النبی ﷺ، بڑی اور چھوٹی عید اور دوسرے اسلامی تہوار ہمیں منانے چاہیے اور شفاقتی روایات میں چودہ اگست بھی مگر نہ کہ یہ ہو کہ ہم آوارہ گردی کرنے کے لیے بائے روایتی ہوئی ہیں اور خدماتیں نہیں تھے مگر وہ بھی ہوتے بجا کر تیرہ اگست کی پوری رات پھر تے رہیں بلکہ اللہ کا درست ہتھی ہیں شاید ہر کوئی شبیت نہیں سوچتا اور ہر ایک

جواب:- مال کے رشتے سے بڑی نعمت کوئی نہیں یہ ہی میری نظر میں زیادہ محبت کرنے والا رشتہ ہے اور اس کے بعد تمام قریبی رشتے۔

سوال:- سرال سے کیا توقعات و خدمات ہیں؟

جواب:- چوپیں سال گزر گئے سرال میں تو توقعات اب کوئی بھی نہیں ہیں ہاں سبیلے تھیں وہی جو روایتی ہوئی ہیں اور خدماتیں نہیں تھے مگر وہ بھی ہوتے بجا کر تیرہ اگست کی پوری رات پھر تے رہیں بلکہ اللہ کا درست ہتھی ہیں شاید ہر کوئی شبیت نہیں سوچتا اور ہر ایک

کی ایک جیسی سوچ نہیں۔

سوال:- گھر کے کام میں کتنی دلچسپی لیتی ہیں؟

جواب:- گھر کے کاموں میں شادی سے پہلے زیادہ دلچسپی نہیں تھی کہ پڑھتی تھی تو امی، باجی اور بڑی بھابی کام کرتی تھیں اور اب تو میرے بغیر میرے اپنے گھر کا یہ عالم ہے کہ ”ایک جسم بغیر روح کے“ ہے۔

سوال:- کیسے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟

جواب:- ان لوگوں سے جو میری نیچر کے مطابق ہوں یا پھر خلاص ہوں اور اگر وہ ڈا جھٹ کے از حد شوقیں ہوں تو لازمی دوستی کروں گی کہ یہ میری پسندیدہ خصوصیت ہے۔

سوال:- آپ ڈا جھٹ کیوں پڑھتی ہیں؟

جواب:- تمام رسالوں میں یہ پسندیدہ ترین سوال ہے۔ اپنی ذہنی اور جسمانی قابلیتیں کے لیے ڈا جھٹ پڑھتی ہوں مجھے پڑھتے ہوئے سکون ملتا ہے یہ میرا پسندیدہ ترین کام ہے ان کے بغیر زندگی ناکمل ہو گی چاہے تو وی یا موبائل نہ بھی ہوں چلے گا مگر رسائی نہ ہوں تو کوئی مزہ نہیں، کوئی فرحت بخش سا احساس نہیں، میں اپنی دینی اور دنیاوی معلومات میں اضافے کے لیے بھی ڈا جھٹ پڑھتی ہوں کہ کچھ نہیں، بہت کچھ اچھا سیکھوں اور عمل کروں اس پر اور مجھے معاشرے کے متعلق معلومات میں تمام رسالوں کی ایڈیٹریز، رائز اور تمام قاری بہنوں کی خیریت اور حال احوال جاننے کا موقع ملے اور اس وجہ سے بھی پڑھتی ہوں کہ میری انگریزی اور اردو کی الفاظوں کی ادائیگی میں درستی ہو۔

اپنی اولاد کو مغربی طرز سے دور رکھنے، انتہیت اور فی وی کی خرافات سے دور رکھ کر ان کو رسالوں کو پڑھنے کا شوق منتقل کر کے ان میں ادبی شوق کو بڑھانے کے لیے اور اچھے کام سیکھنے کے لیے میں یہ تمام پیارے

پیارے ڈا جھٹ پڑھتی اور پڑھواتی ہوں یہ وجوہات ہیں ان رسالوں کے لیے جتوں ہونے کی۔

سوال:- کوئی یاد گار شرارٹ؟

جواب:- یاد نہیں کہ اب زیادہ یاد نہیں رہتا۔

ہاں جن چیزوں میں دلچسپی تھی وہ یاد رہتا ہے مثلاً سندھ میں دریائے سندھ پر موجود سات سینیلوں کے مزار پر حاضری کے دوران کشی میں بیٹھے کر گرم چھلی کھانا، پنگ بھائیوں کے ساتھ مل کر اڑانا، وہ کئھے پانی اور آلو

پانی والی چاٹ، تیز مصالحے والی فنگر چسیں، کم کوائی کی کچھ کھانا، گول گپوں میں پیلی کھٹائی ترے بھر کر دوستوں اور کرزنوں کے ساتھ کھانا اور کتابتیں لیت کر لے جانا اور پہنسا تو کبھی اسکول واپسی سے باغ میں بیٹھے کر حیم

چاول دوستوں اور اپنی استانیوں کے ساتھ کھانا یا دیں اور ان کے دوران شرارٹیں کرنا یاد ہیں۔

سوال:- کس شخصیت یا واقعۃ نے اثر ڈالا؟

جواب:- واقعۃ کوئی نہیں باں جس شخصیت نے مجھ پر اثر ڈالا وہ ہیں اجمیں انصار صاحبہ ہیں۔ میں ان

کے اخلاق سے بہت زیادہ متاثر ہوں اور آج تک ان جیسی خاتون میں نے نہ بھی نہ پرستی نہ سوسوچی۔ ان کا

اخلاق، کروار، رویہ اور ان کا انداز اور ان کا بناوٹ سے پاک خالص پن ہی میری شخصیت پر گہرا اثر ڈال گیا۔

اللہ نے اس دنیا میں کتنا اچھے اور ہر کمگری کے لوگ بنائے ہیں۔ اجمیں میری مثالی خاتون ہیں ان کے اخلاقی رویے کو پہنانے کی کوشش کرتی ہوں، ان کی سحر اگیز اور پروقار شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے وہ میری آئندل ہیں۔



قیارہ عشق والدال سمحن

ریحانہ آفتاب

”زینی ہوش میں آؤ۔“ کشف نے شانوں سے کپڑا کراس سامنہ نہ کرے رہ گئی۔

کوہ صنوبر اور وہ زرینہ ہی کیا جس کے کان پر جوں ریختی۔ وہ اپنی بھرٹی میں مگر رہی تھی۔ ”تھہاری دعوت سے میں کہاں اصلذی کرنے آئی تھی اور تم اپنی کاش کی چہاری کھول کر بیٹھ گئیں۔“ کشف نے تباہی سینا

”کاش کر بل کیش میرے ڈیٹھ ہوتے، کاش اوباما میرا پڑھی ہوتا، کاش نائیگر شروع ہجھے ذہنس کھاتا، کاش برک لیہرزا اور زمین ریخ میرے پاؤں گاڑا ہوتے، کاش نادل کا

”ہاں تو کریں گے ناں کہاں اصلذی۔“ زرینہ نے دلاسا دیا۔

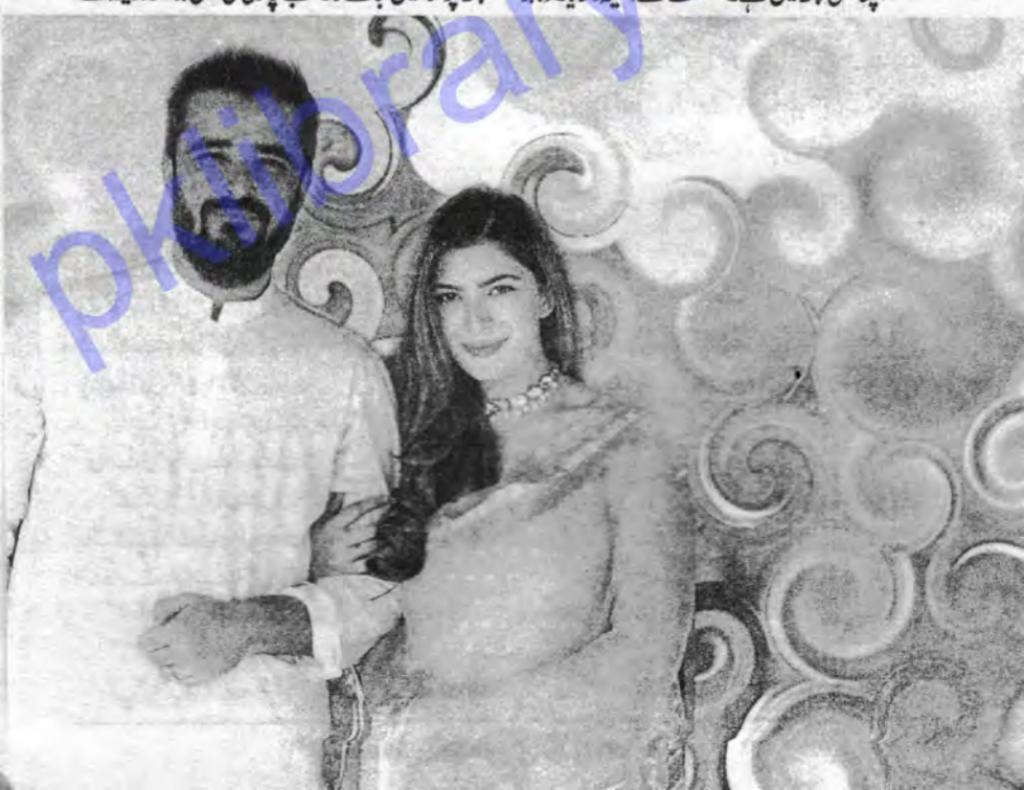
”کاش کی چلتی پھر قیچیری بند کرو سہ الپ۔“ کشف

نے نہ کے منہ پہ پا تھر کر کراس کی آواز کا گلاغھونا، زرینہ نے کہتے چیس کا پیکٹ کھول لیا۔

”چائے کے ساتھ کچھ سانیکس لوں گی خالی پیٹ مجھ سے کچھ پڑھائیں جائے گا۔“ بے چاری سی ٹھل بنا کر زرینہ نے

”اس میں برا کیا ہے؟“ وہ بھی۔

”چھا بھی کچھ نہیں ہے۔“ کشف نے آئینہ دکھایا۔ وہ برا



اسارت فون اخباریا۔

”راحیلے چائے کے ساتھ پینڈوچ بھی بنالیتا۔“ زرینتے پکن کی طرف نہ کر کے وازگانی۔

”اویز..... میرے ایشیں کو 104 لاکس ملے ہیں۔“ وہ فیس بک ہوئے کشف کو کھانے لگی۔

”زرینی بی بی میرے گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے، اب میں چائے اور پینڈوچ بنانے لگی تو بہت دیر ہو جائے گی۔“ راحیلہ مند بگاڑے چلی آئی۔ وہ اسے گھونٹنے لگی۔

”کون سا کئے نو سے چلا گئے لگائے کو کہا ہے جتنی دیر میں تم بیہاں آئیں اتنی دریش چائے بن جائی۔“

”مجھے لوگ کے پیے تھیں دیتی آپ، یہ سیرا کام نہیں ہے۔“ راحیلہ ہر جھنڈی رکھا کے مرٹی۔

”آنے دو ماکو، کرواتی ہوں تمہاری چھٹی۔“ زرینتے ڈھکنے والی۔

”کردیں براوس کو ہے۔“ راجیلے نے بھی اوہ جانشی رکھا اور سیرھیاں اتر گئی۔ کشف کی بھی چھوٹ گئی۔ وہ ہر بڑا کر راحیل کو رامبھا کئی لگی۔

”ملازمہ بھی بالکل اپنی طرح کی رکھی ہے تم نے۔“ وہ کشف کو دیکھ کر رہ گئی۔

”یہ گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے یقچکا۔“ ارم نے بیچے پوچھا۔

”لوایک اور سمنوا آ گیا۔“ اس نے دیتی وازے کہا۔

”جا چی کہاں ہیں؟“ وہ سیرھیاں پڑھتا اور دو دوں کو دیکھ تھیں پوچھا۔

”ممباڑی ہیں۔“ اس نے لاپرواں سے جواب دیا۔

”جب تم گھر میں اکیلی ہو تو دروازے کا دھیان رکھنا چاہیے تاکہ کوئی صرع جاتا پھر...؟“

”آب حس تو آئے ہیں۔“ زرینہ کی معصومیت پکش کو ہنسی آنے لگی کہاں نے ضبط کر لی۔

”اور میں اکیلی کہاں ہوں ذرا چیزیں کا نمبر چنج کریں آپ کو سازھے پاچھ فٹ کی میری دوست نظریں آ رہی۔“ زرینتے اشارہ کرنے سارم نے داہی جاتب رخ کیا۔

”اسلام علیکم!“ کشف سے پچھمن نہ پڑا تو سلام کر دیا۔

”ولیکم!“

”یہ علیکم کیا ہوتا ہے، سلامتی بھی پتھر مانے کے اندازے پاں نے یہیں سے استفار کیا تو یہیں نے سرہلایا۔“

"کیوں تم کپا کرنے والے ہو؟" سعید نے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں..... تمے محترمہ کے ائمہؑ کی تعریف کی تو سوچا ہم بھی ایڈ ہو جائیں۔" اس نے ریکارڈست سعید کے ہوئے کہا۔

"چاچی دیکھی آپ نے اس کی فضول حرکت۔" ارم نے فردوں سے شکایت کی جنہیں وہ پہلے ہی اوپر آتے کی روت دے چکا تھا۔
"وکھڑی ہوں بیٹا جانے یہ لڑکی کب بڑی ہوگی، ہر دلت کدک لٹکائے رہتی ہے۔" فردوں نالاں نظر آرہی تھیں۔
"اپنی یہ ساری کارستانی یہ فیس بک پر بھی منتقل کرنی رہتی ہے۔" ارم نے کھوڑا ہمیں فردوں کی وجہ سے چڑھی۔
"سلفیز اپ لوڈ کرنے سے میں پہلے بھی کمی پار منش کرچکا ہوں مگر یہ مانتی نہیں، سوشن میڈیا پر کیسے عجیب دغیرہ ب لوگ ہوتے ہیں جنہیں ایڈ بھی کرتی ہے اور میں کامیگی جادہ رہتا ہے۔"

"والی تو کافی انٹرنسنگ ہے محترمہ کی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ زیرینہ نے اسے ایڈ کرایا تھا۔
"واہ کما کوئی رپاں ہے بربانی کھاتے محترمہ نے ایڈ بھی کر لیا۔" سعید سرہلا تائپیچے جانے لگا۔

"کیا؟" اس نے جانتا چاہا۔ "کچھ کھانے کو لے آؤں۔" سعید نے کہا۔
"فس بک اتنا برا وقت بھی آ گیا..... اللہ خیر کرے فرندزادی میں مجھ سمجھی روح کی فریڈریکویٹھ آئی ہے اب بھکی رو جسیں بھی فیس بک کا رخ کرنے لگی ہیں۔" زیرینہ کے ائمہؑ نے اسے فلک شکاف قیقدہ لگا۔ مجھوں کو یادِ قدرے اونچا ہو کر دیوار کے پار جھانکنے کی کوشش تھی، تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر وہ صرف اسے دیکھنا چاہتا تھا۔

"آپ کو قوان اش انشا رحی بلاک کروں گی۔" اس نے دلوں کی پشت دیوار کے ساتھ تھی۔ ایک لڑکی کتاب کھوئی تھی۔ وہ سری بال بکھیرے سل فون میں گلی ہوئی تھی۔ وہ اس کا چند دیکھ کر کا۔

"اس وقت بھکی روح تو آپ لگ رہی ہیں۔" اس نے کھنڈ کیا۔ اس نے کوئی پڑھتے چوک کرادر کردار کھا پا اس پاس کے نیرس بالکل غالی تھی۔



کبوتر جا جا کی بوڑھا جا جا جا.....
چھپت پ کہ توں کوپاں اور بآجرہ دالتے مسلسل گنگارہ تھی، اس کام سے فارغ ہو کر اس نے گانے کے ساتھ دن بالہرا لہرا کر پفارمنس دینا بھی شروع کر دی تھی۔ قدموں کی وہک پ دیوار پاس کی مکاریت بے ساخت تھی۔

"زیرینہ....." کسی کی تیز آواز آئی، گانے کا عمل رک گیا۔ زیرینہ نے مرکرد بکھار کام سے ھور رہا تھا۔

"زینی....." فردوں کی عنصیلی تنبیہ کرتی آواز آئی۔ ارم نے اس مظہر سے ٹاکا ٹاکا تھے چھت پر کیسی واہیات کی حرکت کر رہی ہو۔ اس نے لفظ چبا کے کہا۔

"کیا حرکت کیم نے؟" فردوں اسے ھور رہی تھیں۔

”رہیاں گن کر پکانا چکر بھوی گلڑے میں جاتی ہیں۔“ نجیک کیا..... جب دیکھو ماں بننے کو تیار رہتے ہیں، شکایتی ٹوٹے..... جانے اُپس بھجے کون سا یہر ہے۔“ وہ شدید غصے میں تھی۔

”بگواں مت کرو۔“ حمیں پتا ہے تمہاری شادی اسی سے ہی ہو گئی۔ تینسرے بات کیا کرو اس سے۔“ فردوس ختم کر جائیں۔“ تیروں سے گھورتی تھیں۔

”مجھے نہیں کرنی اس پچاہ سالہ بدھی روح رکھنے والے جوان سے شادی۔“ اس نے صاف جواب دیا۔

”ہمارے لاڈیاں نے حمیں ضرورت سے زیادہ بگاڑ دیا ہے، آئے دو اپنے پاپا اور بھائی کو کتنی ہوں شکایت اور کشوٹی ہوں یہ نہیں۔“ فردوس دھمکاتی چلی گئی۔

”سر جاہوں گی کہ اس شکایتی ٹوٹو اور ہی ہمارے شادی نہیں کروں گی۔“ زینی کی ادائیگی ہوئی۔ اس نے کمی نہیں۔

.....
”ہماریں آپ کی ملکب کروں؟“ کچن میں آئی تو فردوس سان بجون رہی تھیں۔ سانہ شرمندگی ہوئی۔

”کیوں نہیں بند ہو گیا تمہارا؟“ فردوس نے پاٹ کر پوچھا تو وہ کہیا تھی۔

”کام تو کرتی ہوں ماما۔“ صبح سارے گھر کی صفائی کی تھی۔“ اس کا صفائی دینے والا انداز ہوا۔

”بھی ہم اسی نے پھٹکی کی اس لیے۔“ انہوں نے جواب دیا۔“ دکریں شرمند۔“ وہ مندھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”اجھا آٹا گونڈہ کرو رہیاں پکاؤ، میں نماز ڈھنے جاری ہوں۔“ اُپس جیسے مصوم بھولی بھائی بیٹی پر ترس آگیا۔ وہ سر ملا کر آٹا گونڈہ کی۔ اس نے آٹا گونڈہ کر رکھا اور میتوں کو ملیتے سے دیک میں جوانہ لگی اور فردوس بھی نماز پڑھ کر آتیں۔

”بھائی کب تک آتیں گی میکے کے؟“
”پہنچنیں۔“ کہہ کے تو دو دون کا گئی تھی، اب تو ہفتہ ہونے کو آیا، علیہ کا بھائی آبا ہوا ہے الگینڈ سے میں نے بھی بلوانا متناسبہ سمجھا۔“ فردوس نرم طبع سا تھیں۔

”مجھے عیسیٰ بہت یاد آ رہا ہے۔“ اس نے الکوتے پتھج کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں یاد تو ہجھے بھی آ رہا ہے، احمد آئے تو پوچھتی ہوں کب تک آئے گی علیہ۔“ فردوس نے کام ختم کر کے تو اسے پکھا۔

”عجفری یہیں ہے ذہنی۔“

”السلام علیکم!“ تعارف پاسے اخلاقیات نجھان پڑے۔
”پر ہواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟“ علیہ نے ہوئیں کے بادل دیکھتے تو پوچھا۔

”اوہ تھی..... وہ مری روٹی بھی جل گئی۔“ ماتحت آج مجھے جان سے مار دیں گی۔“ کہیں کو علیہ کے حوالے کرتے اس نے پنکی طرف دوڑ گئی۔

چاہتے تھے، پھر زندگی اس نے گزارنی تھی۔ علیہ کا تیز مرحان اور ہمکاروں احرام کو جیتنے لگا تھا گو کہ فردوں یا گھر کے درمیے کی فرد نے بھی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ احرام جانتا تھا اس کی بیٹھی کی اخلاقی تھی۔ اس میں علیہ کا کوئی مکال نہ تھا۔ فردوں اس کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ وہ کام کرنے سے جی چاہی تو خود کھڑی ہو جاتی یا زینتی سے کروالیں۔ علیہ ان سے اچھار دیر کھنے کی بجائے فاصلے پری رہتی تھی۔

”فردوں احرام میں خاص بات کرنے آئی ہوں۔“ بیبلی کی آمد فردوں نے خوشی کا اظہار کیا، جس پسندیدہ آنے کی وجہ تھی۔
”یا خاص بات؟“
”اے دم تو لئے دو۔“ بیبلی نے ہستے ہوئے چادر اتاری۔
”اف تو، کتنی گری ہے؟“ بیبلی پکھے کے نیچے کھڑے ہو کر پسیں دھک کرنے لگیں۔

”گری تو واقعی بہت ہے، میں شربت بنوائی ہوں، ہیزی۔“
فردوں نے آواز لگائی۔ علیہ شربت کے گلاں ٹرے میں سجائے چلائی۔
”کیسی ہیں تھیں جی۔“ فردوں نے کسی قدر چونکر علیہ کو دیکھا پھر سکر دوں۔
”میں تمکہ ہوں میٹا، بہت ٹھکری۔“ بیبلی نے گلاں اٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں نے آپ کا تے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے فوڑا شربت لائی۔“ علیہ نے دادچاہتی۔
”ماشاء اللہ، بہت اچھی بہوتی ہے تھیں فردوں۔“ فردوں مسکرائیں۔

”تمہارا چھوٹا کہاں ہے؟“ بیبلی نے شربت پیتے استفار کر کی۔ علیہ نے ایک گلاں فردوں کو تمہارا اور دوسرا خود لے کر بیٹھی۔

”چھت پر ہے اپنی پھوپو کے پاس..... دلوں کو بڑا مزا آتا ہے چھت پر۔“ علیہ کا انداز بظاہر سرسری تھا مگر اس کی ذوق منیرت پر فردوں چپ رہ گئیں۔

”فردوں، تم نے زینتی کو اور کا کر کر دے کر غلط کیا ہے جوان لڑکی ہے، اور پا کیلی رہتی ہے۔“ بیبلی فردوں سے تکلام ہو گئی۔ علیہ نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اب وہ مزے سے مختنہ تھا اور شربت کے حفظ بھر رہی تھی۔

”دعوت کہ کرنی ہے؟“ عیسیٰ کو کاٹ میں لیٹاتے ہوئے علیہ نے اپنی دل پریتے احرام سے استفادہ کیا۔
”کس کی دعوت؟“ نظر سرکریں پر جائے احرام نے بے دھیانی سے پوچھا۔ علیہ نے تھیکی نظر دوں سے میاں کو دیکھا اور ریٹک میک کر لگا۔ علیہ نے تھیکی نظر دوں سے میاں کو دیکھا اور ریٹک میک کر لگا۔

”میرا بھائی سا لوں بعد الکھنیہ سے لوٹا ہے، میری شادی میں بھی شرکیں نہیں تھیں، اس کی دعوت۔“ اس کے بتاتے لمحے احرام نے سر ہالیا۔
”رکھلو کسی دن اپنی فیملی کی دعوت۔“ اس نے منظوری دی۔
”بہنوں کو بھی بلواؤں کی ان کی فیملیز کے ساتھ۔“ علیہ نے اب بالوں پر ریٹک پھیرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے پروگرام نے احرام کو نظریں سرکریں سے ہٹانے پر مجید کر دیا۔
”کیا مطلب؟ تمہاری پاچی بیٹیں، ان کے شوہر اور پھر سب کے تین تین چار چار بیٹے۔ یہ تو کوئی تیس چالیس بندے ہو جائیں گے تھا، تھیں تو گئے۔“
”مطلب؟“ علیہ تک ریٹک کر دیتے پا کر بیٹھ گئی۔ اپنی فیملی سے متعلق اعداد و شمار کچھ پسند نہیں آئے۔

”مطلب صاف ہے کہ میتے کا خریں اتنے لوگوں کی دعوت سے بجت بہت آؤٹ ہو گا، ہما کیسے بچ کریں گی۔“ احرام نے تصویر کا درس راس دکھایا۔
”مجھے بیس پر۔“ علیہ نے ہاتھ جھاڑا۔

”کیا پچوں بھی بات کر رہی ہو، اگلے ماہ عیسیٰ کی فرشت برتحڑے سے ہے اس میں بالائیا سب کو۔“ احرام نے راہ دھاٹی۔
”برتحڑے کی بھی خوب یاد دلائی آپ نے، پہلے بیٹے کی پہلی برتحڑے اور گھر کی چھت پر۔....“

”کوئی بنتوٹ یاریزورث تو بک کرانے کی اوقات نہیں سے ہماری۔“ علیہ چھپتے چھپتے ہی اس حوالے سے ان کے تھیں کلامی ہو چکی تھی احرام نے اب بچت لیے۔
”جب تمہیں میری سلاری اور اس کھر کا بجت پا ہے تو ان باطن کا کیا مطلب؟“ احرام کو خصماً نے لگا۔

”کوئی مطلب نہیں، نہ کریں دعوت بھی۔“ علیہ چادر تان کر لیت گئی۔ احرام خاموش نظر دوں سے اسے دیکھا۔ بہ علیہ اس کی پسند بھی، فردوں اور ضیاء نے بیٹے کی پسند پر سر جھکا دیا تھا۔ اکتوبر تھی کی پسند سے الکار کر کے اسے بدال نہیں کرنا

پاس بیٹھ گئی۔ سب نے تو یہ کہر احرم کے زیر استعمال تھا لیکن شادی سے پہلے عاشق ٹوپیارہ گری، وحوب نہ لئے اس خیال سے نہ ہی کو اور پر والا کمرہ دے کر استعمال میں لانا پڑا کہ آدمی چھت مکھی ہے، دیواریں اوچی ہیں اور آس پاس جان پچوان والے اچھے لوگ ہیں اس لئے ملی ہے، ”فردوں کی چائی پاٹھے نے پھلوبندلا۔

”تم اور ضیاء اور شفث ہو جاؤ، بھلے کتنے بھروسے کے لوگ ہوں مگر زمانہ برآبے اعبار ہو چکا ہے۔“ نبیلہ نے رائے دینے کے ساتھ فکر مندی سے کہا۔

”ایسی بات ہے تو چلو پھر تھیک ہے۔“ نبیلہ نے آمادگی دکھائی۔

”میں عیسیٰ کو سلا دوں، اسے نیندا رہی ہے۔“ عاشقہ نے بزاری سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی راہی۔



امیرے پنوں کے سوداگر مجھے لکھ چکا ہے جا۔

”لکھی بارا سنگو پیڑ یک۔“ کشف کمائیں اعلیٰ کے لے آئی تھی۔ وہ نسل ایک یونی گانًا چلا رہی تھی تو اس سے مزید برداشت نہیں ہوا کا اس نے سیل فون اخرا کر گناہ بند کر دیا۔

”سکل کیا ہے؟“ اس کے کھوئے ہوئے انداز پر کشف کو حیرانی ہوئی۔ وہ چھپ جسی تھی۔

”گھروالے سیری کھنچی کر رہے ہیں ارسم کے ساتھ اور یہ پر کے بعد شادی۔“ آں نے وہی بھجیں کہا۔

”واو.... یہ تو ایکسا منگ نہیں ہے۔“ کشف اچھی اس نے منہ بھاڑ کر اس سے بھجا۔

”مجھے نہیں کرنی یہ ملتی۔“

”لیکن کیوں؟“ کشف کو حیرانی ہوئی۔

”مجھے ارسم بھائی پسند نہیں۔“ آں نے منہ بنا کر صاف جواب دیا تو کشف یقینی تھی۔

”اللہ کو مان نہیں، اتنا چاہیا بھلا بندہ ہے۔“

”تو پھر تم کروم عینتی۔“ جواب حاضر تھا۔ کشف نے اس کو خورا۔

”آگر تھماری بات سالوں سے طے نہ ہوتی تو ضرور ترائی کرتی۔“ رئی نے کوفت سے اور گرد کی کہا۔

”تا پسند یہی کی وجہ؟“ کشف اب کے سنجیدہ ہوئی۔

”میں جانتی ہوں، ارسم بھائی میں ہر خوبی ہے جو لاریوں کو چلتی تھی۔“

”خوبی دیر ہوئی۔“ آٹو بیٹھو میرے پاس، ”نبیلہ نے اڑکت کرنی میں گروہ سرے ناٹپ کرنیں ہیں۔“ تم دلوں کا واث سے کہا۔ عاشقہ نے عیسیٰ کو گوئیں لے لیا تو وہ نبیلہ کے

”محبوبی تھی آپ..... سب نے تو یہ کہر احرم کے زیر استعمال تھا لیکن شادی سے پہلے عاشق ٹوپیارہ گری، وحوب نہ لئے اس خیال سے نہ ہی کو اور پر والا کمرہ دے کر استعمال میں لانا پڑا کہ آدمی چھت مکھی ہے، دیواریں اوچی ہیں اور آس پاس جان پچوان والے اچھے لوگ ہیں اس لئے ملی ہے، ”فردوں کی چائی پاٹھے نے پھلوبندلا۔

”تم اور ضیاء اور شفث ہو جاؤ، بھلے کتنے بھروسے کے لوگ ہوں مگر زمانہ برآبے اعبار ہو چکا ہے۔“ نبیلہ نے رائے دینے کے ساتھ فکر مندی سے کہا۔

”بس آپ..... ضیاء کے گھنٹے کا درستاخن نہیں چھوڑتا جس کی وجہ سے وہ پیر حیاں اتر چڑھنیں پاتے تو....“ فردوں

چھپ ہوئیں۔

”جس بات ہے، متسلط طبقے کے تو سوسائیتی دھکتو پر رنگا ہیوں دھکتو سر۔“ نبیلہ بھی آٹھ بجے کر چپ ہوئیں۔

”بڑے دنوں بعد اتنا ہوا آپ کا؟“ عاشقہ نے منخواں بدللا۔

”ہاں میں تو بھول ہی گئی۔“ نبیلہ کا رائے فردوں کی طرف ہوا۔

”میں اور تمہارے بھائی اب زرینہ اور ارم کی عینتی کا سوچ رہے ہیں تاہم تم لوگوں کی کیارے ہے؟“ عاشقہ کے منکاز اور یتیزی سے بذریعہ کیا۔

”یہ تو پہلے ہی طے تھا بھائی۔“ میں ضیاء اور احرم سے پوچھ لوں پھر آپ کو بتا دوں گی۔“ فردوں کے چہرے سے خوشی حملکے گئی۔

”ہلے چلو یہ بھی تھیک ہے۔“ تم مجھے فون کر دینا۔“ نبیلہ مطمئن ہوئیں۔

”یہ یعنی بھائی، نہلہا کر کیسا تیار کیا ہے؟“ آپ کے صاحب زادے کو۔ رئی فریش سے عیسیٰ کو لے جائی۔“

”میں کیوں کی میکیں کی سلفیز بھی اپ لٹ کر دیں۔“ وہ اپنا کارنامہ بھی گوشہ گزار کر رہی تھی۔ نبیلہ اور فردوں اس کی بیکانہ حرکت پر مکاراں۔

”اڑتے تھیں جان، السلام علیکم کس کے کیں؟“ وہ نبیلہ کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ پتختی اسے تھائی اچھی تھی تھیں اتنا وہ ارم سے چلتی تھی۔

”خوبی دیر ہوئی۔“ آٹو بیٹھو میرے پاس، ”نبیلہ نے

کمزوج میں لے لیا تو وہ نبیلہ کے

”السلام عليكم“ دمری طرف سے کال رہیں گئی۔

”ولیکم السلام بے وقت آپ کو کمال کی، آپ ذمہ بتو نہیں ہوئے اور میں؟“ علیہ کو من قحطی کے حساب سے لفڑیوں ملکے چاہل قھار۔

”اے نبی بھابی، کیہی۔“ ارم بھی رشتے داری کے نتائے اس کی بحث عزت کرتا۔

”امچوی سالوں بعد بھائی کینڈر سے آیا ہے تو اسی سلطے میں آج احمد نے میری قلمی کی دعوت دی ہے، اگر اسی عزیزی کی عیادت کو مجھے ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا دعوت کی تیاری میں مدد کے لیے ہن کو بلوالوں، بے چاری اگر اس عمر میں کتنا باقاعدہ نہیں گی۔“ علیہ نے تصویب ہن برپا۔

”بھائی زندی ہے نہا وہ آپ کی مدد کرے گی۔“

”وہ تو کانج سے آ کر سوچی ہے جانے کب جا گے گھر کی بات ہے ہن آ کر باہم بٹادے ہی۔“ علیہ نے ہوشیاری سے کام لیا۔

”جیسا آپ بہتر سمجھیں،“ ارم نے بات ختم کی۔

”آپ کو کمال اس لیے کی تھی کہ اگر آپ کو سخت نہ ہو تو آپ میری سماز کو پک کر لیتے تو بہت احسان ہو گا۔“ علیہ مطلب کی طرف آتی۔

”میں... ارم جبکے ہوا۔“

”اصل میں ای اوسی کی عیادت کو مجھے ہیں، بھائی بھی نہیں سے احمد بہت بڑی ہیں مجھے ایک آپ کا خالی آیا تو کمال کر دیں ایک آپ کو فرمات ہیں ہے تو...“ علیہ کا لامپرداہہ اور دھیما ہو گیا۔

”اے کے بنیں... میں پک کر لیتا ہوں آپ کی سڑک کے آپ انکی انفار کر دیں۔“ ارم کو مانتے ہیں۔

”بہت شکریا ادا احسان آپ کا،“ علیہ کمل گئی۔

”غیر وون والی بات تہ کریں۔“ ارم نے روا داری بھائی۔ علیہ کا پلکنٹ کر کے اب اپنی بہن کو کمال کرنے لگی۔

جھاڑا کرنے والے... انہیں میری ہر چیز پر اعتراض ہوتا ہے ایسے کیوں کھاری ہو یہ کچھے کیوں پہنچے ہیں، اتنا کیوں بخشی ہو، اس سے بات کیوں کری ہو؟ وہ چاہجے ہیں میں بھی ان کی بھی بی بی روح بن جاؤں... میراج میں اتنا انتشار کئے والے اپنے زندگی نہیں گزار سکتے۔ میں اکر بڑوں کی بات مان کر شادی رو ہے اور کیوں تو ساری زندگی سپردازی ہو گا لیکن ان سب میں میرے اندر کی زندگی مر جائے گی۔“ اس نے سمجھی گی اپنے خوف کو زبان دی۔ کچھے کشف بھی بول نہ پائی۔

”تمہارا ترو ڈھنگی اپنی جگہ درست ہے گھر، جس سوسائی کا حصہ ہیں اس میں والدین کی پہلی جگہ اس میں حاکماں اور رکانے والا رکنا ہوتا ہے، اگر والدین تو دل پر تھر کر کم پڑھے لکھے گوں کو بھی بھی دے دیتے ہیں کہ اور کوئی جاری نہیں ہوتا۔ اچھے اور ہم پلر رشتے کے انتشار میں لڑکی کی عمر بخیلی ہے تو ان سوسائی کے لوگ باشی ہتھیں ہیں کہ ساری خوبیاں و ٹھوٹے سے ایک شخص میں نہیں ہاتھیں اور جن والدین کو تمہارے ہیچے رشتے ہتھیں نہیں تو وہ شکر ادا کرنے شکھتے... جن خداش اور احتضانات کا تم ذکر کر رہی ہو وہ میں اور تم تو اندر راسیڈنڈ کر سکتے ہیں، وہی مطابقت نہ رکھتے والے شخص کے ساتھ یہ آسان ٹھیک لیکن ہماری سوسائی اور ہمارے والدین کی سوچ بھی اس اہم مسئلے کی طرف نہیں گئی۔“ کشف کا الجھ بھی تھا ہو تو خداوس کی روشنی کم پڑھے لکھے لوگوں میں بیانی تھی جیسیں پڑھی لکھی تھیں، اچھے لڑکے کے انتشار میں اس کے والدین گھر بخشا کر بڑھا نہیں کر سکتے تھے۔

”تم سبحدار ہو، خود کو ذاتی طور پر تیار کرو، کم از کم ارم بھائی تمہارے فرشت زدن ہیں، تھیں ابھی لوگ اور یا جوں کا سامنا نہیں ہو گا اور ان شاء اللہ تم اچھی لائف کر لے گو۔“ کشف نے آس کی فکر اور پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔ زندگی نے کچھیں کہاں کی خاموشی دیوار پار بہت شدت سے محوس کی تھیں۔

..... علیہ نے پچھے کی طرف چاہا کہ کرتی ہی۔ فردوں اور زور پر رات علیہ کی نیلگی کی متوقع دعوت کی تیاریوں میں گئی ہوئی تھیں۔ علیہ نے تھوڑا باہم بہایا تھا مگر زندگی کے کانج سے آنے کے بعد عین میں کو ملانے کے بہانے جو کرے میں تھی تو پھر نہ کی نہیں۔ پکھو سوچتے ہوئے اس نے اسadt فون انھیا اور کسی کو کمال کرنے لگی۔

پکن کی دلیلیں پا کھڑی ہوئی تھی۔
”ارسم تم؟“ فردوں نے حیرت کو نہ باندھی۔

”درال شرمن گھر میں ایسی بورہ بورہ بھی تو میں نے اس کو کہا تھا شرمن کو پک کر لینے کو آٹھ شرمن، سانس لے لو میرے کمرے میں پھر تاحد مذاہ نامیرل“ علیہ بہن کا باخوبی پکڑ کرے کمرے میں لے لئی۔

”چاچی..... بھائی نے کہا تو میں انکار نہیں کر سکا لیکن ایک اپنی بڑی کے ساتھ بائیک پر..... میں بہت آئے کوڑا فل کرتا رہا آپ ارم بھائی سے کہہ دیجیے کامبھائی کو مناسب الفاظ میں سمجھا دیں۔“ ارم کچھ پرل لگ رہا۔

فردوں کی خاموشی ہو گئی تھیں۔ علیہ کی اس حرکت نے انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ زیرینے شاید بھلی بار ارم کو دھیان سے دھا تھا پھر بخ کام میں لگ گئی۔

”تم آرف رکھے تھا اس سے؟“
”بھیں لج تھام کم، بھائی کی کالا آئی تھی۔“

”لچ بھی نہیں کیا ہوگا؟“ فردوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

”تھی۔“
”میشورخ کر کے جاؤ، کھانا تقریباً تیار ہیں، زینی۔“ فردوں نے زینی کو کھانا لائے کا اشارہ کیا۔

”چاچی لیٹ ہو جاؤں گا۔“ ارم نے لکھا پاہا۔
”نہیں ہو گے، کھا جاؤ، ورنہ سارا دن بھجو کر ہو گے۔“

زینہ کھانے کی شرے لا کر تھن میں موجود پنک پر کھلکھلی تھی۔ ارم نے اس کے تھنے چہرے کو دیکھا وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

”نہیں لگ رہی تھی۔ فردوں کے اصرار وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

”آتنا جامعوں دھا تھا جیہیں ذرا سماون سے فائدہ اٹھانا نہیں آتا، لج بھرنیں کر کتی تھیں۔“ علیہ بھرمن کو گھوڑے نے گئی۔

”میں نے بہت کوشش کی آپی گری پر ضرورت سے زیادہ شریف ہے ایتماری نہیں پر فریقت۔“ شرمن مل ہی تو گئی۔

”ہاں جانے کیسا جادوا تاہے اس بڑی کو، کیسا ہیرودی جیسا لڑکا نصیب بننے جا رہا۔ سمجھ تو تمبارے لیے، بہت پسند ہے۔“ علیہ نے دل خدا، مٹی ظاہر کی۔

”مطلب؟“ فردوں نے عصبی کاں بھرمن کو دیکھ کر گیا کہ تم علیہ کرنے کی دعویٰ کوئی نہیں کر دیتے۔ اس کی کاری بیوٹ اخلاقی ناٹکیں لیں کر کے تم دراز ہو گئی تھی۔

اس چیز کو اچھا نہیں سمجھ رہا تو علیہ کو بھی خیال رکھنا جائے۔“
فردوس پچھے پریشان تھیں۔ انہیں علیہ کے ارادے پچھلے
نہیں لگدے ہے تھے۔“ آپ پریشان نہ ہوں..... میں سمجھادوں گا اسے۔“ احمد
نے چاہئے تم کی۔

اسامنٹ بیاتے زمیں کو سل فون کی یاد آئی، صبح سے اسے
فیسیں یک استعمال کرنے کا موقع نہیں طلاق۔
”فینیک سک، باڑی پین، سرروار اور اس اسانت۔“

ایش ڈال کر وہ دستوں کے پیغامات پڑھنے لگی۔
”دواں..... اسامنٹ مکمل کریں، یہاں کون ساڈا کثر
آپ کے انفارمیں بیٹھا ہے۔“ بھک روح کا فوری کھٹ آیا،
اس نے چڑ کے میواں ہی بند کر دیا۔

”واتھی میں بھک روح ہے جو اتنی رات کو بھی متذائقی رہتی
ہے۔“ اپنی پیشی بات سوتھے گی پھر سوتے ہوئے ذرگے
گا۔ ”بڑیراتے ہوئے اس نے پھر سے اسامنٹ کی طرف
وصیان دیا۔

”عجیس سو گیا تھا تو تم برتن ہوتے میں رعنی کی مدد
کر دیتیں۔“ احمد کمرے میں آیا تو علیہ آرام سے لٹھنی وی
پر ڈرامد یکھ رہی گی۔

”ساراون میں بھکی گئی رہی ہوں۔“ علیہ نے بھک کے کہا۔
”اچھی طرح جانتا ہوں تم نے کتنا کام کیا ہے۔ میں اپنی
ماں اور بہن کے ہاتھ کے کھانوں کا ذائقہ پہچانتا ہوں۔“ احمد کا
لہجہ جانتا ہوا تھا۔

”ہاں تباہی کے کام بھی ہوتے ہیں کنگ، صفائی وغیرہ۔“
علیہ ہمارانے والوں میں سے نہیں تھی۔
”تم نے ارم کو کمال کیوں کی تھی؟“ احمد کا پوچھنا تھا کہ
علیہ جھکتے اٹھتی۔

”تو گاری شکایت آپ کی ماں نے؟“ اس کا لہجہ تیز ہوا۔
”آں اور آہستہ کر کے بات کو ورنہ تمہارا طلاقہ غم کرنے میں
مدد رکھ رہی نہیں لگتی۔“ احمد میسی یکسی سخت زبان میں بوللا۔

”ارم میرا کڑکن اور ہونے والا ہونوئی سے کس رشتے سے تم
نے اپنی بہن کو اسے پک کرنے کو کہا، تم مجھے بھی کہہ سکتی تھیں یا
تمہارے گھر سے کوئی چور ڈھندا۔“ احمد فسر سے بوللا۔
”گھر میں کوئی نہیں تھا۔“ علیہ نے دو ٹوک کہا۔

”تو اتنی بہن کو کہتی رکھتا ہی تھی میں آ جائے۔“
”اکیلی لڑکی رکھتی تھی۔“ علیہ چلی۔
”اکیلی لڑکی جب اچھی کے ساتھ بایک پیٹھ کتی ہے تو
رکھ میں پیٹھ میں کیا ہرجن ہے۔“ احمد برمہم ہوا۔
”میں بھلی اور اخوبی پار سمجھا رہا ہوں آنکھے اس طرح کی
حرکت ہوئی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔“ احمد کو فصلہ آتا
تھا۔ مگر وہ علیہ کی ساریں بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا، بھک تو
فردوس نیکم بھی نہیں تھیں مگر انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔
علیہ سلسلی رہی۔

”کہیں ہیں رعنی؟“ کال رسیو کرتے اپنی اب دل بھپ
زد پہنچنے تھے جو اتنی سے فون کو دیکھا۔
”کون؟“
”جعفری بات کر رہا ہوں۔“ مکر اکر تعارف کر لیا۔
”میں بھابی سے آپ کی بات کرواتی ہوں۔“ وہ یعنی
چانے لگی۔

”لکھنے سے بات کرنا ہوتی تو اس کے نمبر پر کال کرتا۔
آپ اتنا بھی نہیں بھیتیں۔“ اسے اپنے کی جواب کی وجہ نہیں
چلی تھیں اس کے قدم گھم گئے۔
”مطلوب؟“ اب کے اس کا لہجہ تھا ہوں۔
”میں نے آپ سے بات کرنے کے لیے کال کی ہے۔“
”کیوں؟“ از پہنچنے تھے پہنچنے لگا۔
”ہم میں رشد داری ہے، وہ کہتے ہیں میں ناشادی و فردی
نہیں، دو خاندان کے درمیان ہوتی ہے۔“ اس کا انداز بھانے
والا ہوا۔

”محاف سچی گا مجھے اپنی سے بات کرنا پسند نہیں۔“ اسے
غصہ گیا۔

”رعنی میں آپ کو پسند کرنے لگا ہوں، آپ مجھے بہت
اچھی لگتی ہیں۔“ اس کی بات نے اس کا فشار خون بلند کر دیا۔
”میں جانتا ہوں آپ ارم کو پسند نہیں کرتیں آپ کا جیون
ساتھی یہ مرے جسما بندہ ہوتا چاہیے جو آپ کو سمجھ سکتے۔“ وہ
جانے اور کیا کیا بکاوس کر رہا تھا زیرتے کا کال کاٹ دی۔
”اں تھی اتنی نہت کہ اسی فضول گوئی کرے کیا کوں؟“
وہ سر پر کر رہی گئی۔
”ممکا جو تاؤں نہیں وہ پریشان ہوں گی، بھابی کو.....“

علیہ سے بخی سے کہا۔

”جائے مما سے یہ سب چھپا کے میں نے محکم کیا یا نہیں لیکن ممتاز پریشان ہوش اور بات احتمالی تک جانی تو یقیناً شریت پر فرق پڑتا۔ میری وجہ سے بھائی کا گھر خراب ہو یہ میں کبھی نہیں چاہوں گی۔“ سارا دن وہ خود کو تادلیں دے کر بھائی رہی۔

”تم ہر وقت چھٹ پہنچ کیوں رہتی ہو، کبھی بخوبی جایا کرو۔“ جانے ارم کب وہاں گیا تھا۔ اسے سوچنے میں دیکھ کر لوٹا نہیں بھولا۔

”آپ کو بھی ہر وقت مجھ پکڑ جیٹی کی کیوں عادت ہے؟“ وہ چکری۔ ارم نے اس کے پھولے چہرے کو دیکھا اور مکارا دیا۔ ”تک تم انسانوں والی حرکتیں کرو۔“

”آپ نے مجھ میں کون سی جانوروں والی حرکتیں دیکھ لیں۔“ آس نے جرس کی۔

”ہر وقت بیلی کی طرح بخیجت کرتی ہو یہ کیا کم ہے؟“ آس نے چڑایا۔ وہ منہ بنا کر رہی۔

”بخیج جاؤ ای، بابا آئے ہیں، ہماری امتحنوت کی بات کرنے۔“ ارم نے مسکراتے لمحے میں اطلاع دی۔ وہ چوک گئی۔

”خوش نہیں ہوئی۔“ آس نے جھیڑا۔

”آپ جیسے ہمارے ساتھ اٹھنی پکن لاٹکی خوش ہو گی۔“ وہ بخیجتے جانے لگی۔ ارم بھی بخیج آگیا۔ جہاں سب خوش گپتوں میں مصروف تھے، علیہ کاموڈ کی قدر اف تھا۔ وہ سب کو سلام کر کے جس میں جس گئی۔

”پانی میں ملتا ہے؟“ ارم کچن کے دوازے بخانزتی نے فرق کے پانی کی بوتل نکال کر لگاں میں پانی نکال گئا۔ حمالا۔ ”تمہیں بخہ سے ٹکایت کیا ہے؟“ وہ شاید کچھ زیادہ

فرصت سے قبلا۔

”ٹکر کر مجھے بتایا اگر اس کی ماں یا بھائی کو بینک بھی پڑھی تو ارم مجھے فارغ کر دیں گے،“ علیہ جل گئی۔

”مجھے تمہاری ہند اپنی سے بھجن ہونے لگی۔“ اس نے بیچارگی سے کہا۔

”تو مجھے بتاتے میں کوئی حل موجودی۔“ اس نے راہ کھائی۔ ”تواب سوچ جو۔“

”میں شاید میری ہر وقت کی روک لوگ سے چاہے وہ بخوبی ہوں لیکن اب کوئی نصolu حرکت مت کرنا۔“ صرف اس لیے کرتا ہوں کہ ابھی تم بے قوف ہو۔“ زمیں نے

نہیں وہ بھائی پر غصہ ہوں گے پہلا بھی چھپلے والے پہنچی دن دلوں کے بچ پسر جگ رہی۔ میں بھائی کو بتائی ہوں۔ وہ اپنے بھائی کو خود بھجا لیں گی۔“ سوچ کو عملی جامد پہنانے کے لیے اس نے علیہ سے کرے کارخ کیا۔ وہ حسب معمول آرام کر رہی تھیں۔

”میں آ جاؤں بھائی۔“

”ہاں آ جاؤ۔“ علیہ سے بادل خواستہ کہا۔

”طبیعت کیسی ہے اب عجیس کی؟“ اس نے سوئے عجیس کے پھرے پہ پا تھے پھرا۔

”موکی بخارا کی خوارے دوائی کے سورہا ہے، بہتر ہے۔“ علیہ نے اسے بغور دیکھا۔ ”کوئی کام تھا؟“ وہ بہت کام آئی تھی تباہ پوچھا۔

”بچ پہاڑی۔“ اس نے جھبکتے ہوئے جعفری کی کال اور پاتوں کے تخلیق بتایا۔ علیہ سید گی ہوئی۔ جب بولی تو لجھ میں دیکھا جان کی محبت اٹھا۔

”تمہارا بہت شکر کے تم نے یہ سب مجھے بتایا۔“ پوناگر رہا۔

”یا جنم کو بتائی تو ارم مجھے کھڑے کھڑے طلاق دی دیتے۔“ ”الشدة کرے بھائی کیسی ض阜وں بتائیں کر رہی ہیں۔“ زردہ دہل گئی۔ علیہ سے مکاری سے روتا شروع کر دیا۔

”تم بہت اچھی ہوئی لیکن تمہیں جانتیں اس دن شہر میں کو ارم نے ڈر اک کیا تب ہی ارم نے مجھے طلاق کی دھکی دی۔ تمہارے آگے باہم جوڑی ہوں تم بھولےے سے بھی ممایا ارم سے بد کرنہ کرنا۔“ میں خود جعفری کے کان کھینچوں گی۔ ای، اب سے بھی اس کی شکایت کروں گی۔

”بچ بھائی جیسا آپ بہتر بھیں۔“ زمیں سر لا کر چل گئی۔ ”یہ کیا حرکتی کی تم نے؟“ اگلے لمحے علیہ سے جعفری کو کال کر کے غصہ کیا۔

”لوتا دیا نہندے؟“ وہ نہ۔

”ٹکر کر مجھے بتایا اگر اس کی ماں یا بھائی کو بینک بھی پڑھی تو ارم مجھے فارغ کر دیں گے۔“ علیہ جل گئی۔

”مجھے تمہاری ہند اپنی سے بھجن ہونے لگی۔“ اس نے بیچارگی سے کہا۔

”تو مجھے بتاتے میں کوئی حل موجودی۔“ اس نے راہ کھائی۔

”تواب سوچ جو۔“

”ہاں سوچتی ہوں لیکن اب کوئی نصolu حرکت مت کرنا۔“ صرف اس لیے کرتا ہوں کہ ابھی تم بے قوف ہو۔“ زمیں نے

اسے

گھوڑے کے دیکھا۔

"پر مشکل مکھت میں برداشت نہیں کرتی۔"

"چیزیں کہاں ہے۔ ارم نے زور دے کر کہا۔

"تم نہ صرف بے تو قب بلکہ بے حد ان مچھروں ہو۔" ایک

اور خوبی سے گاہ کیا گیا۔

"جی اور آپ تمہارے چالاک اور جوشدار انسان ہیں اور میں

بے تو قب خوش.... وہ حس عادت چیزیں تو ارم ہنسنے لگا۔

"اوہ... پہاں تو رہنیں چل رہا ہے۔" علیہ کی آواز

قریب سے آئی تو رودوں پوچنے۔

"میں یاپی نہیں آیا تھا۔" ارم کو اس کا جملہ برالگا۔

"میں کب کہہ رہی ہوں تum کوئی اسی وسیع حرکت کر رہے

تھے۔" علیہ نے بظاہر سکرا کر پچھیا اکرار کو گراں گزنا، وہ باہر

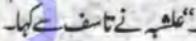
چلا گیا۔ زندگی اس کا انداز کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔



"اگر تمہیں ارم پسند نہیں تو انکار کر دو۔" علیہ نے ہمدرد

بن کر روز رہنے کو سمجھا۔

"ارم تو واقعی تمہیں سوت نہیں کرتا کہاں تم شوخ و چیل



کہاں وہ خاموش طبع۔" علیہ نے تاسف سے کہا۔

"یہی پر شایل تو مجھے لاحق ہے بھائی کہ میری ارم بھائی

سے ذہنی ہم اچکی نہیں ہے۔ انہیں مجھ میں صرف خامیاں ہی

نظر آتی ہیں۔ ہر وقت ذات ڈپٹ۔ اب کیا شادی کے بعد

بھی میں ان کی جھریکاں کھاتی رہوں گی۔" وہ بدل تھی۔ ہر

حاس اڑکی کی طرح اس کے بھی کچھ احساسات تھے، وہ بھی

ترنیق تو صیف تو جو چاہتی تھی، کوئی خوش کن احساس، گلستان

جلد مرارم ان احساسات سے کوئی دور تھا۔ شادی ہی اس نے

بھی زندگی کو کوئی تجھہ دیا ہو، نبیل خود اُتھی تھیں گمراہ اس نے

آن تک اسے بر تھڈے تک دش نہیں کیا تھا۔ وہ بدل نہ ہوئی

تو یہی کرنی۔ لڑکاں اپنے فیصلہ ز کے انتہے سخنی خیز تھے سن اک

جب اس سے پوچھیں تو وہ اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی کر سا لوں

سے "ارم کی لذن" کا خطاب منٹے والی کے پاس کوئی دلچسپ

قصہ نہیں تھا۔

"ایسے ہوتے ہیں کرزاں اور میکٹر۔" بھلے عکنی نہیں ہوئی

گمراہ باتی تو سب طے ہے۔ انہیں مجھے لے گاؤں نہ مجبت۔"

وہ کوہنے سے سوچی اور اس کا برا لاطہار بھی کمی با رفروں سے کر

بھی تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اس کا بچپن ہی سمجھا اور علیہ

چیزوں کا حسن تو شادی سے پہلے ہے تاں، لڑکیاں فٹھ پڑنے کے لیے کیسے جمعوت بوقتی ہیں، تھاں فٹھ کا تابدیل ہوتا ہے، تھرہوار پر سب سے پہلے وہ کرنے نے جاہو قوتی ہے لورا ایک میرا فصیب ہے۔ اچھے گلوپرے رواج سے مغلی کی تاریخ ختم ہوئی تھی وہ کچھ یاد اور اسم کی الائقہ وہ بھائی کو دھونے کی تھی۔

یہیں تھا کہ اس کو اس سے محبت نہیں تھی یا وہ اسے پونڈنیں تھی۔ مروج میں سچیدی اور برداری تھی اور برچھوڑہ ان چھوڑوی حرکتوں کو پونڈنیں کرتا تھا۔ جب مال باب نے سالول سے رشتہ طے کر دیا تھا کہ زندگی اس کی دہن بنے تو وہ خرید پر کوں ہو گیا تھا۔ وہ جاناتا تھا زندگی کو اس سے بے حد دشکانتیں ہیں اسی کی نظر میں وہ بورنگ اور احاسات سے عاری تھا وہ یہیں جانی تھی کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا، اسی اظہار کا قائل نہ تھا۔ نہیں ہو گئے، پارکوں کا شیدائی جو اسے لے کر پھر تارہتا۔

عیسیٰ شیر و اونی اور گھری میں غصب ڈھارہا تھا کیک کٹ چکا تھا۔ علیہ کی نیلی تمام نہیں اتنی نیلی کے ساتھ مددو تھیں۔ زردیہ کا کمرہ زندگیت سے مصلح تھا سوہہ خرچ کا قش پیش کر رہا تھا۔ گھری خڑی کوئی میک اپ نہ کر تی تو کسی کا پانی بیرون اسکی بد نے کا خیل ستانے لگتا۔ علیہ کی ای نے کمرہ دکا رو نار کر پڑا پر قبضہ جمارا تھا۔ جعفری کی نظر میں زندگی سے بہت نہیں رہی تھیں۔ بیک شاگک بیک سوٹ میں وہ تحفہ کی جان لگ دی تھی۔ شرمنی ارم کے اونگ ردا خلاڑی تھی۔

جب کمر میں ہی چھوٹی سی تقریب تھی تو اس قدر تیار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی شادی تھوڑی تھے۔ اسمرے کہنا نہ گھوڑا۔ زردیہ کا دل بے حد براہوں بجائے اس کے کوہ اسے سراہتا تھریف کرنا اتنا لازم تھا۔

”میں نے آپ سے کہا کہ آپ نے بالکل اچھی ڈینگ نہیں کی۔“ میں کی پھر آپ نے کیوں رخت تھی۔ اسے غصہ گیا دل اتنا براہو کوہ نہیچے طلب آئی۔

”حد ہوتی ہے، بھابی کی بیٹیں کتنا تیار ہوئی ہیں۔ انہیں میری تھی چیزیں جبکہ تھیں۔“ اس کی آنکھوں میں آنے تھا گئے۔ ناڑک ول پر جو ٹھیک بڑی تھی۔ قرب تھا۔ ایسی سے رُزگر اپ اسک صاف کر دیتی یعنی کسی کی غیر مترقب آواز اس کے ہاتھ رک گئے۔

”یہندہ کریں پلیز۔“ وہ جعفری تھا۔

"اچھا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں تو کلم نے دو گھنٹے جھفری سے بات نہیں کی..... ثبوت ہے جھفری کے کال ریکارڈ کا۔"

علیہ نے جھفری کا فون لے کر سب کو دکھلایا۔ "ووچس ذرا اتنی رات کو یہ میرے بھائی سے کیا ہاتھی کر دی گئی۔ اس نے جھفری سے کہا کہ وہ ارم سے شادی نہیں کرتا چاہی وہ اس کے عروج کا نہیں جھفری اسے سمجھاتا ہوا اور آج بھی اسے سمجھا تھا جس پر ایسا پے سے باہر ہو گئی۔ علیہ نے کہاں کوی اسارگ دیا کہ سب ساکتہ رہ گئے تھے زینی کے آنسو بننے لگے ارم سنجدی سے سادہ کیدھر ہاتھ۔"

"سمایہ سب جھوٹ ہے میں بھائی نے مجھ سے مل فون لیا تھا کہ انہیں ضروری کال کرنا چاہی پھر ٹھوٹ بحدل ٹھاپا۔ میرا یقین کریں۔" فردوس کا تھا پڑ کر شدت سے روپری۔ "تم نے ہمیں پسلے کال کے متعلق کیوں نہ بتایا؟" ارم غصہ سے بولا۔

"بھائی نے کہا تھا کتاب نے یہ سب ساتھ انہیں طلاق دے دیں گے۔ میں نے اسی لیے مام سے بھی یہ ذکر نہیں کیا۔" زینی کا ذات و شرمندگی سے براحال تھا۔

"بھائی میں اسی بالکل نہیں ہوں، جیسا بھائی ثابت کر رہی ہیں۔" اس کا نہ سمجھنے رکھا ہے تھ۔

"ہمیں ہماری بیٹی پر پورا بھروسہ ہے بہو، جب سالوں سے اس کا رشتہ ارم سے ملے ہے تو وہ کیوں اس طرح کی گھٹی حرکت کرے گی۔" فیماں سے مزید برداشت نہ ہو اور فردوس کو بھی حوصلہ بول۔

"آج سے پسلے ہمارے گھر میں اس طرح کا کچھ نہ ہو۔ اگر زینی اسکی خطرت درستی تو راہ ملتے بہت لازم جاتے، اسے گھر میں بدنام ہونے کی کیا ضرورت تھی اور جو لڑکی خود غلط ہو وہ لڑکے کو سمجھنے ماری۔" فردوس نے اسی جتناقی نظریوں سے جھفری کو دیکھا کہ وہ نظر چاگیا۔

"میری بہن نا بھی ضرور ہے مگر لوز کر کیا نہیں۔" ارم نے زینی کے سر پر ہاتھ دکھا۔ اس کی بچی بندھ گئی۔ علیہ مظہر تبدیل ہوتے دیکھ کر چپ رہی۔ باقی سب کو بھی چیز سات پر سوچنے لگا تھا۔

"ہم گھر آئے ہمہن کی عزت کرتے ہیں اپنے مہمانوں کو کھانا کھلاؤ اور رخصت کرو۔" ارم کے کٹے لب دلچسپ نے زعماں ہوں۔ تمہیں مجھ سے جو ٹھکانیں ہیں وہ تم مجھ سے کہو علیہ پر کھوں کے طوطے اڑا دیے۔ کمال سے چلی چال جاتا ہوں تم مجھ سے خاف

”فرض کرو اگر تمہاری شادی اس سے نہ ہو تو.....“ کشف
کسی کلپنے پر اب تک پہنچا ہی تھی۔
”تو شایدی میں اس ماحول سے باہر آجائیں مجھے ابھی عمود رہیا
وقت چاہیے، خود کو سمجھانے کے لیے پہلے لئک بات تھیں
تحی یکرانا تاچا جاں کن کر کہ کرس نے چیزے میرا خود پر سے
اعتبار اخراج دیا ہے۔ میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں، گھر میں کسی
سے بات کی قوبضہ ڈسٹرپ ہو جائیں گے۔“ اس نے اندر وینی
کیفیت بیان کی۔

”فرض کرو انکا جاگہ نہیں ہوتا اور تمہیں تمہارے پیشوں کا
سوداگر جائے تب تم اس سے شادی کر لوگی۔“ کشف نے
مودہ بننے کے لیے سوال کیا۔

”میں پاک ہوں جو لوگی بے وقوفی کروں گی۔“ اس کا
حکملکھلا تابا جواب کشف کو تجیدہ اور کسی کو بے کون کر گیا تھا۔

”تمہاری سوسائیتی میں بہت بہت بہت بری ہے کہ لڑکی شادی
کے لیے تیار ہے یا نہیں، اس کی قیمت کو کوئی نہیں سمجھتا، نہ جانے
کی کوشش کرتا ہے۔“

”اوہ نہ مم اب ایسا کیا ہو گیا جو تم سوسائیتی کو دور ہے ہو؟“
”میں نے اس کی دکھتے کی بات سمجھ لانی کا اطمینان کیا۔“

”تمہاری پڑوں بے چاری ھلکے خلاہر سی سے کہہ چکلی ہے
کہ اسے اس پسند نہیں ہے، دلوں کے حق اندر اشینڈگی نہیں
ہے مگر کسی کے کان میں جوں بھی نہیں رہ سکتی۔ سیلے لئکنی، ہو ہو
تھی اس کے ساتھ میں لئک کی ریخ بھی لگادی۔ لہکی
روئے نہیں آؤ کیا کرے گی۔“ وہ خاصا پشاور تھا۔

”تمہارے دل میں کیوں دلادھر رہا ہے.... ان کا نجی
معاملہ ہے۔“ میں نے لا پرواں سے کہا۔

”جنکی ہوگر، تم بھی اسی سوسائیتی کا حصہ ہیں، ہمارے کھروں
میں بھی کمی کچھ ہوتا ہے، پوائنٹس میں یہ ہے۔“ وہ یہ قرار
”مسٹر اشینڈگی میڈل کلاس فیلی ہے، میڈل کلاس فیلی کے
اپنے اتنے مسائل ہیں کہ وہ اندر اشینڈگی میںے چوچلے کو
اہمیت نہیں دیتے۔ لڑکا کاماتا، کھاتا ہو، شریف ہو، والدین سمجھتے
ہیں انہوں نے نہیں کو اس کے ساتھ رخصت کر کے تیر مار لیا۔“
”میں کامیابی کی وجہ کیا۔“

”بھلے لڑکی گھٹ گھٹ کے ہی کیوں نہ مر جائے۔“ اسے
غصہ آیا۔

رہتی ہو، روک توک پڑتی ہو ہیکن یہ سپ تہراۓ بھلے کے
لیے کرتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں یا نہیں مجھے جتنا نہیں
آتا، مجھے ابھی یہ ضروری بھی نہیں لگتا، جب ہماری شادی
ہو جائے گی تو تمہیں خود اس سا ہو جائے گا کم تکی غلطیں۔“
اسکم کے انداز پر سے حیرت ضرور ہوئی تگر بھی کچھ نہ ہو گی۔
جانے کیوں اسم اس کے دل میں نرم جذب نہیں بناتا تھا۔
جانے اس میں اس کی حد سے زیادہ احتیاط کا باتھ تھا اس کے
جندیوں کی صداقت میں کی تھی۔ علاپے خود میں اور زینی
سے بات کرنے کی کوشش کرتی تھی وہ رفت و فلوں حی کی انکان اس
سے بچتی تھیں۔

.....
کشف آئی ہوئی تھی۔ جس دن وہ تماشا ہوا کشف نے خود
سب کا ملک ملاحظہ کرتا تھا۔ وقار و مقاؤہ اپنے انداز میں سمجھانے کی
کوشش کرتی تھی تھریس کی چیز کو اس زیادہ وقت لگتے تھے۔
تمہارے لئے بھی یہ مدنی سے جالی تھی، اکثر چھپتی کر لئی، قیس بک
بھی ان دونوں زندگی سے بہت دور ہو گیا تھا۔ اس کا کسی جیز میں
دل نہیں لگد باتھا۔

”آئی بتاری ہیں ملکنی کے دن تمہارا نکاح بھی رکھا گیا
ہے۔“ کشف نے اسے بولنے پر اکسليا۔ ”تم خوش ہو؟“ وہ
محروم نہیں۔
”پہنچیں۔“

”وزیری ایسا کیوں کروتی ہو؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے، کیا
اسم بھائی سے متعلق تمہارا ترداب بھی قائم ہے؟“ کشف نے
جانا چاہا۔

”میں نے لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنا چھوڑ دی ہے۔
لوگ وے نہیں ہوئے جیسا ہم انہیں سمجھتے ہیں۔“ اس کا اشارہ
علپ کی طرف تھا، کشف بھی گھر چک رہی۔

”اب تو لفظوں پر بھی انتباہ نہیں رہا، خوش ہوں یا نہیں یہ
ابھی خود مجھ پر مسکھت ہوتا ہے رہتی اسم بھائی کی بات ہو سکتا
ہے وہ بہت اچھے ہوں گریں ان کے لیے اپنے دل میں کوئی
احساسات نہیں پاتی۔ شادی کے بعد میں خوش روں گی یا
نہیں اس کا بھی نہیں پتا۔“ وہ بہت بھجو ہوئی تھی۔

”تم اححاصا سوچو گی تو اچھا ہو گکا۔“ کشف نے سمجھا۔
”میں یہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی ناچھانہ بر۔“ وہ خاتم بے
زار لگ رہی تھی۔

”کیا کہہ سکتے ہیں۔“ صیم نے سر جھکا۔ ”ہم اپنے مسئلے پر بات کر لیں؟“ صیم نے اجابت چاہی۔

”بولا۔“ اس نے انھوں کو فرنج سے پالی کمال کر دیا۔ غصہ کسی علیحدہ کے گھر والوں کو بھی ردعو کر لیا تھا۔ علیہ کافی میں ہے دلی سے شریک تھی۔ جعفری اور شرمن بھی کیدیہ تھے۔ احمد کی مہماں کو ہال کی روکیش قون پر سمجھا تاہل کے باہر آتا تھا۔

”آپ یہ نکاح روکاویں کیونکہ آپ کی بہن مجھ سے نکاح کر رکھی ہے۔“ بائیک میں مواد ایک شخص احمد تک آیا۔ جنہی نے ایک پیغمبر احمد کی طرف پر بحث ہوئے ہوئے کہا۔ احمد فون کا ان سے ہٹا کر بے قسمی سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ جس نے ہیئت پہن رکھا تھا۔

”کیا بکار اس کر دیے ہو؟“ احمد وحاشا۔
”بیوتوں یہ رہا۔“ جنہی نے پھر لہرایا۔ احمد نے پیغمبر حجۃت لیا۔ اپنی نے بائیک کو کسر کیا اور یہ جادہ جا۔

”اوے رک۔“ احمد پنجاواہ میں ہو چکا تھا۔ اور گرو جودا لوگ متوجہ ہو کر احمد کے قریب آگئے تھے۔ احمد نے ہاتھ میں موجود پیغمبر کو خود اور نکاح نامہ تھا، جس میں زینی کے کوائف اور سلیمانیز احمد کا منہ جو اڑا ہے تھے۔ احمد کا فشار خون بلند ہونے لگا۔ قریب موجود اس اندر جا کر بنا قاعدہ اعلان کر چکا تھا۔

”لوگی نے تو سیسی ہی نکاح کر لیا ہے اتنے عاشق سے۔“ آن کی آن میں ہر گز تک یہ بخوبی گھنی۔ چہ سیکونیاں شروع ہو چکی تھیں۔ احمد اندر واپس ہوا۔ اسکی پس موجود زینی کو گھوڑتے وہ قریب یا۔

”احمد یہ کیسی خبر ہے؟“ فرودس کے ساتھ نیلہ بھی متکر ہوئیں، احمد بھی قرباً چکا تھا۔

”پوچھیے اپنی لاڈلی سے جس نے ہماری بے عزمی کا انتہام کر رکھا ہے۔“ احمد نے نکاح نامہ را کر کہا۔ احمد نے اس کے ہاتھ سے نکاح نامہ لے کر دیکھا، اس کے پھرے کارنگ از گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“ فرودس رہماںی ہوئی۔ ”کون ہے یہ راجل؟“ احمد اپنی پیشگوئی زینی کے سر پر بخوبی چکا تھا۔ وہ پہلے ہی کچھ من گن ملنے پر پریشان تھی۔ احمد کے دھاڑنے پر حواس باخی ہوئی۔

”محبے نہیں ہا بھائی۔“ میں کسی راجل کو نہیں جانتی۔“

علیہ اور باتی سب بھی اسچ پڑھائے تھے۔ مہماں اسچ کے اور گرد کھڑے ہوئے تھے۔ محبیت صورت حال ہو گئی تھی۔

”تمہارے دھنخڑے اور کوائف کیا کسی اور کو الہام ہوئے

بیچ دیا گیا تھا جہاں سے یہاں ہو کر وہ گھر کے لان میں آچکی تھی۔ قریبی تمام احباب بدھ گئے تھے۔ فرودس نے احمد کو سمجھا کہ طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

”تمہاری فلات کب ہے؟“ ”نیکست ویک۔“ وہاپن آ کرش پر بیٹھ گیا۔

”سوری بدھی نہیں اسی آف کرنے نہیں آپاں گا کیوں کر مجھے بھی ایک دن پہلے اسلام آباد ایشوریو کے لیے لکھنا ہے۔“ صیم نے پر گرام تھا۔

”نوپر اپنیم۔“ اس نے دھیان بٹانے کے لیے ایل ای ڈی چلا لیا۔

.....
”خواب ارم کے مجھے دکھائے اور نکاح مند کا کرواری ہیں بہت اچھے۔“ پی۔ ”شرمن کو نکاح کی خیر پیشی تو اس نے علیہ کو تازنے کے لیے فون کیا۔

”مجھے کیا پتا تھا کہ میری جاں مجھ پر ایسٹ جائے گی۔“ جعفری نے زینی کے لیے پسندیدگی ظاہر کیا تو میں نے سوچا ایک تیر سے دو ٹکڑا ہو جا میں گے تک رس کو زینی پا اعتماد، بہت ہے۔ ”علیہ بھلی پیشی تھی۔“

”اس سال میں آپ احمد بھائی کو سکیں نہیں دال سکیں اور مجھے مشورہ دیتی رہتی ہیں۔“ شرمن کو ارم کے ہاتھ سے نکل جانے کا پکھڑ زیادہ ہی دکھ تھا۔ تب ہی اگلا پچھلا حساب برابر رہی تھی۔

”تم بھی طعنے دو۔“ اور جعفری زرینہ سے انتقام لینے کو اٹی سیدھی بات کر کے میراں جاتا ہے اور تم۔“ میں ہدوں کا گھر سے چل تھی کیا خبر تھی اپنا ہی داؤ خود پر لگا میٹھوں گی۔“ علیہ بہن کے طعنوں سے بن برداشتہ ہوئی۔

”دل سے پتھر کر کم لوگوں سے دور نہیں ہوں۔“ شرمن کو میسے ترس آ گیا۔

”ایسا کب تک چلے گا؟“ ”ابھی احمد غصے میں ہیوں ہیے تو ان کا غصہ مختدا ہو جائے گا میں ہدوں گی۔“ علیہ نے مل دی۔

.....
نکاح کا دن آن پہنچا تھا۔ تقریب گھر کے لان میں منعقد اور گرد کھڑے ہوئے تھے۔ محبیت صورت حال ہو گئی تھی۔ ”تمہارے دھنخڑے اور کوائف کیا کسی اور کو الہام ہوئے

ہیں۔ احمد کی طور بختے کے موڈیں نہیں تھا۔ ارم کے تاثرات رہی تھیں۔
 جامد تھے۔ ضایاء ارم کو مکثنا بنے کو کہہ دے تھے۔
 ”اس کی غلطی پر پودہ نہ لائیں۔ مخصوصیت کے چیزیں ہمیں
 بے قوف بار کھا ہے۔ جعفری والا قصہ بھی اسی نے شروع کیا
 ہوا گا۔ ہر وقت فون ہاتھ میں ہوتا ہے۔ احمد بے اعتبار ہو چکا تھا۔
 ”اس شخص نے مجھے خود نکاح نامہ دیا، میرے ساتے
 تکاح نہ مل کر کرنے والی گرفتاری۔ بلاشبہ کوائف درست
 اور اسی کے ساتن تھے لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، اسے
 کچھ کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”ممرا یقین کریں میں نے کسی یہ نکاح نہیں کیا۔“ وہ
 فردوس کی طرف بڑھی۔ وہ بھی آنسو بھائی چپ تھیں۔ زینی کو
 حیرت کا جنم ہوا گا، سب کے چہرے بے اعتمادی کی چادر اور اڑھ
 پکڑ تھے۔

”میرا تو سلسلے ہی کہتی تھی اس کی حرکتیں بھیک نہیں، سارا سارا
 دن چوتھے گزارتی تھی۔ میرے بھائی کے پیچے بڑی رہی دوال
 نہیں تھی تو اسے بدمام کر دیا۔“ علیشہ کیسے اس موقع کو باہم سے
 جانے دیتی۔

”میرا یقین کریں۔“ زینی اس ناگہانی آفت پر
 ہر اسas ہو کی۔

”علیشہ بھیک کہر دتی ہے۔ تم پر یقین کر کے ہم نے بہت
 بڑی بھول کی۔“ ارم کو اس کے لیے لفظ پا اعتماد نہ ہاتھ۔

”اگر نہیں میں پسند نہیں تھا تو مجھے صاف کہہ دیتیں میں
 تمہارے انکار کو پہنچا سمجھتا رہا۔“ ارم نے لب کھولا تو احمد اور
 طیش میں آ گیا۔

”اس بے غیرت نے کسی کی ہزرت کا نہیں سوچا۔“ قریب
 تھا کہ وہ زینی پر ہاتھ اٹھا دیتا ہیا نے اسے روک لیا۔

”چلیں ای۔“ ارم نے تبلیک کو ہاتھ اٹھ کر میں کی سر چالیں اتر
 گیا۔ ایک لمحے کے لیے لان میں متکی ہی خاموشی چھانی۔

”بھائی۔“ فردوس نے نیلیلہ کا ہاتھ پکڑ کر الجایہ انداز
 میں کھما۔

”رکنے کا جواز باتی نہیں رہا۔“ نیلیلہ ہاتھ چھڑانی چلی گئیں۔
 نصیب میں سیاہ لیکر کھپتے والے کوئی ہوتا تو میں پتھری وہ
 ان کے ساتھ آئے۔ مہمان بھی چمک گیا۔ میرے بڑے بڑے گی۔
 زینی لہر کر گر گئی تھی۔

.....
 نیا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دن چڑھا تھا، گھر میں مولگ
 کی تی کیفت تھی۔ اس سارے والے تھے پر اگر کسی کو بے حد خوشی
 کر دیتے۔ احمد خختے میں تبلیک رہا تھا۔
 ”میرا دل نہیں مان رہا۔“ زینی لکھی تھیں ہے۔ فردوس رو

ہوادے رہی تھی۔ خود اور جعفری کو مظلوم ہابت کرچکی تھی۔ احمد پوری طرح علیہ سے اتفاق کرچکا تھا۔ اچھی بہوں کی کامیاب ادا کاری کرنی علیہ نے سب کو بروتی ناشتا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”اس جنم جعلی کو بھی کچھ کھانے کو دے“۔ کل رات سے بھوکی ہے ”فردوس ممتاز کے ہاتھوں میں تھیں۔“

”اسے کہہ دیجئے میرے سامنے آنے کی بالکل کوشش نہ کرے جب تک یہاں ہے۔“ ورنہ میں حشر کر دیں گا اس کا۔“ احمد کے دلوں لجھ پر فردوس ”وپے سے آئیں رُکنے لگیں۔“

علیہ ناشتا کیڑے لیے اپارائی گئی۔ اسے عام سے گھر کے کپڑوں میں دیکھ کر دل جلانے والی سکراہٹ لوں پر جمل گئی۔

”ناشتا کرلو۔“ علیہ نے ٹرے سامنے کھدی۔

”مجھے بھرک نہیں ہے۔“ اس نے ٹرے پر سکی۔

”کھالو، خون، ورنہ جس کے ساتھ رخصت ہوئے کاپلان بتایا ہے کہنی پیدے رنگ روپ دیکھ کر اس نے بھی ہری چینڈی دھکا دی تو نام تم گھر کی رہ گئی تھاٹ کی۔“ علیہ اُنی ازاں کا دل جلا گئی، اس نے لب پتھ کر خود کو بھمبوٹنے سے بُوک لیا تھا۔

”آہ کتنا حسین جوڑا ہے مگر لکنی پر بختی لے کر آیا۔“ علیہ عروی جوڑا اٹھا کر تیقینی نظرؤں سے جائزہ لے رہی تھی۔

”ویسے ہے کون؟“ علیہ رازدار سکلی کی طرح قریب آ کر بیٹھ گئی۔

”مجھ سے کہا جاتا ہیں ہی کہی مل پڑیں کروتی۔ کم سے کم تم یوں سب کے سامنے نہ تشاویز نہیں۔“ علیہ مکاری سے بولی، وہ علیہ کی بکواس نہیں مجھوڑتی۔

”کیسا ہے؟ پہنچ تو ہو گا، پچھوڑا۔“ ہو گا اس میں تھی ہی تو تم کھلم کھلا اس سے ناپسندی کی کا اظہار کرتی تھیں۔ میں بھی بے قوف تھا اس اشارے سے بکھر گئی۔“ علیہ نے پیشانی پر ہاتھ مار لئی ب وقت سے اس کی باتوں اور انداز کو دیکھ دی۔

”کرتا کیا ہے۔ پیسے لا لے ہے؟ ہاں بھی شو پوچھ کر کیا تھا۔“ کل کوں پوچھتا ہے۔ علیہ خود ہی سوال و جواب میں مل گئی۔ خوشی اس کے انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

”بے جوار اسم بہت دھی تھا، ایک عرصتم نے اسے بے قوف بنائے رکھا، کھل کر کہہ دیتیں تو یہ چارا یوں بے موت نہ مار جاتا۔“ اب اسے اس سے ہمدردی کا بھوت چھا تھا۔

”خیر اس کے لیے کون سا لڑکوں کی کی ہو گی۔“ وہ کسی خیال پر سکرانی۔

”میں ماما سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ زینی نے اس کی

”ممما آپ پر پیشان نہ ہوں چھوٹی بہن ہے میری۔“ میں اوپر ناشتا دے آؤں گی، میں اُنی تھی دیکھنے وہ سورتی ہے۔“ علیہ نے جھوٹ کی اختبا کر دی۔

”ہماری بیندیں اڑا کے دنواب زادی سورتی ہے۔“ احمد پچکارا۔

”احمد ناشتا کرو، غصہ کرنے سے معاملہ مل نہیں ہوگا۔“ ضیاء نے گرم خون پوکھدا کرنے کی کوشش کی۔

”جلد از جلد اسے رخصت کر دیں جس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اس نے، میں ہرید اس کا وجد ہاں گھر میں بواشت نہیں کر سکتا۔“ اگر آپ لوگوں نے بیٹی کی طرف داری کی تو میں اور علیہ اس گھر کو چھوڑ دیں گے۔“ احمد کے فیضے پر ایک لمحے کو دونوں چوڑے۔ احمد ناشتا اچھورا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ علیہ آوازیں دیتی پیچھے لئی تھی۔ فردوس منہ پوچھا کہ کرو پڑیں۔

”یقوتے کیا کرو یا زینی۔“ بڑھاپے میں کیسا داع غیر میری متاب، کاش کر تو مری ہوئی تھیں وہ یوں دکھانے سے پسلے، بہت بڑی غلطی کر دی میں نے اسے پیدا کر کے۔“

”کیسی جاہلوں پیشی پا تھیں کر دیو ہو۔“ ضیاء نے گھر کا۔

”اب ہم کیا مار دھماکیں گے یہاں، بھالی اور اس کو کیسے سب کی خوشیوں کو دُاؤں میں کر کھا لئی زینی۔“ فردوس وادیلہ کر دی تھیں۔ ضیاء بھی مشکر تھے۔ کل وقار اور نبیلہ نے جس طرح آئیں پھری تھیں وہ بھی ان کے سامنے تھا۔

”بیٹی کا باپ ہونے کے باوجود آنکھیں کھلی نہ رکھ سکے، کیا کچھ کریں رہی تمہاری ناک کے نیچے اسم ہر بار بھالی (فردوس) سے زینی کی شکایت کرتا رہتا تھا مگر مرم دنوں نے بیٹی کو کچھ زیادہ ہی آزادی دے دی تھی۔“ کل تو کھلانا تھا اس

بکواس کو بیریک گائے۔
 ہمدردی اُلیٰ کی آڑ میں چھے نجف تکلیف دے رہے تھے۔ نبلیہ بھی
 اس صورت حال سے اکنالی ہوئی لگ رہی تھیں۔
 ”میں جلد ہی وہم و حام سے تمہاری شادی کر کے فردوں
 اور خدا کو دکھاؤں گی جبکہ کیا رکھا ہے انہوں نے مجھے۔“ نبلیہ نے
 آشناہ کالا الحفل بتاتا۔
 ”لوگ کی تو میری نظر میں ہے، جی چاہ رہا تھا کل وہیں تمہارا
 نکاح اس سے پڑھا دوں گے مگر خیال کرنا پڑا۔“
 ”کون بڑی کی؟“ ارمجم جی ان ہوا۔

“کیسی کا لک ہے اس چھٹاںک بھر لڑکی نے ہمارے منہ
 ۔“ نبلیہ فون رکھ کر بخجلائے لجے میں بولیں۔ ارم نے
 خاموشی سے انہیں دیکھا۔
 ”جنہیں مبارک باد دینے کے لیے آنا تھا اب وہ افسوس
 کرنے آ رہے ہیں۔ جیسے غلطی اس بے غیرت لڑکی نے نہیں
 میرے بیٹے نے کی ہو۔ صح سے فون، اسیں اسیں میں سب
 بھی پوچھ رہے ہیں کیا ہوا، کیسے ہوا؟ اب تو میرا بلند پریش برہنے
 لگا ہے۔“ نبلیہ نے تھک کر صوفے سے رنگ لایا۔

”آپ خود کو پریشان نہ کریں۔“ ارم نے پانی کا گلاں
 انہیں تھمالیا۔

”تکلیف تودے دی دینے والی نے۔ دیکھ لیتا بھی سکے
 نہیں پائے گی گلوہی۔“ جیسے اس نے میرے گھر میں
 منہویت پھیلائی ہے خود بھی آباد نہیں رہے گی۔“ نبلیہ زینی کو
 بدوادعے لے لیں۔

”اسکی باتیں نہ کریں۔“ ارم نے رکنا چاہا، نبلیہ گلاں رکھ
 کر سیدھی ہوئیں۔

”تم اب تک اس کی طرف داری کر رہے ہو۔ ہوش کے
 ہاشم لو۔“ نبلیہ نے لٹاڑا۔

”میں تو شروع سے زینی کے حق میں نہیں تھی گھر ترم اور
 تمہارے باپ تینی کا بھوت سوار تھا۔ کھادیا شدن میں تارے
 بیچی نے۔ لوگوں کو جواب دیتے پھر رہے ہیں۔ گھر میں
 مہمان بھرے پڑے ہیں اور میں یہاں منہ چھلانے پہنچی ہوں
 کہ سب کے سوالوں کے جواب دیتے دیجے تھک کی گئی ہوں۔“

نبلیہ سخت خاتمیں، ارم جب تھا، وہ کھاں کے پھرے سے ظاہر
 تھا، کم و بیش وہ بھی اسی قسم کی صورت حال سے دوچار تھا،
 دوستوں کی کال سے بھک آ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ گھر
 آئے دوستوں کے لیے بیٹام چھوڑ دیا تھا کہ گھر پر نہیں ہے۔

آئے زینی ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

”بھائی میں آپ لوگوں کا سر جھکانے سے پہلے مرنا پسند کروں گی۔ میرالقین کریں۔“ آنسو بہرہ ہے تھے۔

”احرم تمہیں پسند نہیں تھا، سرعام اعلان کے بعد باقی کیا تھا بے یلوو“ احمد آئے سے باہر ہوں اس نے زوردار دھکا دیا۔ زینی فردوں کے پاس چاگری۔

”احرم ہوش میں رہو۔“ ضیاء سامنے آئے۔ زینی بھاگ کر ضیاء تکتا۔

”پا میں کسی راحیل نہیں جانتی۔۔۔ نہ کبھی طی ہوں، میں کیسے پا لوگوں کو یقین داؤں۔“ ضیاء کا ہاتھ تھامے دہ بے بی سے روپی رہی۔

”تم نے بے ہوشی میں سائن کی نکاح نامے پا جو آنکھوں میں ہوں جو نکہ رہی ہو۔“ علیہ چلا۔

”یہ لڑکی خون خربا کرو کے ملے گی۔“ علیہ کا دو اولیہ احمد کو ہزیدہ بھر کانے لکا۔

”میں نے کسی نکاح نامہ پر سائن نہیں کیے، میں ایسا کیا کروں کہ آپ لوگوں کو یقین آ جائے۔“ وہ لوگوں حالت میں اپنے بال تو نہ کلی۔ ”مالکہ میں کیا کروں؟“ وہ خت بے بی کی کیفیت سے دوچار ہوئی۔

”احرم جب زینی اتنا کہہ رہی ہے تو پہلے نکاح نامہ کی تصدیق کروں، ہو سکتا ہے یہ کسی کی سازش ہو۔“ ضیاء کو چیز یہ خیال آزرا۔

”لیکی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ احمد چڑا۔

”بچوں جیسی باتیں تم کر رہے ہو۔۔۔ اگر زینی نے اسی حرکت کی ہوئی تو یہ انکاری کیوں ہوئی، یہاں کیوں پڑی ہوئی اور آگر وہ جنضیچا تھا جو کیسی روشن اسی ذاتے ہے کیوں پل کو کمرے میں خاتما طاری کر دیا۔

”لیکن زینی کے کوائف اور سائن درست ہیں۔“ احمد بھذرہ۔

”میں لڑکے کے کوائف جانچنے کی بات کر رہا ہو۔“

”ٹھنک بے کرواتا ہوں قدمیں اگرچ سامنے آ گیا تو ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر اس کھرے میویٹ کے لیے رخصت کر دیجیے گا۔“ احرم تن ان کرتا چلا گیا زینی کے آنسو بے گل تھے جس میں دعا کارگی بھی شامل ہو گیا تھا۔

”دفع دو کرو، اس منہوں لڑکی کے قصے کو“ نیلہ سنت اکٹائی ہوئی۔ لئے کوئی جا بارا لڑکے کاشاخنی کا رہنمہ ہی غلط تھی۔ وہ عدم تھے، ایڈر لیں کسی جعلی خدا۔ ”تمدید ہوئی؟“ احمد کو دیکھتے ہی فردوں نے پریشانی کو زبان دی۔ احمد نے نکاح نامان کے سامنے رکھ دیا۔ ”لوگوں کے کوائف غلط ہیں، سب فراز ہے“ کونے میں شدت سے نظر ہوئی۔

”میں کل تمہاری ای کے گھر جاتا چاہ رہی ہوں، اس کے لیے شرمن کا ہاہنگا ملتے تھے اتنی بیکھی کو اطلاع کر دو، انہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔ یا شرمن کے لیے انہوں نے کوئی لڑکا نہ دیکھ رکھا ہو۔“ علیہ کارول ہوئی، بن کرنا ہے لگا۔ ”ایں کیا اعتراض ہو گا تاہی جان، اسکم جیسا لاکھا نصیب والوں کو ملتا ہے۔ یہ تو زینی کی بدستی ہے۔۔۔ خیر اور ری بات شرمن کی تو تال جان ابھی میری بہن نے اٹھ ری کیا ہے، عمر بھی کم ہے مرد اپنے نسیں رشتے کا سوچی رہے ہیں۔“ علیہ نے جھوٹ کی حد کر دی۔ یہیں بتایا کہ اترمیں قیل ہوئے بھی پانچ سال ہو چکے تھے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تم ایں بتا دو، مگن ہو تو میرے ساتھ ہی پہلی چل۔“ نیلہ نے پوکرام فال کیا۔ ”جی ضرور۔۔۔ ایسا ہی کروں گی۔“ علیہ کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔

”علیہ خیر تم ابھی فردوں کو نہ تانا۔“ نیلہ نے سمجھا۔ ”آپ بے قدر ہیں تاہی جان۔“ وہ بھی۔ ”نیک بخت کچھ دن تو رک جاتیں۔“ وقار بھی غالباً نزدیک بیٹھے تھے جو نیلہ سے مخاطب ہوتے۔ ”کیوں روکوں میں تو کل ہی رشتہ پا کر کے آؤ گی، کیسا ذرا سامنہ کل آیا ہے میرے بیٹے کا۔۔۔ آپ کی بیجی نے جو مگل کھلایا ہے اس کے بعد بھی آپ مجھے اتفاق کرنے کا کہہ رہے ہیں۔“ نیلہ بھک کر ہوئیں۔ لاتی پر موجود علیہ سارما جراں کن کر مکرانی۔

”خلیفہ تم وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ بہت سن لی ان باب بیٹے کی۔“ نیلہ اس سے مخاطب ہوئیں۔ ”جی تاہی جان اپنا خیال رکھے گا۔“ علیہ نے کال کاث دی۔ اب وہ تجزی سے اپنے گھر کا بہر ملا رہی تھی۔ اس نے جو چاہا وہ ہو رہا تھا وہ یہ سنا خوش ہوئی۔

.....

ساری ہی تھیں۔ احمد نے کھا جانے والی نظر وہ سے اس کے بھتے رہی تھیں۔ اس کا خاموشی سے غیر مرئی نقطہ کو گھور رہا تھا۔
 "شاید یہی بحیج ہے، زینی نے یہ جال چلی سے نکاح کوانے کے لیے... وہ مجھے پسند نہیں کریں گی تو پھر تمہیک ہے زینی نہیں تو شادی کی سے بھی ہو کیا فرق برداشت ہے۔" اس نے سر جھک کر زینی کے سرخ سے جان چھڑانے کی دوڑکی۔

زندگی میسے اک بخج آ کر رک گئی تھی، صبح، دوپہر، شام اسے چیز کی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ فردوس اور ضایاء تھوڑا بہت بات کرتے تھے۔ جس میں فردوس آنسوؤں سے آنکھیں ہی رگڑتی رہتی تھیں۔ علیہم ان دنوں شرمن کی شادی کی تیاریوں میں میکائی ہوئی تھی۔ احمد کی طواں کی صورت دیکھتے کاروادار نہ تھا۔ فردوس اور ضایاء کو اس کی شادی کا بھی گمرا صدمہ پہنچا تھا۔ جس لڑکے کو ہمیشہ اپنے والد کے روپ میں دیکھا تھا، وہ اب ثوٹ گیا تھا۔ نیلہ اور وقار نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ ضایاء اور فردوس کو مجھنے والے صدے کا گناہ گاروہ خود کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے کافی جانا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ کشف نے کسی بار سمجھا اسکس سے ہائی نہیں بھری۔

"ممہا، پانی پلا دیں۔" احمد بابر سے آیا تو فردوس تماز پڑھ رہی تھی بیانی کا گلاس لتا تھا۔
 "بھائی پانی۔" احمد نے چونک کرایے ویکھا۔ دوپہر سیلے سے سر پہلپتے ہے یا مخصوص پھرہ ہے وہ کھڑی تھی۔ اسی مقصوم صورت نے احمد کو نہیں منی جانے کے قابوں نہیں چھوڑا تھا۔ محلہ، آفس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں روزنی باراں کو زرے حادثے کی رواد اتنا پڑتی تھی۔ لوگوں کی ملکوں نظر وہ سامنا کر کے ذات کا احساس ہوتا تھا۔

"چھپے پڑا بار کہا ہے ناں کیسے سامنے اپنی منحس شکل مت لا یا کر۔" احمد نے گلاس لے کر فرش پرے مارا۔ پانی کے چھپتے اڑاتا گلاس چھٹا کے سے ثوٹ گیا۔ زینی کہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"چھوڑو بارہ سامنے آئی تو گلاس کی طرح تیرے بھی نکلے کروں گا۔ دفع ہو۔" احمد وصالز زینی اٹلے پاؤں کرے سکل گئی۔ فردوس نیت توڑ کر احمد کے کرے کی طرف دوڑیں۔ احمد اب انہیں زینی کو سامنے نہ نکال سکتا تھا۔ "جلد سے جلد کسی راہ حلچے سے؟" ح کر کے رخصت کریں اسے درست کیں اور ان اسے قتل کر کے جیل چلا جاؤں گا تو کی خوشیوں کو جانے کتنے عاشق پال رکھے ہیں۔" نیلہ بڑا

دروازے تک چھوڑنے لگی۔
 "دیکھ لیا آپ نے اپنی بیٹی کے کروت کا نتیجہ... اب کون پوچھتا ہے گاہے، بھاگ کے رکھیں ساری زندگی۔" احمد شمع سے کہتا کمرے سے چلا گیا۔ فردوس ساکت بیٹھی رہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ملنے والی خوشی اپنی موت آپ رکھتی تھی۔

"فردوس اور زینی کی شکل دیکھنے والی جب میں نے اس کی شادی کرنے کا انتباہ کیا۔" نیلہ اس کی اور وقار نے ذکر کر رہی تھیں۔
 "فردوس خوشی خوشی بارہی تھی نکاح نامہ جعلی ہے۔ کسی نے سازش کی ہے۔" نیلہ نے منہ بیٹا۔

"کیا نکاح نامہ جعلی ہے؟" اس سید ہاول
 "زیادہ اچھتے کی ضرورت نہیں، بھاج جعلی ہو یونہجے اس لڑکی پر کھجور و سانپین، جانے کیا کچھ کرنی رہی ہوگی، اب کوئی بلاوجہ تو اتنا بھائشا کرنے سے رہا، چار کھا ہو گا کسی سے پکر، تب اسی تو دس بار تمہیں بتاچکی کہ تم اسے پسند نہیں ہو۔" نیلہ نے اس کے جوش کو جھاگ کی طرح بھایا۔

"میں بات پکی کرائی ہوں شرمن سے ساتھ ہی اگلے ماہ شادی کی تاریخ بھی ملے کر دیں گے۔ بہتر ہو گا زینی والے قصے کو تم ختم ہی کر دو۔" نیلہ نے کلی لٹپی نہ رکھی۔ اس کم دہاں سے چلا گیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ اس کے انداز؟" نیلہ نے وقار سے شکایت کی۔

"تھوڑا ناممود و دو اسے بھختے کا..... دو دن میں تم رشتہ بھی ملے کر رہا۔"

"رشتہ نہ کروں تو کیا بھر سے آپ کی بھتیجی کے درپر بارات لے کر جاؤں ذلیل ہونے؟" نیلہ بچانگ پا ہوئیں۔

"اب میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" وقار نے داس بچایا۔

"جانے کیسی جادو کرنی سے برا بار کر کے رکھ دیا ہمیرے بیٹے کی خوشیوں کو جانے کتنے عاشق پال رکھے ہیں۔" نیلہ بڑا

اکھنی بیٹھے کر اولادوں کو روئی رہے گیں آپ۔ ”احرم کا غصہ برقرار رہا۔ زمی و پیار سے لگی روڈی۔ اپنے کے دل اتنے کھصور ہو گئے تھے کہ کسی کو اس کی تکلیف کا حساس نہیں ہو رہا تھا، اس کے پیچھے بیٹھی رہی تھی۔ یہ دن تو دھاما تھا۔ ان کے پیچھے بیٹھی رہی تھی کہ آنسو نہیں رک رہے تھے، جانے علیہ کو اس سے کون سایہ تھا۔ ”ٹھیک کہہ رہی ہو سلے تو صرف لڑکے کی فخر چلاتے تھے اور لڑکوں نے انہیں بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ”علیہ کی کلی سر ہلا کرا تھا۔ اس کی شادی کی احرام سالی کی شادی میں پیش ہیش تھا۔

فرودوں اور ضیاء کو بھی شرکت کرنی پڑی کہ دوسری رہشتے داری کا سامنا تھا۔ زمی آنسو نہیں چاہتی تھی مگر فرودوں اسے تباہ کمر میں چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ آتوئی تھی مگر لوگوں کی کھوچی، ٹوٹی، بھی اڑائی نظرؤں سے چوری نہیں کری رہی۔ ابھی پچھوڑے موجود شرمن کی گھرلاہیں دور سے پڑھی اور سنی جاسکتی تھیں جیسے اسے قارون کا خردلی گیا ہو۔ احرام پاٹ پھرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ خوش تھیا تا خوش یطاہر نہیں ہو رہا تھا۔

زمی کو احرام سے محبت نہیں تھی، نہ ہی وہ اس کے بارے میں سوچتی تھی، بلکہ فردوں سے یہ نام اپنے نام کے ساتھ منتھن کی اتنی عادت ہوتی تھی کہ اسے یہ سب اپنے لگ کر رہا تھا، وہ جلد سے جلد گھر جانے کی خواہی مدد میں۔ اپنے کمرے میں جا کے سکون کا سانس لینا چاہتی تھی، پوری دنیا میں واحد اس کا کمر وہ تھا جائے پناہ تھا۔ جہاں تکی کی نظریں جکر کو چھلی نہیں کری تھیں۔ وہ حصہ دلی کھموں سے فردوں کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ”کیسی ہوئی؟“ وہ جھپٹری تھا۔ وہ متوجہ نظر آئے گی۔

”تمہارے ساتھ جو ہو گھٹے اس پاؤں ہے، کسی کو تم پر انتیار بولیاں ہو گھٹے ہے۔“ وہ ہمدردہ بنا بولا۔ ”میں اب بھی جھمیں پسند کرتا ہوں۔“ وہ تیزی سے انھوں کی نظرؤں سے دور چلی گئی۔ جعفری کے لیوں پر فتحانہ مسراہت چکلی گئی۔

”علیہ اس لڑکے کی شادی تو تمہاری نند سے طبقی نہ پھرہ شرمن سے کیسے؟“ علیہ کی سکلی نے اس سے پوچھا۔ ”میں نکاچ والے دن میری نند کے عاشق نے پھرہ اذال کر نکاچ رکوادیا۔ اب اس میں احرام کی کیا غلطی تھی۔ اس نے شرمن کی حیا، رکھرکھا دیکھا اور یوں بات طے ہو گئی۔“ علیہ نے کہا کہیا کوئی ناہی رنگ دے دیا۔

”تمہاری نند کتی مسحوم کی ہے، لگتا تو نہیں۔“ وہ شوخ، بیندھم، امیر اور اس پر مر منٹے والا نہیں تھا۔ ایک جس کم حرج ان ہوئی۔

پیغام قفس میں بھٹکے جھوٹ کی طرح لگدے تھا۔
”محیک ہے تم اُبیں ہاں کر دو۔“ فرودس نے منظوری
دستی۔

زندگی کی حراثت کی ایک آخری امید بھی رُختی کے اندر
خوشی کر سکتی تھی۔ خوب صورت گاؤں کی تھی چیکش کو جاہ
کرتے اس نے خوب صورت کہانیوں سے بھرا ذا جست بھی
چھاڑا شروع کر دیا۔

”سب جھوٹ لکھتے ہیں، سب جھوٹ ہوتا ہے۔“
سمفوں کو کوکے عکس کرتے اس پر، شریائی کیفیت طاری
ہو گئی تھی۔ خوابوں، خواہشوں، چاہتوں کو آگ لگا کے اس
نے زندگی سے ہر خوش بھی کو نکال پھینکا تھا، زندگی کا ختمی اور
اس کا سامنا کر رہا تھا۔

”تم دلوں کو پوری دنیا میں اور کوئی لڑکی نہیں ملی جو اس
کلموں کو ہمارے درمیان لا رہے ہو۔“ شریمن سے آئی ہوئی تو
اس نے علیہ کو بھی بولایا تھا اور اب وہ علیہ اور جعفری پر غصہ
کر رہی تھی۔

”بھی یہ جعفری کا فیصلہ ہے۔“ علیہ نے خود کو
صف پیجا۔

”ہاں تو محیک سے، تم نے جس سے چاہاں سے شادی
ہو گئی تو میری باری میں کیوں آگ لگ دی ہے۔“ جعفری نے
شریمن کا ڈے باخوبی لیا۔

”رُختی ہیاں آجائے کی تو ارم سے سامنا ہوتا رہے گا،
بھلے ارم اس کا نام بھی نہیں لیتے مگر مجھے یقین ہے وہ آج بھی
ای مخون کوپل میں بسائے بیٹھے ہیں۔“ سمجھی تو بالکل بھی
لگنے لگتے ہیں تم سے۔“ شریمن نے پانچھاٹا ہبھر کیا۔
”سامنا تو یہی بھی ہو گا کہ فرشت کرن ہے تم ارم کوپل
ڈالو۔“ علیہ نے بھجا۔

”میں کوئی ایسا ویسا بندنہ نہیں ہوں کہ میری بیوی سایہ مگر تیر
سے پتکیں بڑھائی رہے اور میں تباشاد کھتکا رہوں، اس خداشے
کو تم ذہن سے کھال دو۔“ جعفری نے مرداگی کا اعلان
کرتے شریمن کو تسلی دی۔

”نامی مھروں اول کا وو کیسے ہے تھا ساتھ؟“
”مگر میں لوگ ہی لکھتے ہیں، ارم کے والد مگر کے
معاملات میں دغل اندازی نہیں کرتے، دلوں صبح کے گئے شام
کو آتے ہیں، سارا دن میں اور میری ساس ہی ہوئی ہیں۔“
شریمن نے آرام سے بیک لگاتے ہوئے کہا۔

کے رشتے آرے ہے تھے، اس نے اسے اپنی اوقات بہت اچھی
طرح یاد دلا دی تھی۔ ہر کسی کو رنجیکت کرنے والی، خاتی
ڈھونڈنے والی نے بھی گماں نہیں کیا تھا کہ زندگی کے بازار میں
ایک دن وہ بے مول ہو جائے گی۔ وہ جو پتوں کے سوادگار کی
تلاش میں تھی کیا خیر تھی کہ جوں جاۓ تھیس ہے کے فلے پر
زندگی آزاد رہے۔ اپنی ڈھنگی کے سخموں کو بکھرے گلے کرتے
اس نے کوئی لفڑیں کوول کے زندگا میں فوج کر دیا تھا، شاعری
محبت، خوب صورت خیال اس کی زندگی کی بے کار چیزوں بن
تھی تھی۔ مسکراہت، قبیحہ تو کب سے ماہچہ پھرا کرم
ہو گئے تھے۔ خوابوں، خواہشوں، چاہتوں کو آگ لگا کے اس
نے زندگی سے ہر خوش بھی کو نکال پھینکا تھا، زندگی کا ختمی اور
اس کا سامنا کر رہا تھا۔

ایک اس کی شادی کو مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ جعفری کا
پروپوزل آ گیا۔ اس نے شا تو ایک پل کوٹھی، اگلے لمحے اپنے
کام میں لگ گئی۔

”تو پھر کیا جواب دوں میں علیہ کے گھروں کو؟“ ارم
ضیاء اور فردوں سے ہم کلام تھا۔ دلوں کوش و شی میں دیکھ کر
احرم چاہیا ہوا۔

”جو چھاپ کی بھی نے کیا ہے اس کے بعد آپ لوگ
جانے کن خوش بھیوں میں جی رہے ہیں، یو میرے سرال
کا بڑا پن ہے۔“ جعفری کی اہل ظرفی ہے ورنہ جو کھیل آپ کی
چیختی اس کے ساتھ کھیل چکی ہے اس کے بعد پروپوزل پر
آپ لوگوں کو اون کا ٹھکر گزار ہوتا چاہیے تھا۔ ارم علیہ کی
زبان بول رہا تھا۔

”اگر آپ لوگوں کو تنا سچنا پڑ رہا ہے تو محیک ہے میں منع
کر دیتا ہوں ان لوگوں کو کسی رثوے یا دوسري شادی کے
خواہش مند چار بچوں کے باپ سے کردیں شادی بھی کی۔“

”احرم میں کہہ رہا ہے جتنے ہا سحقوں رشتے آرے ہیں
ان میں پلا کھدر جب تھرے، پھر وہ سب حقیقت سے بھی آگاہ
ہیں، زینی کو زیادہ مٹکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“ ضیاء
فردوں کو کھجھارہ ہے تھے۔

”کہہ تو آپ بھی محیک رہے ہیں۔“ فردوں بھی آنے
والے رشتوں سے برائی خپڑے ہو چکی ہیں، ایسے میں جعفری کا

”تالیٰ جان (نبیل) اتنی سیدھی نہیں ہیں، ذرا ہم شیری سے بہت۔“ علیشہ نے پی پڑھائی۔
”فکر نہ کر، تمہاری بہن ہوں، سامنے سے وابس کرتی، سارا وقت ای ای کرتے منہ بھیں دھکتا میرا۔“ شرمن بھی علیشہ نے ساتھ دیا۔

”ویسے تم دونوں کو مجھے زیر دستی دعوت اور گفت دینا چاہے اگر میں نہ ہوئی تو تم دونوں بھی من چاہا۔“ سفر نہیں پا سکتے تھے،“ علیشہ نے کارچاہارے۔
”جی جی آپ کا احسان ہم تاقیامت یاد رکھیں گے۔“
دونوں نے یکذب ان کہا تینوں پہنچ لے۔

.....
پلا خروہ دن بھی آگیا۔ جس کی خواہش اس نے نہیں کی تھی۔ وہ جعفری کی دلہن بھی تھی۔ وہ کب پار سے ہاں پہنچی، کب نکاح ہوا، رخصتی ہوئی اسے کسی چیز کا احسان نہ تھا۔ احساسات تو اس دن مر گئے تھے جس دن اس کے کردار پا انکی اٹھی تھی اور کوئی اس کی صفائی میں بولنے والا نہیں تھا۔ میتوں سے خود اس کی کی نے تقاضہت طاری کر دی تھی۔ سلسلہ ذہنی کرب نے تیز بخار کا روپ دھاریا تھا اس نے شادی پر خوشی کا اعلیٰ احاسان نہ تھا۔ جعفری اسی تھنگے اس کے بیٹھا جیسے اس نے زینی کی سات پتوں پر احسان عظیم کیا ہو۔ جعفری کے کمرے میں اس کو بھشا کر سب چاچکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جعفری اندھا یا تھا۔ وہ کوش کر کے کامی خواں قابو میں رکھ دی تھی۔ بخاری شدت سے غنوجی طاری ہو رہی تھی۔ جعفری نے پتوں سے الکا دپٹا چھپ کر کھلا تھا۔ زینی سر پر ہاتھ رکھ کر دودھ سے دوہری ہوئی۔ سر کے بال نوجے گئے تھے۔

”تو کبھر ہی ہے یہ شادی میں نے تیری محبت میں کی ہے نہیں۔۔۔ شادی تو میں اپنی پسند سے کر پکا ہوں گرین کارڈ ہوں گے۔۔۔ یہ بات بھی یہاں کسی کو پہنچائیں ہے اور تو نے بتایا بھی تو کوئی تیری بات کا لیقین نہیں کرے گا کیونکہ تو پہلے ہی سب کے سامنے بے اعتبار ہو چکی ہے۔“ زینی خاموشی سے اسے سن رہی تھی، اس کے شادی شدھ ہونے کا سن کر بھی نہیں چکی کہ تیری اس نے چھوڑ دیا تھا۔
”ای خوب صورتی کا غور ہے تاں تجھے۔۔۔ تیری خوب صورتی مثی میں ملا دوں گا۔“ بازو درودتے جعفری غاریبا۔ تھا اس کی بیوی کی کافی تھی۔

”اتی جلدی..... لیکن ابھی تو میری چھیاں باقی ہیں۔“
جعفری حیران ہوا۔
”اوکے۔“ جعفری نے کی وجہ کے پیارے کے بعد کال کاٹ دی۔
اسے کل کی فلاٹ سے انگلیوں جاتا تھا۔ اس کی چھیاں
کینسل کر دی گئی تھیں۔ تاکہ پہنچنے کا پاس نہ صرف تو کری
سے باتھ و خانہ پر نتا بلکہ اس نے پہنچنے سے جلوں لیا ہوا تھا وہ بھی
اے بھی لوٹانا پڑتا۔ اس کی کنیدین یہ یوں نے اسی سلے میں کال
کی تھی۔

”احرم نئر کش نیپنی میں اجنبی تھا، اس کی آمدی بھی گئی
بندھی تھی کہ علیپ کے سکھانے پڑھانے پاں نے دنببری کے
کام بھی شروع کر دیے تھے۔ قبضہ مانیا کے ساتھ مل کر جعلی
کاغذات پر زمین فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ جب
ہی چالیس ہزار کافون ہو گیا تھا اور ہر میٹنے ہزاروں کی
شاپنگ الگ ہو رہی تھی۔ احرم کے ساتھ اسے زینی بھی یا اماں کی
تھی جس کی یاد سے وہ مکان جدیکہ داں بھا تھا۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے پھر بات کرس گے، ناستاد دو۔“
”آف میں کر لیجیے گا۔“ شرمن دوبارہ سے لیٹ کر فون پر
بڑی ہو گئی وہ اس کے لاپروا انداز کو یکھڑا ہاپنگ بیک اٹھا کر باہر
نکل گیا۔

”ایک فرش کرو موت آ جائی ہے ناشتا کھانا دیتے رہو
بس، تو کوئی تھوڑی ہوں میں۔“ وہ بڑی اکے کافی دیر لیتی رہی پھر
اٹھ کر اپنے لیے ناشتا بنا لے گئی۔

”ارسم بغیر ناشتے کے چلا گیا۔“ بنیلہنک میں آئیں۔

”آپ بھی اسی گھر میں ہوئی ہیں اور خیر سے مال پیا۔ آپ
ہی بنیلہن شاستا کرو دیا کریں۔“ میری آس میں کیوں بھوپلی
رہتی ہیں۔ مجھے اتنا کام کرنے کی عادت نہیں، کی ملازمہ کا
انعام کریں ورنہ اپنا کام خود کریں۔ مجھ سے کوئی تو قع نہ
رکھیں۔“ شرمن بذیزی سے کہتی اپنا ناشتا اٹھا کر کمرے میں
چل گئی۔

بنیلہن حیران گھٹری رہ گئیں۔ پہلے تو وہ گلی لیٹی باتمی کرتی
تھی آج تو صاف کہ دیا ناشتا کر کے شرمن تیار ہوئی
اور اسی کے گھر جا رہی ہوں کافرہ کافی چل گئی۔

”زندگی تو جیسے ختم ہو گئی ہے، آپی شادی کے بعد، جانے
کیے سمجھائے۔“

”اتی جلدی..... لیکن ابھی تو میری چھیاں باقی ہیں۔“
جعفری حیران ہوا۔
”بہت اچھی قسمت ہے اس کی جو بھج سے بیٹھی تھی۔“
سب ہی حیران تھے رات و نیتے کی تقریب تھی اور اس کے فوراً
بعد سے لکھا تھا۔ اس سب میں اگر کسی نے اللہ کی وحدانیت
کو سمجھا تو وہ زیستی تھی۔ تو سوٹ ٹوٹ کر اپنے ماں کا گھر ادا
کر دے تھے۔

”بلد ہی آؤں کا در تھا را وہ حشر کروں گا کہ مہینوں ہوش
میں نہیں آؤ گی۔“ جعفری غرفت سے کہہ کر چلا گیا تھا۔

”نجیک ہے لے لیتا۔“ ارم نے آفس کے لیے تیار
ہوتے ہوئے کہا۔
”مجھے نیا میل فون لیتا ہے، میرا فون بہت بھک کر دہا
ہے۔“ شرمن بیڈ پر لیٹی اپنے فون پر بڑی تھی۔ موڑخت
خراب تھا۔

”نجیک ہے لے لیتا۔“ ارم نے آفس کے ساتھ جا کر فون لے
لوں گی۔“ شرمن اٹھ کر بیٹھنی۔
”تھیں ہزار دس میں آپ کے ساتھ جا کر فون لے
سے دیکھا۔

”ہاں تو اور کیا،... لوگ لاکھوں کا میل فون استعمال کرتے
ہیں۔“ شرمن کو اس کی جیعت کا اٹھا دیا گا۔
”کرتے ہوں کے گرگوں میں اور ہماری حیثیت میں
فرق ہے۔“ ارم نے سمجھا تاچاہا۔

”ایٹی بڑی رقم بھی نہیں مانگ لی جو آپ اتنی باتمی سنا
رہے ہیں۔“ وہ چڑی۔
”پہلے ہی میں نے تمہیں شاپنگ کے دل ہزار دیے
تھے، اب پھر اتنی بڑی رقم۔“ اسے کبھی میں نہیں آرہا تھا سے

جو کھٹکی ہوتا ہر وقت اسی کے پیچھے چھپا اصل کو رارہم سب کو پہنچاتے ہیں۔ ”شرمن علیہ کے آگئے دکھر اور بھی تھی۔ جب میکا ناہوتا دنوں ایک دوسرا کو فون کر کر کے بلا لیٹھی تھیں۔ سارا دن سر ایساں کی برا بیان کر کے زینی سے خدشیں کرو اکرات کا کھانا کھا کر لپٹے اپنے کھڑے جل جالی تھیں۔



رات کے کھانے پر اس نے خاصاً اہتمام کر لیا تھا۔ ارم آپ کا تھا، وہ بھن میں ہی۔ بھی رہی تاکہ ارم سے سامنا ہو۔ ندرت نے کھانا لگائے کا اندازا کیا تو وہ کھانا لگائے تھی۔

”علیہ..... ارم کو بھی بالا لوڑھو والے ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔“ ندرت نے ہمیں کو گوہیں لیتے ہوئے کہا۔

”کہاں ای..... ارم کا تو آپ کو پہنچے وہ زینی کی صورت دیکھنے کے بھی بودا رہیں ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ کب آتے ہیں گھر۔“ علیہ نے دھنی بھجے میں کہا۔ ارم اس ساری نگنکلوں چب رہا تھا۔

”یہ نکلی تو چیزے ملے پر بھی تمہارے“ علیہ سے ہمدردی کرتے شرمن نے دردوارہ اکرم کو سوتا۔

”جعفری بھی جا کے بیٹھ گیا، کم سے کم یہاں ہوتا تو اس کی اڑ تو ختم کرتا۔ کئے مہارانی بن کے خات کر رہی ہے گھر کے کام تو میں ہی کرنی ہوں۔“ ندرت بھی بیٹھیں کی ہم خیال ہیں۔ کھانے کے لیے بلا فہم اڑازی نے اس سفید جھوٹ کو سن اور وہیں سے واز لگادی۔

”ڈرامی نہیں کے طریقے سے کر کھانے کا بولے ہم کیا فیکر ہیں جو تم لکھ کر اندازا کر رہی تھیں۔“ شرمن باہر آتے ہیں اس پر چھپا ہڈوڑی۔ وہ پانی کی بوٹل رکھ رہی تھی۔

ارم نے ایک نظر ان کے دو پیٹے کے ہالے میں چہرے کو دیکھا ہے وہ بہت کمزور لگی۔ شرمن نے بھی ارم کی نظر وہ کوکس دیکھا تھا۔ چمچ میز پڑ کر بولی۔

”یہ سان اتنا تھنڈا ہو رہا ہے، کیا صبح سے پکا کر کھا ہوا ہے جاؤ گرم کر کے لاؤ۔“

”شرمن اتنا تو بھی سک ساری اکڑ کلکل تھی ہوئی۔“ شرمن کے جاتے انداز علیہ، بھی زینی کے چہرے کا رنگ بدلتے لگا۔

”زیادہ ہمدرد بنتے کی ضرورت نہیں ہے۔“ شرمن نے بغیر کسی لحاظ کے کہا، ارم علیہ اور ندرت کے سامنے چپ رہ گیا۔ ورنہ شرمن کی حرکت سخت گرال اگر زیری تھی۔

”تم ارم کو سمجھا، بھی بندی خواہ سے خواہشات پوری نہیں ہوتی اور دیکھو احمد نے مجھے تھی خوب صورت اگوشی بنو کر دی ہے۔“ علیہ نے ہاتھا کے کیا جس میں خوب صورت کوں سے مژن انگوٹھی دکھ رہی تھی۔

”واو آپی دکھائیں۔“ شرمن ستائی بھجے میں کہی علیہ سے رنگ لے کر اپنی انکی میں پہن کر ہر زاویہ سے جائزہ لے رہی تھی۔

”آپ تو خوش قمت ہیں جو احمد بھائی آپ کی سنتے ہیں۔ ارم جانے کسی منی کے بنے ہیں۔“ شرمن نے دکھڑا دیا۔

”اے رنہنے دو، ارم بھی بڑی شیری کھیر ثابت ہوئے، مال باب نے جھوٹا حرام کی جیزی دی اس سے اپنے بھنگی بیان آسان خود کی تھا۔ دو سالوں کی محنت رنگ لائی۔ تب جا کے ارم مانے، تم بھی کوشش کریں رہو۔“ علیہ نے اپنا تجربہ بتانے کے ساتھ مشورہ بھی دی دیلا۔

”ای آپ کے گھر میں بیٹھیں کی خاطر تو پس کاروان ختم ہو گیا کیا؟“ ندرت بھی اسکی تو شرمن نے من پنگا کر کہا۔

”زینی کو کہا تو ٹھا شربت لانے کو..... بہت کام چور اور سترے ہے۔“ ندرت نے دل کے پیچھوے پیچھوے سے زینی کے سیل شربت کے کلاس رکھ کر دخل ہوئی۔

”کیا کھر میں سارا راش ختم ہو گیا ہے جو خالی شربت لائی ہو۔“ شرمن بھی۔

”کھانا پاک رہی ہوں۔“ زینی نے بتایا۔

”کھانے سے پہلے پھر لالا کو دوخت بھوک لگی ہے مجھے۔“ شرمن کا انداز حقارت لیے ہوئے تھا۔ وہ خاموش رہی۔

”کھڑی دیکھ کیا رہی ہو جاؤ کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔“ جعفری ہوتا تو اسی تک ساری اکڑ کلکل تھی ہوئی۔“ شرمن کے جاتے انداز علیہ، بھی زینی کے چہرے کا رنگ بدلتے لگا۔

”رات کے کھانے۔ پاہتمام کر لینا اس لینے آئیں گے مجھے اور ان کے سامنے زیادہ ملکنکی ضرورت نہیں۔ یہ دوپٹا لپیٹے ورنہ شرمن کی حرکت سخت گرال اگر زیری تھی۔

”گرم کر کے لا او رو بارہ ٹھکل مت دکھاتا۔“ وہ ڈونگا اتنا
کر گرم کی چیل میں چل دی۔ مائیکرو یو میں سان گرم کر کے لائی
تو شرمن نے کافی کا آرڈر دیا، یہ حدبو لئے والی..... من
سچ جواب دینے والی زینی کو بے زبان جانور کی طرح کام میں بتا
دیکھ کر ارم کو ہیشکی طرح حیرت ہوئی تھی مگر اج تو شرمن نے
حد گردی تھی۔ اس پر زینی کی اوس صورت نے ارم کا دل گزار
کر دیا تھا۔ وہ باتھ ڈونے والی میں کی طرف آیا تو پکن میں
کافی بیانی زینی کو دیکھ کر خود کو رکھتا۔

”یہ ہو زینی؟“ وہ ایک لمحے کو ڈرگی، ارم کو دیکھ کر اس
نے رخ پھیر لیا۔

”آپ جائیں ہیاں سے۔“

”کیوں؟“ ارم دروازے پھیل کر کھڑا ہو گیا۔
”شرمن نے دیکھ لایا تو شامت آجائے کی۔“ اس کی آواز
میں فرمادی تھی۔

”تم تو کسی سے نہیں ڈرتی تھیں۔ کسی کے آگے تمہاری
زبان نہیں رکتی تھی۔ اب کیا ہوا؟“ درحقیقت ارم کو اس کی
حالت دیکھ کر فسوں ہوا تھا۔ قوہ زینی کی بیسی تھی، اس کی شوکی
مکمل حالاً تھی، شراریں یا سیست کی چادر اور ہجھکی تھیں۔

”وقت بدل گیا ہے۔ حالات بدل گئے ہیں۔“ تھی
مکرات ہیں ہر ایسا ٹوٹیں کہ اس کی طرف توڑتی۔

”کیوں کیا تم نے یہ سب زینی؟“ ارم کی تھا۔

”کیا راز و نیاز کر رہے ہیں آپ دنوں؟“ شرمن نے
اچانک چھپا پا راتب وہ بڑی طرح ڈرگی، ارم کی ہجھرا کیا۔

”میں ہاتھ دھونے آیا تھا۔“

”ہاتھ دھونے آئے تھے یا جس سے ہاتھ دھونا پڑا اس کی
کسکا پکوہیاں لائی۔“ شرمن چالی۔

”تینی سے بلت کرو۔“ ارم کو غصہ گیا۔ شورن کر علیہ اور
ندرت بھی آ لگیں۔

”میں نے دنوں کو رکنے باقیون پکڑا۔ راز و نیاز کرتے،
دنوں پھر سے پرانی کہانی دہراتے کی بات کر رہے تھے۔“

”شرمن ندرت کے لگ لگ کر رونے لگی۔“

”تم جیسی عورت کا کوئی علاں نہیں۔ مروہیاں جب دماغ
درست ہو جائے تو آ جانا گھر۔“ ارم فسے سے بکا جھکتا تیزی
سے کلک گیا۔

”ارم کو تو.....“ علیہ پچھے پکی۔

”شرمن کی بچکیوں نے سونے پہاڑا کا کام کیا۔ ارم کا مودبڑی
حباب جنوری ۲۰۲۱ء 39

طرح مگزیل۔

تھے۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ جس نک وہ بخار سے پٹک رہی تھی۔

نامشنا کیا تمہاری ماں آ کر بنائے گی جو بھی تھک۔ ستر پر مری پڑی ہو۔ ندرت کو ناشتا ملنے میں دیر ہوئی تو اس کے سر پر آ کر چلا نہ لگیں۔

”میں بس اٹھنے کی ہمت ہی کر رہی تھی۔“ اس نے قابضت بھری آواز سے کہا۔

”راںوال رات ایسا کیا ہو گیا کہ اٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔“ ندرت، علیاہ اور شرمن میں کی مال جیسیں، کم و بیش سب کی زبان بے لگا تھی۔ زینی نے اٹھنے کی کوشش کی آنکھوں کے آگے ایک م اندھیرا چھاپا گئی اور وہ اپنے ہم منگر کرنی پڑتی ہید کے کونے سے کی اور پکھ لئے تو وہ مارے تکلیف کے کچھ بولنے اور کرنے کے قابل تھی۔

”مری بڑی رہو جان، یو جو کچوت لگا لوتا کر کوئی کام کون بول سکے۔ اسی مخوس سے کہ جھفری نے منہ رکنا تھی ضروری نہ سمجھا، تھوک کر جلا گاٹھ۔“ میرے میںے کولاگھی کی کی تھوڑی تھی۔ جانے کیسا نکلے پڑ گیا۔“ ندرت ہرگل کرچلی تھی۔

شرمن نے جھفری کو کال کر کے بھڑاس نکال لی تھی اور اب

اس نے کٹھی پر ہاتھ رکھا گرم سیال بہت محسوس ہوا۔ کٹھی سے خون کلک رہا تھا۔ خود کو گھیت کر پھسلک واٹ روم جا کے اس نے خون صاف کیا، چند قدم چل کے اس کا ساس پھولنے لگا۔ دوبارہ یہ کر رہت سمجھ کرنے لگی۔ تھوک سے آنسیں بلایا رہی تھیں۔ کمزوری نے شیان پڑھا دی تھیں مگر کوئی گھنٹے نہ رکھے۔ ندرت نے پلٹ کر پوچھا تھا۔ نہیں تھا۔ وہ پھسلک پکن بکھ آئی، پھر کی حالت سے ظاہر تھا ندرت نے کچھ نہیں پکایا تھا۔ پڑوس کا پچھہ روازہ بجا کرایا۔

”یخال کے دل روپے بنچے تھے۔ انہوں نے طوہ پوری معموانی تھی تاں۔ میں انہیں دینا بھول گیا تھا پیسے۔“ بجھ دہیں روئے کا نوٹ اسے تھما کر جلا گیا۔ ندرت نے طوہ پوری مٹکا کر کھا چکیں۔ اور اب تیلوں فرمادی تھیں۔ دکھ سے اس کی آنکھیں جملانے لگیں۔ کھانے کی طلاش میں فرجنج میں انداز مل روئی پڑھ رہی، اٹھا بنا کر بریڈ لے کر دہ کرے میں آئی۔

”لختا ہے غیرت ہے انسان جو پیٹ کی بھوک کے آگے کھٹھنے لیکر دتا ہے۔“ تلخ سکراہت سے سوچتے ہوئے اس نے نو والہ منہ میں رکھا۔

”جانے یہ لڑکی کب مرے گی اور ہمیں کون نصیب ہو گا،“

فلکر مت کرو شرمن تمہری بہن جیسی ہو، میں اس کے بات کروں گا۔“ احمد نے بھجا۔

مالکوں میں کھڑی تھے کا مظہر پیغمبیر زینی خون کے آنسو رو نے گلی۔ سکے بھائی کو سالی کے ناظر آگئے تھے مگر اس نے

بہن سے پوچھنے کی بھی راحت گوارا نہیں کی تھی۔ جسم میں جا بجا

درو ہو رہا تھا۔ شرمن کی بیتل نے جگ جگ میل ڈال دیے تھے۔ وہ

جسے بھی کسی نے پھولوں سے نہیں مارا تھا، اس ایسے دے لوگوں کی جو تھی۔ وہ فردوس سے ملتے بہت جانی تھی۔

کی خدمت کون کرتا، علیاہ جانی اور اسے موقع نہیں ملا تھا۔ بھران

جھفری کا نادیہ نیچے سیعات کا بڑھا جانے کا درکار کر کے سب کو

مطمئن کر دیتی۔ فردوس کی بکھاروں کر لیتی تھیں۔ اس میں بھی وہ کسی کو دیکھتے نہ تھے کی تھیت ہی کریں رہتی تھیں۔ وہ خود بھی

گھر جانے سے اختطاب کرنی تھی کہ احمد اسے دیکھ کر اگ بولہ ہو جاتا تھا۔ اس کی زندگی آنسوؤں کی نذر ہو گئی تھی۔

شرمن نے جھفری کو کال کر کے بھڑاس نکال لی تھی اور اب وہ اسے گالیاں دے رہا تھا۔

”تو دن گناہ شروع کر دے جس دن میں آیا تیرا وہ حال

کروں گا کہ تیری ساری آوارگی وہ توڑ دے گی۔“ دل بھر انہیں تیرا

عاشقوں سے؟“ وہ اور بھی فیض زبان استعمال کر رہا تھا۔ اس میں سنکھا حوصلہ تھا، اس نے پچکے سے فون رکھ دیا۔

”یہ کسی آزمائش ہے میرے رب؟ جو گناہ میں نے کیا ہی

نہیں اس کی پاداں میں کب تک سزا بھیجنیں؟“ وہ ٹکوٹھ کیاں ہوئی۔ آنسوؤں نے پچکی پاندھ دی۔ اسے کپڑوں کے نیچے

دبے ایک پرچے کو کھال کر اس نے چرے کے سامنے کیا۔

ایک پرچاں نے میمبوں سے سنجھا رکھا تھا۔ اس کی پیغمبیری کا سیاہ ورق تھا۔ جس نے اس کی خشنی مسکراتی زندگی تو اس نہیں کر دیا تھا۔ سیو ہنی نکاح نامہ تھا۔

”کون ہوتا، کیوں سامنے نہیں آتے، ایک پارا کر جاتا تم نے یہ کیوں کیا؟“ وہ بے بسے چلائی۔ روئی تھی، ہر پر رہی تھی، اس ایک پرچے نے اسے صد بیوں کا ختم دیا تھا۔

.....

شرمن کی بیتل نے سر پر جا بجا گومزے ڈال دیے

”لے عزت دینے والے، مجھے مزید بے عزت ہونے سے بچالے، اے خالق کائنات ہیر امزید تماشا نہ لگا، میں ہر ذلت، بدنای سہہ گئی تکراپ ہر یونیٹس سہہ بازوں گی، نام نہاد شوہر جو مجھے گالیوں سے خاطب کرتا ہے، جو صرفی رشتے کی آڑ میں ہیر عزت سے کھل کر مجھ پر تقبیہ لگا کر میری کروارکشی کرنا چاہتا ہے، مجھے اس کے شرے بھالے میرے مالک جو فرش ہر لہڑی میری نسوانیت کو تار تار گرنے کے خواب بن رہا ہے مجھے اس کی بدھنی تھی تے پچاہی میرے پور و دگا... مجھے بچالے“ اس کی پہنچ بندھنی تھی بجدعے میں سر کئے وہ کتنی ہی دیر روئی رہی گی۔

جعفری اس کا شری شہر تھا مگر ان گزرے دنوں میں اس نے صرف اے ایک جنم سمجھا تھا، جسے نوپنے، چڑھاڑنے کا اسے موقع نہیں ملا تھا، حقوق زوجین اس کے نزدیک ایک بڑہ تھا، جس کے پیچھے اس نے اپنی حیوانیت اور درندگی کو چھپا رکھا تھا۔ اس نے کہہ رکھا تھا جس دن وہ لوٹ کر آیا وہ اس سے اس کا غرور جھین لے گا۔ اس کی نظر میں یہوی اور بازار میں پیشی گورت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس کا اس نے برملا اظہار بھی کر دیا تھا۔ وہ اسی حکڑی کے نتائے کے لیے دعا کوئی۔

جیسے چیز دلت گز رہا تھا اس کی ہر لہڑی میں متھش ہو رہی تھیں، وہ ہر آہٹ پر چونکہ رہی گئی، عورتیں، شوہر کے بروپس سے لوٹانے کے دن تھیں ایک ایک دن شارکری ہیں یکین وہ اپنی بد قسم تھی کہ شہر کے نتے کے لیے دعا کروئی۔ ”ایک بارا جائے جعفری حلیہ بیاڑے گا۔“ شرمن تے اسے نفرت سے نکھلتے کہا تھا۔

”سارا اخلاقنا نکل جائے گا۔“ لعلہ بھی نہیں۔ ”مجھے تو ایک دن بھی بہو کا سکھ نصیب نہ ہوا۔ جعفری ہی آئے گا تو مہارانی کے مراج میں گے۔“ ندرت کیوں پیچھے رہیں۔

چائے سرو کرتی زینی کے طبق میں نہیں گولہ پھنس کیا۔ جعفری کے استقبال کو دنوں بہتیں تیار بھی تھیں۔ ندرت بھی اپنی پورٹ جانے کے لیے بے صبری سے کھڑی کو دکھل کر دی تھیں۔ وہ سب نکلتیں اس سے سلسلے ہی ایک برلنگ نہ زدہ ہر میڈیا چیل کی ہیئت لائیں بن گئی۔ جعفری جس طیارے میں سوار تھا فتحی خرابی کے باعث طیارہ حادثے کا ذکار ہو گیا تھا۔

تو وقت بدل اتحاد اس کے شب و روز، شرمن اور عاشبہ کے طعنوں میں کی بھی نہیں آئی تھی۔ اس کا سلسلے سے زیادہ مقابل ہو گیا تھا۔ وہ بھی تھی کہ اکان بننے کی کوشش کرنی تھی۔ فردود اور ضاء اے دکھ کر کڑھنے لگے تھے۔ احمد کی نفرت برقار تھی۔ جعفری کی وہی آمیز کا لہر کا اب وہ عادی ہو گئی تھی۔ گوکاب سال سے اپر ہو چکا تھا مگر جعفری کی ہزار کوشش کے باوجود وہ پاکستان نہیں آپر ایسا تھا۔ کچھ اس کے کینیزین یہوی کو بھی اس کی شادی کی اس ان مل تھی تھی جس پاس نے خاصاً وابلا کیا تھا مگر جعفری نے ہزار جھوٹ کے بعد اس کے شک کو دور کر دیا تھا۔ جلد پاکستان کا چکر لگا تو اس کی یہوی کا ایک یقین میں پدل جاتا بلکہ آج کل وہ خود پاکستان ساتھ چلے کی شد کر رہی ہی، جس پر جعفری مال رہا تھا۔ شرمن نے اس اور نبلہ کو تھی کا ناقص نحصار کہا تھا۔ نبلہ اس وقت کوکوں رہی تھیں جب انہوں نے اس کا اتحاب کیا تھا اس کی اس کی بذریعی اور آئے دن کی رہائی روگرام سے نکل اچکا تھا۔ احمد نے گاڑی لی تو شرمن کے مکمل اصرار پر اس نے پیک سے گاڑی لی اور اپنے اونٹ میخت اس کی جان کوئے نکالتا تھا، پہنچ میں بھی کچھ اچھائیں پہل رہا تھا۔ روز کی حقیقی سے نکل کرو تو کری چھوڑنے کے پاسے میں سوچ رہا تھا۔

سب کی زندگی اپنی اپنی جگروں دوال تھی اگر ایک نجف کی کی زندگی رک گئی تو زینی تھی..... جس کی زندگی میں کوئی خوش کا دن نہیں تھا۔ کوئی خوش کا تھوڑا نہیں تھا، کچھ، کچھ، جو تے خریدیے زمانہ ہو گیا تھا، ہر فرد دوں ہی اس کے لیے کچھ نہ کچھ لائی تھیں درست اس ان چیزوں کی خواہیں نہیں رہی تھیں۔ کئی کئی دن کیزے نہیں بیاتی تھی، بال نہیں، ہائل تھی وہ شاید اندر سے مر گئی تھی۔

”جعفری آرہا ہے۔“ یہ خبر سن کر زینی کا وہ جو دیجے زارلوں جھکلوں کی زدیں آگیا تھا۔ وہ تو اسے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی اور اب وہ آرہا تھا، وہ بے حد فکر مند ہوئی۔ کس سے کہے، کس سے چان کی امانت کی درخواست کرے، لے دے کے ایک ہی ہستی تھی جس کے سامنے وہ ہے ہر جرک اپنا مقدمہ رکھ کر انصاف کے لیے درخواست کر کنہ تھی اور اس نے ایسا ہی کیا۔... ولیوں کے ولی، بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں اپنا

جس نے بھی سا بے یعنی تھا لیکن جلد ہی تصدیق بھی ہوئی
تھی۔ 230 مسافر لفڑی اجل بن گئے تھے۔ شرمن، علیہ،
ندرت دھاری تھیں۔

جعفری کا سوئم بھی گزر گیا۔ آہستہ سب روشنیں بن
واپس آگئے تھے۔ احمد کے دل میں بہن کی محبت جاگی یا
نہیں گزر تھی کے ساتھ ہونے والے سلوک نے اسے تکف
ضرور پہنچائی ہی، گور علیہ نے اپنے اندازے اس کے دل کو
صاف کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی، فردوں اور ضیاء اس کی
وگروں حالات کا مدد اخراج کو کھا رہے تھے۔

زینی چپ تھی۔ اس کا سکن اوری کمر تھا، جو بھی اس کے
زیر استعمال تھا، اب اس کرے میں ٹھک کا کاٹھ کا باڑ پڑتے بستر
ڈال کر اسے اشوری کھل دے دی تھی تھی۔ ان کاٹھ کا باڑ کے
درمیان زینی کو اپنا وجہ بھی بے کار لگتے تھا۔ فردوں اور ضیاء تھی
الاممکان اس کا خیال رکھتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ یہ بھی
جاں تھی گمراحتہ ہوتے ہوئے بھی ساتھیں لکھتی تھی۔
نبیلہ اس کے ساتھ آئی تھیں۔ زینی خاموشی سے اپری
سیچھوں کی طرف بڑھتی تھی۔ اس نے کہری نظروں سے اس
کے محل انداز کو دیکھا تھا۔

”زینی“ کے ساتھ ہبہت برآ ہوا، کہیں نہ کہیں، ہم سب بھی
اس کی حالت کے ذمہ دہیں، اگر زندگی ویسی ہوئی جسماں ہم نے
سوچا تھا تو دو سال تک جعفری کے نام پر بیٹھی نہ رہتی..... میں
زینی کے ساتھ ہوتے سلوک نے فردوں کو تراپادیا۔ اس نے آج
تک فردوں سے کوئی شکایت نہیں کی تھی کہ اس کی حالت خود ظلم
کی داشستان ساتھی تھی۔ آج ان نیتوں نے اپنی آنکھوں سے اس
کی درگت منظہ دیکھ لیا تھا۔

”سارا صور اس ڈائن کا ہے یہ کھا گئی میرے میئے کو۔“
ندرت زینی کو گالی دینے لگیں۔ احمد کو دیکھ کر علیہ ماں کو
سمجا نے لی۔

فلایت نے وقت پر لینڈ کیا تھا۔ وہ سب سے مل کر بے حد
خوش تھا، سالوں بعد اپنے کے گلے گاتو محبت کی گرمی نے خی
بست ملک کی یاد مدداری کی۔
”کیسا ہے پینڈم..... تو تو مزید پینڈم ہو گیا۔“ صیم نے
بھیج لیا۔ دونوں کرزن اور جری یار تھے کو اس کا پہ
باتیں ہوتی رہتی تھیں مگر دو سال بعد سب سے مل کر گئے تھے
کی اپنی ای خوشی تھی۔
”اب لگ رہا ہے نمیں میں ہوں۔“ اس نے گرم جوشی

زینی سکتے کی کیفیت میں تھی، اس نے غظیم حاکم سے
النصاف مانگا تھا اور اس نے انصاف کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں
میں آنکھا گئے۔ جعفری کے ساتھ اسے 229 لوگوں کی موت کا
بھی دکھتا تھا۔ اس نے جعفری کی موت تو نہیں مانگی تھی لیکن یہ مولا
کی حکمت تھی۔ جعفری جزویہ ہے سال سے زینی کو دھکارہ تھا، جو
آتے ہی اسے بھس کرنے کی باتیں کر رہا تھا، اس اللہ کی
زمیں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پاں، بینیں، جو جعفری کا نام
لے کر رہا تھی تھیں اب امام کر رہی تھیں۔ زینی کے صبر نے ان
سب کو اپا سبق سکھایا تھا کہ اگر وہ سمجھ جاتیں تو ان کی آخرت
سخور جائی۔

”یہ ڈائن کھا گئی میرے میئے کو۔“ ندرت پھر کہاں بک
آئیں، فردوں کے لیے آئے لوگوں کے سامنے خاموش بیٹھی
زینی کو مدعا شروع کر دیا۔ اسی ایک عرونوں نے ندرت کو تباہ کرنے
کی کوشش کی تھی مگر وہ قابو ہو کر اسے لاتی مارنے لگیں۔
حس و رکست زینی چپ کر کے اس کی مارھاںی رہی۔

”ظلم کی بھی حد ہوئی ہے آپ کے میئے کی موت میں زینی
کا کیا تصور؟“ فردوں احمد کے ساتھ فردوں اس کرے آئی تھیں۔
زینی کے ساتھ ہوتے سلوک نے فردوں کو تراپادیا۔ اس نے آج
تک فردوں سے کوئی شکایت نہیں کی تھی کہ اس کی حالت خود ظلم
کی داشستان ساتھی تھی۔ آج ان نیتوں نے اپنی آنکھوں سے اس
کی درگت منظہ دیکھ لیا تھا۔

”سارا صور اس ڈائن کا ہے یہ کھا گئی میرے میئے کو۔“
ندرت زینی کو گالی دینے لگیں۔ احمد کو دیکھ کر علیہ ماں کو
سمجا نے لی۔

”ای صد میں ہیں آپ لوگوں خیال نہ کریں۔“
”ایسا بھی کیا صدمہ کر، سوکو دھنک کر کھو دیا، ان کا میا گیا
ہے تو زینی کا بھی شوہر تھا۔ اُنہیں زیادہ صدمہ پہنچا ہے تو ہم اپنی
بیٹی کو لے کر جارے ہیں ویسے بھی اب اس کے بیہاں رہنے کا
کوئی جواہر نہیں بنتا۔“ فردوں روری تھیں، زینی کے لال چہرے
کو دیکھ کر کا دل خون کا تہ سورور ہاتھ ضیاء نے اسی علیہ کو
مکار اور جہاں بیا اور زینی کو باز و کھیرے میں لے لیا۔
ہاں لے جاؤ اس تھوس صورت کو ورنہ میں اسے جان سے

سے کہا۔

”ہوم خیت ہوم۔“ وہ جھپ لگا کر بیڈ پر اتھا۔

”کچھ زیادہ چکنیں لگ رہے آپ کے مجبوبہ کے گھر کے۔“ ارم باہر سے لوٹا تو شرمن اُنی دیکھ رہی تھی۔ ارم اسے نظر انداز کر کے چیز جگہ پر کھنڈ لگا۔ شرمن کو عدم تحفظ کا شکار ہوا تھا۔

”کھائیں تم کہاں جس کے گھر سے نہیں آ رہے۔“ جب سے نہیں واپس آئی تھی شرمن عدم تحفظ کا شکار تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو، میں ہر وقت بھی کے گھر نہیں جاتا، میرے اپنے بھی کام ہیں اور اگر جاتا بھی ہوں تو نہیں کیا تکلیف ہے اس گھر سے میرا رشتہ ہے۔“ ارم چل گیا۔

”خوب جانتی ہوں کون سارشت ہے اور میرید کس رشتے کی آس میں آپ دوڑے دوڑے جا رہے ہیں وہاں۔“ شرمن آگ بکھر جوئی۔

”ہاں، تم نمک بکھر رہی ہو۔ تم جیسی زبان دراز اور کام چور عورت سے نکلا گیا ہوں۔“ تم نے دیا کیا ہے؟ ایک بچو تو جن نہیں کی..... مجھے تو لگتا ہے زینی کے ساتھ سارش بھی ام تپیوں بھائی بہن نے کی تھی کہ اس قم اور تمہاری آپی کی نظر جو مجھ کی اور تمہارے بھائی کی زینی سر۔“ ارم بولنے پا یا تو کہتا چلا ٹھیک شرمن اس کے پد لانداز تو بھکتی رہ گئی۔

”اگر اس گھر میں رہتا ہے تو جب کر کے رو۔ جتنا ظلم تم نے اور تمہاری بیٹی نے اس مضموم پر یا اس کی سزا قوم لوگوں کوں کی می۔ تمہارے بھائی کی زینی سوت کی صورت، اب بھ تو بہ کرو اپنے اعمال پر۔“ ارم اپنا حکم اخفا کر کرے سے باہر آ گیا، شرمن سے بھی ختم نہیں ہوا۔ بنیلہ نے اسے غصے سے حکیم اخفا نے لاؤخ کی طرف جاتے دیکھا تو فکر مندی سے بیچھا ہیں۔

”تمہیں کیوں ہو رہے ہو؟“ ”آپ نے جو بلایہ مرے سر منڈھی ہے اس سے جا کر پوچھیں۔“ ارم نے ٹھکی سے کہتے ہیکے صوفے پر رکھا اور لیٹ گیا۔

”جانے کس منی سے بھی ہے شرمن۔“ بنیلہ نے بھی تاسف سے کہا۔

”آپ کا ہی انتقام ہے۔“ ارم نے الام دیا۔ ”زینی کی سچائی ثابت ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور خوشی کے ساتھ اپنا کرہ اجنبی نہ لگے۔

”ویکھ شادی زیان۔“ اس کی غالہ امام سے نظر ہے لگا۔ ”دو گھنے تاریخی میں لگائے میں محترم نے تجھے اپریس کرنے کے لیے۔“ سیمیر نے اس کے کان میں کہا۔ ”چب کرو۔“ اس کے کندھے پر ہاتھ بارتے مسراستے ہوئے اس نے عالم کے سلام کا جواب دیا۔

”میں کون سا جنگ جیت کر آیا ہوں جو پورا خاندان ایس پورٹ آ گیا۔“ شادی زیان اسے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

”جنگ تو بھائی لا کیوں اور ان کی ماوں کے درمیان چھیڑ دی ہے تو نے اس کفرور پیشوری سے ڈگری لے کر ہر کوئی تجھے چانسے کو اور یہی چونی کا زور لگا کر آئی ہے۔“ سیمیر بھر اس کے کان میں گھسا اور یہی سچائی قہر چاہی تھا، پھوپی، خالا پیٹی بیٹیوں سے ملارہی ہیں۔

”یاریمیں اتنیں بیٹاؤں دو سال برس کی پڑھائی کر کے لئے ہوں، کوئے سے باہر نہیں آیا جدوجہوئی۔“ وہ چڑا۔

”بیٹا نائم ہے تم انجوئے سکر۔“ سیمیر نے مرا لایا۔ ”اتھی ساری ماوں میں، میری ماں تو میری اتنی آرہی۔“

عروہ بیکم قرب آپ میں تو وہ بوئے سے باز نہ آیا۔ انہوں نے ہنس کر اسے ٹکلے لگایا۔

”کیساے سیرا بھائیا۔“ عروہ بیکم نے اوپر لے بیندھ بینے کو دیکھ کر لکھنی خلک کیں۔

”اس میں روئے کی کیا بات ہے؟“ اس نے پیارے ساتھ لگایا۔ نابھی ساتھ چکنی۔

”لگکے خوشی کے آنسو ہیں کہ کوئی گوری کا لی ساتھ نہیں آئی۔“ سیمیر کی زبان پر بھر سے جھلی ہوئی، وہ معنوی خلکی سے گھوٹنے لگا۔

”یا اللہ مگر، رہ میں مجھے بھی آپ تک آنے کا موقع ملا۔“ اس سے چھوٹا اسیر مصنوعی تہذیب حالت میں گلے لگا۔

واصف بھی بیٹے سے محبت سے ملے۔ ”اب شہنشہ پر ڈی ہے لکھیجے میں۔“ واصف نے اسے ساتھ بھیجا۔ وہ گمراگئے تھے۔ سب ہی اسے گھیرے بیٹھے تھے۔

بیٹے دلوں کے قصے سن رہے تھے۔ سالوں بعد شادی زیان نے اپنے کرے میں قدم رکھا تو اسے خودوار ہجرت ہوئی۔ اس کا کمرہ جوں کا توں تھا۔ عروہ بیکم نے سیٹ بیک نہیں بدی بھی کہا سے اپنا کرہ اجنبی نہ لگے۔ بس روز صفائی کروادیتی ہیں۔

خوشی دو دن میں رشتہ پا کر آئیں شرمن سے... اب بھتیں
ساری زندگی۔ ارم نے نبیل کو مجھی آئینہ دکھایا۔
”نجیک کہتے ہو، میں نے جلد بازی میں کھوٹا سکے
 منتخب کر لیا۔ شرمن شاچھی یہوی بن کی نہ اچھی ہےو۔“
نبیلہ افسر دہوئیں۔

”یہ سب زینی کی آہ ہے اور کچھ نہیں۔“ ارم پچھے زیادہ تعلق
ہو رہا تھا۔ نبیلہ سر ہلاتے تھیں۔

”نجیک کہر ہے جو اس مقصود پر بھی بہت خلک کیا شرمن
کے گھروالوں نے، کیسے چوتھپت عجفری چلا گیا۔“ سب اللہ
نے دکھایا۔ نبیلہ لگرفتہ ہوئیں۔

”میں زینی سے شادی کر دوں گا۔ آپ جا کر جی جان
اور جا چوڑے بات کریں۔“ ارم نے اعلان کیا۔ نبیلہ جر ان
رہ لکھ۔

”او شرمن...“
”اے رہنا ہو گا تو رہے گی... ورنہ طلاق دے دوں گا۔“
اسم فیصلہ کر کچا تھا۔

”زینی چپ چپ کیوں رہتی ہو جائیا... ہمایا یو لا
کرو۔“ فردوں زبردست اسے اپنے ساتھ لے گائے رہیں مگر وہ
ہنوز چپ رہتی۔

”کیا یو لوں؟“ خالی خالی نظروں سے وہ انہیں دیکھنے لگی۔
فردوں کا دل کٹنے لگا۔

”پہلے جیسی بن جاؤ... گائے سنو، زا جسٹ پر ہو فون پر
دوستوں سے باتیں کرو، کشف تھہارا پچھتی رہتی ہے، جا کل
لوں سے دل بکل جائے گا۔“ فردوں نے اس کے پے رونق
بالوں پر ہاتھ پھیرا، ثیل کی پوٹل اٹھا کر انہوں نے اس کے
بالوں میں لگانا شروع کیا۔

”اب دل نہیں چاتا کسی بھی چیز کو۔“ اس نے مختدی
سانی بھر کے کہا۔

”زینی بھول جاؤ س... ان گزر دو سالوں میں مختی
اذیت، تکلیفیں تم نے جھیلی ہیں انہیں زندگی سے نکال کر خوش
دوتی بھی بہت تھی اور لڑائی بھی ہوتی تھی۔ واصف نیزوڈ کیہا ہے
تھے۔ عروسہ بیگم فرست سے ہیں، تب ہی انہیں شاہ زبان سے
حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ جیسے مکرانا تھک
بھول گئی تھی۔

”پہلے جیسا اب کچھ نہیں ہے ماما... میں اپنا مان کہاں اور نیکشی کا نئکش کش شروع کرنے والا ہوں۔“ کافی کا سپ

سے لاوں جو اپنوں کے ہی چیز کھو گیا۔ میں تو کسی سے نظر
ملانے کے قابل بھی نہیں بھتی خود کو۔“ اس کے نوٹے بھرے
لغتوں نے فردوں کے ساتھ احمد کے دل کو بھی اپنی گرفت میں
سلیا۔

”اس کھلٹندرے پر اپنے اور شوخ طبیعت نے میرے دام
میں زمانے بھر کی بے اختباری اور الام بھر دیے ہیں،“ میری
محصولیت کو داغ لگ گیا اور آپ کہر رہی ہیں میں پھر سے
پہلے جیسی بن جاؤں۔ کہاں سے لاوں میں خود میں اتنی
طاقت، میں نے بہت مشکل سے خود کو زندہ رکھا ہوا ہے، مجھے
اپنے مجرم کی حلاش ہے اگر ایک نظریتے دیکھنے کی خواہش نہ
ہوئی تو شاید میں اب تک مر چھی ہوئی۔“ اس کے انسو بہنے
گے، فردوں کی آنکھوں پر کوئے بھی بھیگ گئے تھے۔ وہ
بہت توبی بھر لی گئی۔

”کسی نے مجھ پر انتباہ نہ کیا۔“ کسی نے اعتماد کی جا در بھج
پنیں ڈالی۔ زینی سب کی بے اختباری کے حصے پھر سے
لہبہاں ہو کر سکارا ہو چکی ہے۔ میں تو جعلی پھری زندہ لا اش
ہوں۔ جو صرف اپنے مجرم کی آس میں جی رہی ہوں۔“
اذاں کی اواز اڑی تھی، زینی خاموشی سے اٹھ گئی۔ فردوں نے
سوالی نظروں سے اسے دیکھا۔

”جب مجھے سب نے کاٹا، پھر دیا تھا بیٹھی یہ پکا
مجھے اپنی طرف چھپتی تھی اور اب جب میں پھر سے اپنوں کے
درمیان ہوں تو کسے اس کے پلاوے کو نظر انداز کروں۔“ وہ
اپر جھائی میڑھیوں میں طرف بڑھی۔ فردوں دوپٹا منہ پر کھر کر
روختے گیلیں۔ احمد نے کامیں سنبھالا۔
”ہم نے بہت زیادتی کی ہے زینی کے ساتھ۔“ احمد بھی
اعتراف کر کے رونے لگا۔

”اب آگے کیا پلٹکن ہے شاہ زبان؟“ عروسہ بیگم کافی کا
گتھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ لاوں تھیں ہی انہوں نے اداوار از بھر طریخ
کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ دو توں میں سال بھر کا فرق تھا۔
ذیت، تکلیفیں تم نے جھیلی ہیں انہیں زندگی سے نکال کر خوش
دوتی بھی بہت تھی اور لڑائی بھی ہوتی تھی۔ واصف نیزوڈ کیہا ہے
تھے۔ عروسہ بیگم فرست سے ہیں، تب ہی انہیں شاہ زبان سے
بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

”ویکا پر اس سنبھالوں کا اور ان شاء اللہ جلد ہی ہماری ایک
نیکشی کا نئکش کش شروع کرنے والا ہوں۔“ کافی کا سپ

لیتے

اس نے مستقبل ہامنوبتیا۔

”شادی کا کب تک مودہ ہے؟“ عروس بیگم کے رواتی ماؤں والے سوال پر اس نے جاری ہی شکل بنا کر سرخ چاہ شروع کر دیا۔ واصف نے بھی ولیم کم کر دیا تھا۔ باقی دونوں بھی اس طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

”مام، بھی تو نہیں۔“

”پھر کب؟“ تہاری شادی ہو گئی، مگر میں بہاۓ گی تو چند سال بعد از میر اور اتنا کی باری آجائے گی۔“

”مام، بھائی چاچے ہی نہیں کہ میری فائل اور آئے۔“

ازمیر نے مخصوصیت سے کہا تو شاہ زیان نے مُکراتے ہوئے کھوارا۔

”بھی چل کی بات ہے، تہاری ماں اب ساس کا رول ملے کرنے کے لیے تیار ہے۔“ واصف نے شوٹی سے عروس بیگم کو کھاتا ہیں پہنچنے لگے۔

”شاہزادہ زیان میں خجیدہ ہوں۔ تہاری خالہ، علامہ کے لیے ڈکھ چکے نظلوں میں کہہ چکی ہیں۔“ عروس بیگم کے اکشاف سے واصف بھی حیران ہو کے۔

”رُسلی.....!“

”بھی..... خاندان میں اتنی بچیاں ہیں اور سب ہی ماشاء اللہ چل و صورت کی پیاری ہیں۔“

”مام لکھن اس کا مرزاں.....!“ لانا کچھ کہتے ہوئے رک گئی۔

”شادی کے بعد لڑکیاں بدل جاتی ہیں۔“ عروس بیگم نے اتنا کی بات اچک لی۔

”تم تو پچھے بولو۔“ واصف نے اسے بولنے پا کسی لایا۔

”آپ نے کسی کو پوند کر رکھا ہے؟“ ازمیر نے شرارت سے پوچھا، وہ چند لمحے سے دیکھتا رہا۔

”میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ ارم کی بات پنیتی نے اسے دیکھا چند طالیے دیجی رہی پھر اس کے لیوں پر طنزی لیا گئی۔

”بُری میں ایسا نہیں چاہتی۔“

”کیوں؟“ اس نے جانتا چاہا۔

”آپ بہیش بھتے محبت کے دوستی دار رہے لیکن جب آپ کو محبت ثابت کرنے کا موقع ملا تو آپ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جانے آپ کی محبت اتنی بودی اور گزرو رکھوں کی کہ کیا۔ کب کرنی ہے، کس سے کرنی ہے، بھی سوچا ہی نہیں۔“

”نہ نے مجھے اپنے بھریں جکڑا نہ آپ کو ثابت نہ قدم رہنے دیا ان فیکٹ بھجے سوتے کا تھوڑا نامم دیں۔“ شاہزادی نے پوری اوراب جب میں نے دنیا کوئی آنکھ سے دیکھا شروع کر دیا تو۔

بیوی کے ہوتے ہوئے آپ پھر سے دعویٰ دار بن کر آگئے۔
اس نے آئینہ دکھایا۔
”بیوی شرمن سے بالکل نیس بنت۔ وہ ایک اچھی بیوی
نہیں بن سکی۔“
”یہ تو آپ کو طے کرتا ہے کہ وہ اچھی بیوی نہیں بن سکی یا
آپ اچھے شوہر اور مُغیر نہ بن سکے۔“ اس وقت بھی آپ

خود عرض انسان بن کر بیوی پر سون لانے کا سوچ رہے ہیں،
اگر مجھے آپ سے محبت بھی ہوئی تو بھی میں ایک عورت پُل
کرنے کا سوچ نہیں سکتی تھی۔ خواہ وہ شرمن ہی کیوں نہ
ہوتی۔ ”ارم کوہ خود سے بہت بلند گی۔ اس نے تھیک کہا تھا۔
کھوٹ شایدی اس کے اندر ہی تھا جو وہ کسی کے لیے اچھا جائز
نہیں ہوا کہا تھا۔

”بہت افسوس کی بات ہے پھوپھو جان میں سالوں بعد ادا
ہوں اور آپ ملے نہیں آئیں۔“ شاہ زیان، نائک سے گلے
ٹکوئے کر رہا تھا۔
”شوگر اتنی بڑھتی تھی بچے کو خواہش کے باوجود تم سے ملے
نہ آ سکی۔ میرا بھی بہت دل چاہ رہا تھا تمہیں دیکھنے کو۔“ نائک
نے اسے گلے کا لیا۔
”وکیہ لیں اسی لیے میں خود آپ سے ملے آ گی۔“ اس
نے بھی حکمت اکالہ کیا۔
”تم بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کھانا پکائی ہوں کھانا کھا کر
جانا۔“ نائک شنید لکھیں۔

”آپ کی طبیعت تھیک نہیں ہے رہنے دیں باہر سے منکوا
لیں گے۔“ شاہ زیان نے روکنا چاہا۔
”پرسوں پر بعد میر اجڑا یا اے اے میں باہر کا کھانا کھائے گا،
میں پکائی ہوں۔“ نائک شنید لکھیں۔

”ای چائے کے ساتھ پیسے کوئی نہ کوئے دوں۔“ سیم بھی
ان کے پیچھے بچن میں چلا آیا۔ شاہ زیان نظریں گھما کر گھر کا
جاائزہ لینے لگا۔ دساں میں پچھنیں بدل دیا۔ یہ ایک متوسط
علاقوں تھا، واحد کی تمام کہنیں امیر گھر کرنے میں بیانی تھیں
مگر نائک کی شادی متوسط طبقے میں ہوئی تھی۔ نائک بے لوث
محبت کرنی تھیں۔ شاہ زیان ان کے بہت قریب تھا۔ سب اس
سے ملنے آئے تھے مگر ہائسر شوگر اور بیوی کی وجہ سے نہ آ سکی
تھیں۔ تب ہی وہ خود ملنے چلا آیا تھا۔ لائٹ چلی تھی۔

رکھ کر اعلان کیا۔

”بہنوں کی شادی کے بعد اسی کی آخری بیٹی میں ہی
ہوں اس لیے سیدھوںج کھا کر بتاؤ۔“ سیم اپنی مون میں تھا بت
تی اس کی خاموشی کو جھسوں نہ کر سکا۔

”لوٹاں۔“

”پھوپھو کو اتنی گری میں پکن میں کام کرنے سے من کرنا تھا
تاں۔“ وہ خود سنبھال چکا تھا۔
”لوٹو، تمہارے لیے وہ کسی غدر کو قبول نہیں کریں گی۔
آجائے گی ایک کھنٹے میں لائٹ میں نے جزیر بھی چلا دیا۔

ہے۔ ”صیم نے تسلی دی وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ صیم نے مج تمہی، مج منڈ پر پڑھ کر اس نے سیندو بھی لیا۔“
مج منڈ پر پڑھ کر اس نے سیندو بھی لیا۔“
”صیم، وہ تجھاری پڑھن جو گئی..... وہ لوگ چل گئے
یہاں سے؟ آواز نہیں آ رہی کوئی۔“ اس نے لاپروا نظر آنے
کی ادا کاری کی۔

”نہیں ہیں..... اپنا گھر چھوڑ کر کہاں جائیں گے آواز تو
اب بھی آتی ہے مگر اب ان آوازوں میں بہت تبدیلی آ گئی
ہے۔ ”صیم کے لپچے میں اداہی آ گئی۔
”مطلوب؟“ وہ جلد سے جلد سب جانانا چاہتا تھا۔

”ایک عرصہ اس دیوار کے پار خاموشی رہی لیکن اب یہاں
سے صرف رونے، سکنی کی آوازوں آتی ہیں۔“ صیم نے جائے
کاپ لیا، اس کی خاموشی شاہزادی پر گراں نزدیکی تھی۔ اس کا
بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے پل پھر میں سب جان لے آخ
ایسا کیا ہو گیا تھا۔

”اس بے چاری بڑی کے ساتھ بہت برآ ہوا..... جن دنوں
تم انگلیہ چاربے تھے ان دنوں اس کا نکاح اس کے کردن سے
ہوتے والا تھا لیکن میں نکاح کے وقت ایک شخص نے اس کے
بھائی کو نکاح نامہ تھا جیسا کہ زندگی پہلے ہی اس سے نکاح کر جائی
ہے۔“ شاہزادی نے سیندو بھی پڑھ دیا جیسے اس کا بوجھ
اخنانہ در پھر ہو رہا ہے۔

”وہ نکاح نامہ زندگی کے لیے بدختی بن گیا۔ کردن نے
شادی نہیں کی، سب زندگی پر اڑام لگانے لگے۔ بھائی، ماں،
باپ بب نے اس سے منڈ پھر لیا۔ چند روز بعد تا چلا وہ نکاح
نامہ بھلی تھا مگر وہ یوں بھی تھی۔ اس کے کردن نے اس کی بھائی کی
بہن سے شادی کری۔ بھائی اس کی بھل دیکھتے کارروارہ تھا۔
بھائی کا بھائی جعفری جو پہلے ہی بدختی پڑھنے سے پھر کھاچا تھا
اس نے شادی کا پیغام بھولایا۔ زندگی کا بھائی کی راہ چلتے کے ساتھ
بھی رخصت کرنے کو تیار تھا اس نے سالے کے پورا پول پر
ہاں کری۔ جعفری تے پہلی رات ہی کو اتنا مارا کہ وہ بے
ہوش ہو گئی خوش سمتی سے جعفری کو ولے کی رات ہی واپس

”میرا گھر داؤ پہ لگاے اگر ارم از گئے تو میں کیا کروں گی؟“
شرمن شریان گئی۔ ارم کر کرے میں آچکا تھا۔ شرمن نے فون
بند کر دیا۔ وہ ارم کی پشت کو گھوڑی ہر بار فون
پڑھ کر تھی۔ ”آپ زندگی سے شادی کر رہے ہیں؟“ ارم ایک
پل کو چوڑکا۔
”ہا۔“ اس نے بے غوف ہو کر کہا۔

بیگم نے فرانظر اتارنے کا سامان مٹکا کر نظر اتاری۔ پسے وارکر فقیر کو بھجوائے، تب تک ڈاکٹر بھی آچکا تھا۔ ڈاکٹر نے سکون کا الجشن لگادیا تھا۔

”کوئی اسریں ہے، بھرنے کی بات نہیں، ڈسرب نہ کرس تو اچھا ہے۔“ ڈاکٹر مہمات دے کر جلا گیا تھا، عروس نے اسی بند کی اور کلب شاہ زیان پر لالہ ہونے والے تھکریں۔

”سوال بعد لوٹے ہیں کری لک گئی ہو گی۔“ تیک میں پھنس گئے ہوں گے آپ بینش نہیں۔“ ازیم اور انہیں دلسا درد ہے تھا انہوں نے نامہ کفون کر دیا۔

”آپ شاہ زیان آپ کی طرف آیا تھا۔ کچھ جو تھا کیا؟“ عروس نیک گردندی سے پوچھ رہی ہیں۔ نامہ بھی گھبرا گئی۔ ”بھیں تو..... بیہت خوش تھاں کر میں نے کہا تھا کھانا کھا کر جانا تو ہای بھر لی گئی، کوئی ضروری فون آ گیا تو جلا گیا۔ کچھ پریشان سالگرد رہتا، کیوں نہیں ہے؟“ نامہ نے قصیل بتا۔

کر پوچھا۔ ”شاہ زیان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر سکون کا الجشن لگا کر گیا ہے۔“

”اللہ خر کرے، یہ بیٹھے بھائے کیا ہو گیا بچے کو؟“ نامہ بھی پریشان ہوئی۔

”جاگتا ہے تو پوچھوں گی۔ آپ غردنہ کریں۔“ ہو گلتا ہے باحوال کی تجدیلی کی وجہ سے طبیعت بُرگئی ہو۔“ عروس نیک نے تسلی دی۔

”اللہ صحت دے۔ مجھے فون کر کے بتائی رہنا۔“ نامہ کو ٹکرائی گئی۔

”جی میں انفارم کر دوں گی۔“ عروس نیک نے نون بند کر دیا۔

”کس کی کمال تھی جسے سن کر شاہ زیان کی طبیعت بُرگئی۔“ عروس نیک کچھ پریشان ہی ہوئی۔

شرمن کی کال نے علیہ کوئی چڑاغ پا کر دیا تھا۔ زندگی کا وجود خداوس سے برواشت نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود علیہ سے بات نہیں کرتی تھی۔ عیسیٰ کو پیر کر کر تھی یا اس کے پاس بیٹھے جاتی تھی۔ عیسیٰ بھی بچوں، پوچھو کر تھا جاتا تھا، ازیم کی روڑ بیکر پریشان ہو گئے تھے ازیم نے فوراً ڈاک کال کر دی۔

گھر ٹوٹنے سے بچانا چاہ رہی گئی۔

”میرے ہوتے ہوئے آپ ایسا کر کے دھائیں۔“ میں اس چمٹی کو جانے سے مار دوں گی، پہلے میرے بھائی کو کھا گئی اور اب میرا اُخڑا جائزے کا سوچ رہی ہے۔ اس حرف کو...“ شرمن اپنی آواز میں چلا رہی تھی۔ ازیم کا انتباہ تھا شرمن کوچپ کر گیا کال پر ہاتھ کے دہبے تھیں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”جو خود ایک گالی ہو گہہ کسی پا کردار لڑکی کو گالی دیتا۔“ لگتا، کس گھر کے اجرنے کی بات کر رہی ہو تھی تم نے گھر بنایاں کب ہے تم نے تو صرف زندگی کا حق جیتنا تھا، تم تو ایک اچھی بیوی تھکنے سے ہی۔“ شہر کی پسند، ناپسند تھا۔ نہ زدیک کوئی سمعتی نہیں رکھتی اگر جیہیں شوہر کی خوشی کا خیال ہوتا تو تم پیدا یا نہ کھارہ ہوئی۔“ ازیم کے لجھے میں بے حد غفرت تھی۔ اس نے دوا کا ڈیا اس کے مٹ پرے مار۔ شرمن کے چہرے کا رنگ اڑا۔

”اگر جیہیں پچھیں چاہیے، ساری زندگی شاپنگ اور عاشی ہی کرنی ہے تو تمہارے لیے میری شادی اتنی حیران کن کیوں ہے؟“ مجھے ایک بیوی چاہیے، بچہ چاہیے، جو تم نہیں دینا چاہتیں اور اب مجھے تم سے چاہیے ہیں۔ مم اس لڑکی کو گالی دے رہی ہو جو تمہارے میاں لو پہلے ہی شکرا کر تھا۔ رہنی نصیب بنا چکی ہے اور اب بھی ٹھکر رہی ہے لیکن میں اب پچھے نہیں ہوں گا، میں بار بار جزوئی کے درپر جاؤں کا جب تک وہ مان نہیں چاہی، ماتحت نے، تم جاؤ تو اپنی میاں کے پاس جا کتی ہو۔“ بے حد غفرت کا اظہار کر کے ازیم کمرے سے نکل گیا۔ شرمن ساکت پہنچی رہ گئی۔

شاہ زیان جس طرح گھر پہنچا تھا وہی جانتا تھا، کیا بار ایک بیٹھت ہوتے ہوئے تھا۔ وہ بار بار جاؤں کو باقی میں رکھ رہی تھیں۔ پر گفت مضمون کر رہا تھا۔ نظریں وہ دیکریں پس سوارہ تھا۔ مگر ہر بار مظہر وحدنا جاتا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کی حالت دیکھ کر عروس نیک بھی گھبرا گئی۔

”نام مجھے بہت سروری لگ رہی ہے۔“ او مجھے لے شاہ زیان کو سنبھالا۔ عروس نیک کو بہت مشکل ہو رہا تھا۔ ان کی آواز پر ازیم اور انہا بجا گئے جلتے۔ وہ دونوں بھی شاہ زیان کی جیات دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے ازیم نے فوراً ڈاک کال کر دی۔ ”جانے کیا ہو گیا میرے بچے کو، نظر نہ لگ کئی گئی۔“ عروس

”کون سا کھیل کھیل رہی ہیں آپ اور آپ کی بیٹی۔“ علیہ بُری بیانی فردوں کے سر پر جا کے چکھاڑی۔ قریب ہی ریتی ضیاء کے پیڑے استری کردی تھی۔ فردوں علیہ کا انداز بُجھنے سے قام ریس۔

”جب آپ نے جو دل سے تو پر کر لی چے تو ان شاء اللہ آپ کوئی آئی بیٹیں آئے گی۔ میں دعا کروں گی۔“ ریتی نے پریفین لمحے میں کہا، ارم اس کے معمونانہ انداز پر سکراتا اس کے سر پر ہاتھ رکھ لی تھا۔

.....

لپیٹے میں شرابوں شاہزادیں کی اکھی خلی تو اس نے جھکٹے سے کبل خود پر سے ہٹایا۔ رب موٹ اخوا کراہے کی آن کیا، چند جھوٹ بعد سردی سے کپکانے لگا۔ اسے بندگ کے اس نے رب موٹ رکھ دیا۔ نظریں چھٹ پڑ جائے وہ سخت اذیت کا شکار تھا۔ آنکھیں مونگ کراس نے خود کو ہر سوچ سے باز رکھنی کی کوشش کی مگر آنکھیں موند تھیں ایسے سوک سے بیجا چہرہ سامنے آ جاتا تھا۔ اس نے کرب سے آنکھیں کھول دیں۔

”یا اللہ.....“ بے بُی سے اس نے اللہ کو پکارا، دروازے پر ہلکی وستک دے کر عرب سنتگم بندہ خلی ہوئیں۔ اب کسی طیعت پر ہیری بیان کی؟“ عروس سنتگم نے نکر مندی سے اس کی پیشاٹی پر تھوڑہ کر پوچھا۔ ”ٹھیک ہوں مام۔“ مسکرا کر اتنیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”گمراہ تو بالکل ٹھیک لٹک لئے تھے اچاک کیا ہوا تھا۔“ عروس سنتگم نے اس کا احتہا پہنچھاں لے لیا۔ ”شاید گری کی وجہ سے.... اب ٹھیک ہوں یو ڈنٹ وری۔“ ماں کو ہبلا یا اتنا سوپ کا باول لئی تھی۔

”چلیں بھائی مزید اس سوپ بیٹھیں۔“ ”میں کون سایا ہوں جو اتنی خاطر ہو رہی ہے۔“ ماں بہن کو پریشان دیکھ کر اس نے خوٹکا انداز اختیار کیا۔ ”آب نے تو ہماری جان تھی باول دی تھی۔“ چلیں اب سوپ پی لیں تھوڑی انسنی آجائے کی۔ ”اتا نے باول اس کی طرف بڑھ لیا وہ ٹھیک لگا کر بُجھ گیا۔

”میرے بہن تھم بھائی جاگ گئے۔“ ازمر بھی واٹل ہوا۔ ”ویسے بائی داوی کے سب لڑکی کو دیکھ کر جو اس نے ساتھ چھوڑ دیے تھے؟“ ازمر کی شرارت سے کہی بات نے اس کے مسکراتے اب کو سچنے پر مجبور کر دیا۔

”بُس اسی غلطی ہو گئی۔ سزا می تو بھکت لوں گا لیکن زیست مجھے.....“

”پریان نہ کرو اسے۔“ عروس بیگم نے گھر کا۔

”شاد زیان میں نے اوچہ بار سلائی نے ایک گیت تو گیر رکھی ہے اس دیک پر۔“ عروس بیگم اپنے لیے شاپنگ کرنی ہو تو کر لیتی۔“ عروس بیگم نے اطلاع دی۔

”ان شارت سو بُر جایا جا رہا ہے آپ کے لیے شہر کی حسین و جیل بُر کیا ہوں گی۔“ ازیم کی زبان میں پھر حکی ہوئی۔ وہ حیران ہوا۔

”بال تو اس میں برائی کیا ہے؟ اب ہر لڑکی کے گھر جا رہوں اڑاکر سے رنجیت کرنے سے تو لاکھر جے بہتر یہ ہے کہ بنہ لڑکی بھی دیکھ لے اور کسی کے چند بات بھی مجبور نہ ہوں۔“ عروس بیگم بہت بھی ہوئی طور پر لفڑی خاتون کیں۔

”میں سب سے بات کر لوں پھر آپ کو اطلاع دیتی ہوں لیکن بھائی آخر فیصلہ نیزی کا ہو گا۔ ہم پہلے ہی اس کے مجرم ہیں مزید اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ کر کے اسے دکھنیں دے سکتے۔“ فردوں نے لگی پیٹیں رکھی۔

”کھلوم تم تھیک رہی ہو، مجھے اور اس کو بھی اسی مضمون کی آہ لگی ہے۔ شرمن میتھی بہوت چھپ لگی۔“ بدلہ فردہ میں فردوں نے خیاء اور حرم سے بات کی تو ان دونوں نے بھی فیصلہ نیزی پر چھوڑ دیا تھا۔

……………….

چھوپوں سے چھا خوب صورتِ ماحل، کھانوں کی اشتہانگیز خوشبو میں، کافنوں کو بھلاکی آر کشا رکھی میں تھی، اور گرد میں چہرے، ابرا آٹا آچل، کوئی بھی اپنی طرف متوجہ کرنے سے قاصر تھا۔ عروس بیگم نے اپنی قریب نے مواردی میں۔ اتنا نے اپنی کھلپوں یاک کو دو یا کھا تھا۔ لیکن ایڑکیاں رجک سے اسے دیکھ رہی تھیں، انگلتوکی خواتین مددگار مگر وہ رکی بیلوہائے سے زیادہ کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔

”بھائی کوئی پسند نہیں۔“ ازیم شرات سے کہتا قریب آیا، اس نے لفڑی میں سر بلایا۔

”کمال ہے پر سو بُر میرے لیے رچا گیا ہوتا تو میں ابھی سوالی بن کر آئی ہوں۔ اسکم تھارے بھائی اور میری بھی خواتین کے نزدیک اکالح اس کے بغور دیکھا۔

”تو بُر لوکس نے روکا ہے، مام، بُری خوش ہو جائیں گے ان کی محنت خاتی نہیں ہوئی۔“ اس نے بھی شوھی سے کہا۔

”یہیں واقعی... اپنی آفر ہے۔“ ازیم بائی تھیک کرتا خوش ہوا۔

"اوکے پھر میں چلا ائنے کام پے" ازیم نے حسینوں کی جھمرٹ کی طرف دوز لگائی وہ سکرائے بغیر مندر سکا۔

شاہ زیان کو اس سارے ماحول سے دشت سی ہو ری تھی، وہ درپر پرسکون گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ منظر ایک درسرے مظراست تبدیل ہو چکا تھا جائے تمباقہ تھی بڑی بڑی آنسو دوں سے بھی چاہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ تینی دوں سے لاش عورتی کو شکش کر رہا تھا اس بیوی سے بچھا چھڑانے کی مگر تاکام رہا تھا۔ اسے سوچتے ہی اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ماتحت پیسے پھوٹ پڑا تائی کی ناٹ دھیلی کرتے اس نے پائی کی تلاش میں نظریں رہی تھیں کہ اس کی نظریں نہیں ہوتیں رہی تھیں۔ اس کو انتظار کرتے دیکھ کر قرآن پستان کا کام سے چوما پھر آنکھوں سے لگا کر جزاداں میں لپیٹ دیا۔

"بیوی شاہ زیان" عمامہ اسے ڈھونڈنے تھی جل آئی تھی۔ اسے بلداری ہوئی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھ گئے؟" وہ بھی قریب بیٹھ گئی۔ کھانا سرو ہو چکا تھا، اس کھانا تجوہ کر رہے تھے۔

"تم کھانا نہیں کھاریں؟" اس نے بچھا چھڑانا چاہا۔ "کھالوں کی..... اگر تھاںی لی ہے تو کیوں نہ تم سے تھوڑی باتیں کر لوں۔" وہ لگات کا اظہار کرنی تھت وہ برگردانی تھی۔

"یوتو، ان دوسالوں میں، میں نے تمہیں کتنا سیکا خبر ہوئی کہ تم اچانک پڑھنے کے لیے حلے جاؤ کے تو پہلے ہی پسندیدگی کا اظہار کر دیتی۔" عمامہ کا اظہار پشاہ زیان نے اسے دیکھا، ملا شیر و تمام کرزنی میں سین تھی۔ اس سے محبت کا اظہار کر رہی تھی مگر عمامہ کے پھرے پاک اور چہرہ آگیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اولاد۔

"کیا ہوا؟" عمامہ جیران ہوئی۔ اس نے جسے کچھ سنا نہیں دہ تیزی سے آگے بڑھ گیا، براستے میں عوسمی گیمنیل نہیں۔

"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں کہاں تھے؟ آؤ تھیں سرفراز سے ملوانا ہے۔ ان کی بیٹی....." عروس نیکم اس کا باٹھ قعام کر لے جانے لگیں۔ شاہ زیان نے درسرے ہاتھ سے ان کا باٹھ قعام کر لیں تھیں تاگے بڑھنے سے روکا۔

"نام پلیز مجھ کی سے نہیں ملتا..... میری طبیعت تھیک نہیں ہے میں کھر جا بھوں۔" وہ بیند از نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہوا طبیعت کو؟" عروس نیکم نے فکر مندی سے پوچھا۔

"بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ پلیز آپ ڈیکو انفارم کا بیوی دے رہے ہیں، مگر جائیں اور اپنی بیوی کو محبت سے

پناہیں۔ اس کا الجھ بخت ہوا۔

”تمہاں نہیں کروگی؟“ ارم نے دوپک انداز اختیار کیا۔

گرگوں جات دیکھ کر سیم کر پشان ہو جاتا..... دیوار پر سے اب مخفی مخفی سکیوں کی آواز اس کے کرب کو بڑھانی پڑ رہیں۔ ”زین کا الجھ قطعی تھا۔“ کچھ رخشم اپنول کے دیے ہوتے ہیں ان میں آپ کا مجی شمار ہے۔ میں نے سب کو معاف کر دیا مگر بھوپالی نہیں ہوں۔ اگر بھوپال کراپ کی بات مان بھی لوں تو بھی شرمن طلب نہیں کر سکتی۔ مجھے شادی کی خواہیں نہیں ہے تاہم سے نہیں کروں۔ میں بس انتظار کر رہی ہوں۔ ارم کو حکیمت وہ مکرانی، بہت پروردہ مسکراہٹ تھی۔

”کس کا انتظار؟“

”لپیٹ مجھ کا۔“ اس نے رخ پھیر کر آسیں کی طرف دیکھنا

شروع کر دیا، اس کے انداز میں کوچک بھی نہیں تھی۔ ارم کو انتظار بے معنی لگا، وہ پلٹ گیا ہر بیتی کھلائے سان تلتے تھی دیر پیٹھی رہی۔

پرندے اپنے ائے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ سری چیزوں پر قدموں میں آہٹ ہوئی اس نے گرد موڑ کر دیکھا وہ شرمن ہی۔

”زینی میں تم سے ہاتھ جوڑ کر اپنے شہر کی بھیگ باقاعدے ہوں، بلیز میں اگر اب جانے سے بجا لو۔“ شرمن رو رہی تھی، اس نے بھی ساس لے کر شرمن کے ہاتھ کھول دیے۔

”میں نے ارم کو انکار کر دیا ہے تم پر فکر ہو۔“ میں کسی تھیارا گھر نہیں توڑوں گی۔ شرمن بے لفڑی سے اسے کھربہی تھی۔ وہ اس کے ہیروں پر گرنی۔

”مجھے معاف کرو، میں نے بہت طلب کیا تھا۔“

”بوجزر گایا سے بھلا دو، تی زندگی شروع کرو۔“ ارم کی پسند میں ڈھل جاؤ زندگی آسودہ ہو جائے گی۔“ وہ دیر پیٹھی کیلی کی

طرح اس کو مشورہ دے رہی تھی۔ شرمن تیتی دیر معافی خلافی کر کے لوٹ گئی۔ مغرب کی اذان ہوتی تھی، وہ دوسروں کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی۔

.....

دیوار پر سادھے شاہ زین نے اذیت کے عالم میں اپنے بال میوں میں جکڑ لیے۔ اس نے ارم اور شرمن دوں کی گفتگوں کی تھی۔ اسے یہ لڑکی بہت عقیلی تھی، میم کے اصرار پر وہ دیوار آؤنے کی بہت نہیں کر پایا تھا، پارواں والے روز

بھی جلدی آگیا تھا جس کی وجہ سے میم ادا نہ کر سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی، آج آتا تو اس کے قدم سے ساختہ چوت کی

طرف بڑھے تھے، نامہ مگر میں نہیں تھیں، صیم اس کی تواضع ”چھ ماہ پہلے اس کے شہر کا ایتر کریش میں انتقال ہو گیا۔

تحا۔ ”شاہ زیان کی آواز میسی ہوئی۔ ”شاہ

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شاہ زیان..... میں ایک بیوہ کو اپنی بہو بناؤں گی، کوئی لاڑیاں ختم ہوئی ہیں کیا۔“ عروس نے تم وجبہہ اور قابل بیٹے کے متنه سے ایک بیوہ لڑکی کے بارے میں سن کر چراخ پا ہوئیں، واصف بھی حیران تھے۔ اڑیں اور اتا چڑی ہے ساری شوٹی شاہزادیان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر جووا ہوئی تھی۔

”مام بیوہ ہونے میں اس کی کیا غلطی ہے؟“ اس نے کہا۔ ”ہماری کیا غلطی ہے کہ ہماری بیوہ بنے۔“ عروس نے بتکر خفا ہوئیں۔ ”اس لڑکی کے انتخاب کی وجہ؟“ واصف اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ ذہون درپیتے تھے۔ ازیز مرکی نمائی میں کمی بات پر اتنی کچھ چاقی نظر آ رہی تھی۔ جب سے تائماں کے گھر سے لوٹا تھا وہ بہت بلاد پال کھو کھی نظر آ رہا تھا۔

”زندگی میں بعض اوقات اس سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں جس کا احساس ہیں اس وقت نہیں ہوتا۔ مجھ سے بھی ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی۔“ شاہزادیان کے سنجیدہ پر عروس نے تم اور واصف نے ملکے، ان کا قابل اور عمل بخوبی خداوند نے منے غلطی کا اعتراف کر دیا تھا۔ اس کی غلطی سے اس لڑکی کا ایسا حلقت تھا۔ دلوں اگھے۔

”تم دلوں اپنے کروں میں جاؤ۔“ عروس نے تم نے دلوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ جانے والے کیا اکشاف کرنے جا رہا تھا اور چھپوں کیا اپنے پڑتائے۔ دلوں اٹھنے کے بعد، شاہزادیان نے ہاتھ انٹا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”مام جب آپ اور ڈینی چھپوں کو ہر بار ازیزی مثال دیتے ہیں تو زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا اعتراف بھی میں ان کے سامنے کرتا جاہتا ہوں۔“ اس کے سنجیدہ انداز پر سب حیران تھے۔ اسی تھک کی نے اسے اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔

”اس نے زندگی کی زندگی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے تو ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس بچی کی افیت اور تکلیف کو موضعی کو تو زمانے کو بھول جاؤ گی۔“ واصف نے کچھ ملکا۔

”یام ہم سب کو بھائی پر فخر کرنا چاہیے۔ انہوں نے اک بھترن فیصلہ کیا ہے؟“ ازیز مرکی سے ہمروں کو سمجھانے لگا۔ اٹا شاہ زیان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

”روکوں رہی ہو؟“ اس نے اس کا نسپ پوچھے۔

”مجھے زینتی بھابی کی تکلیفوں کو محسوس کر کے رہتا آ رہا ہے۔“ اچھائی کی تو لوگ مٹا لیں دیتے ہیں۔ شاہ زینان نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے اس سے زیادہ تم نے اور واصف نے اس نصیلے کا ساتھ دے کر کمال کیا ہے۔ ”نا نہ نے عروضہ تکمکہ کرو لیا۔ دیے تھے۔

”بس آبادہ ماں بنن گر سوچتی ہوں تو شاہ زینان کے ساتھ زیادی لگتی ہے لیکن اس کے سکون کا سوچتی ہوں تو اوزینی کے دکھ کا بھی احساس ہوتا ہے“ عروضہ تکمکہ کہا۔

”پھوپو جلدی ٹھیں ماں، مجھے بھابی کو دیکھنے کا بہت انتیاق ہے۔“ اتنا بے صبری ہو رہی تھی۔

”یوں بغیر بتائے جانا کچھ مناسب نہیں لگتا۔ آپ کسی بھانے سے ہمار کائنے کی اطلاع کر دیں۔“ عروضہ تکمکہ نے راہ دکھانی تو نامہ نہ تائید کی۔

فردوں کو کالا کر کے بٹھل کر دیا۔ انہوں نے کھلے دل سے ائمہ کی عودت دی تھی۔ عروضہ تکمکہ مطمئن ہوئیں۔

”تو یہ وجہی اس دن طبیعت بکرنے کی؟“ سیمہ شاہ زینان کے ساتھ چھپتے تھا۔ حقیقت جان کروہ بھی حیران تھا۔

”چھے سوچی کیا تھی؟“ سیمہ نے گھر کا۔

”کچھ قتلی اور اس سے زیادہ اسے ارم کے ناخ سے بھانے کی کوشش گئی مجھے کیا بخوبی کہ خون کے رشتے ہی من پھیر کر اسے تختدار پڑا کا دیں گے۔“ شاہ زینان بھر بانداھ احساس سے چور تھا۔

”اگر انکار ہو گیا تو؟“ سیمہ نے دھرم رخ دکھایا۔ چند ثانیے وہ خاموش رہا۔ یوں میسے بولنے کو کچھ رکھ کر کھڑا ہوا۔

کندھے اپنے کار منڈپ پر اپنے گھر کر کھڑا ہوا۔

”تو اپنی غلطی کی دعا ساری عمجھتوں گا۔“ سمجھ لاؤں گا کہ یہ بے کسوں کی کی آہ کا نتیجہ ہے۔“ سیمہ دل سے سب کچھ خیک ہونے کی دعا کر رہا تھا۔

فردوں اور نامہ میں پڑوں کے علاوہ اچھی دوستی بھی تھی۔ نامہ کے ساتھ نہیں سی عروضہ تکمکہ اور ان کی پیاری ہی میں کو کمر فردوں نے خوشی کا اعلیٰ باری کیا۔ چنانکہ بالوں کے بعد عروضہ تکمکہ نئے کی دھو رکھ گئیں اگر آرکی۔

”ہم آپ کی بیٹی زینی کا رشتہ مانگنے کے ہیں۔ یہ میرے جذبے کی تصویر ہے، حال ہی میں آس کسغورہ سے بولیں گی ذریقے اگر لڑاٹا ہے۔ اپنارہنس ہے، وہ ساتھی ہوئی آیا ہے اگر آپ کے گھر کے درملا چاہیں تو بھی بلوں کی ہوں۔ وہ نامہ آپ کے کمر

”بھابی اور ارم بہت زور دے رہے ہیں زینتی۔“ فردوں نے ایک بار پھر اس مسئلے کا اٹھایا۔

”ممہاں میں شرمن کو زینان وے پھی ہوں، آپ اس بات کو بھیں ختم کرویں۔“ زینتی نے ان کے پیور باتے ہوئے کہا۔

”ممہاں شرمن کے بھلے کے بھلے کے سوچ رہی ہو جس نے تمہیں کبھی انسان نہیں سمجھا۔“ فردوں کو حیرت ہوئی۔

”نہ بھجے۔“ میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتی کیونکہ اس بات کے لیے میر افسی اجازت نہیں دیتا۔

”اسکی خواہش ہے۔“ فردوں نے کہا۔

”جب خواہش ٹھکل پدل لے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، اگر ارم بات قدم ریتے تو میرے نصیب میں شاید اندر ہرے تھا آتے، جب انہوں نے شرمن کو پانیا ایسا اپنیں میری پواؤں گی اور اب میں دببارہ ان کی خواہش بننے کو تیار نہیں، جو شخص مجھے قابل اعتبار نہ سمجھے اس پر بھروسہ کیسے کروں؟“ فردوں افسرہ ہوئیں۔

”لیکن ساری زندگی یوں تو نہیں گز رے گی۔“ میں اور تمہارے بیباک تک ساتھ دیں گے۔ علیہ کے مزاج سے والق ہو گم۔“ فردوں کو گلکر ہوئی۔

”اللہ آپ دنوں کو حیات رکے، کس کی زندگی کتنی ہے یہ تو کاہت تقدیر ہی جانتا ہے۔ ہوکلتا ہے آپ لوگوں سے پہلے میں ہر چاہوں۔“ وہ میلت سے مکاری تو فردوں دل میں۔

”لیکی پر غافلیں لکھاتی ہو زینتی۔“ اس چھوٹی سی عمر میں تو نے دیکھا ہی کیا ہے سوائے گم کے۔ مجھے اللہ آپ بھروسہ ہے وہ جلد تیرے نصیب کی سیاہی دور کر دے گا۔“

فردوں پر امدیحیں۔

عروضہ تکمکہ نا اور شاہ زینان نامہ کے گھر آئے تھے۔ عروضہ تکمکہ نامہ کو عتماد میں لے کر زینتی کے گھر پہنچنے کی بات کی تھی۔ نامہ بھی بہت حیران ہوئی تھیں۔

”چھے اس بھی کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے، نامہ مکراہا بھول گئی ہے۔ سالوں سے پڑوں میں ہوں۔ ان کی

ہے..... ہم ساتھ نہیں لے کر آئے کہ شاید آپ لوگ پسند نہ کریں۔ ”عروہ سیکم نے شاہ زین کی تصویر فردوس کو تھامی۔ فردوس نے عروہ سیکم کے طریقے سے بات کرنے کے انداز سے متاثر ہو کر تصویر قیام می۔ انہوں نے ایک نظر تصویر پڑائی۔ آپ شاید زین کے ساتھ.....“فردوس کی شش و نیجیں تھیں۔ انہوں نے نامہ کو دیکھا۔

”ہمیں نامہ پانے پنچی کے ساتھ ہونے والے خادم کے بارے میں بتا دیا ہے آپ بے فکر ہیں۔“ عروہ سیکم کے جواب پر فردوس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ”مماک کر کرے میں آجائو۔ مہمان آئے ہیں۔“ علیہ نے اس کی حیران انظر ووں کا جواب دیا۔

”وقت ہے بھائی۔“ علیہ نے جل کے گہا اور سیرھیاں اتر گئی۔ وہ علیہ کے انداز اور بالوں سے حیران ہوئی قرآن شریف سرناش رنگا کر انہوں کھڑی ہوئی۔ پکھد دی رہیں ہی شاور کے کنکلی ہی اس لیے ہے بال کیلے تھے، دو پانچ سالی سے سر پلیتی وہ اندر واخل ہوئی، اس کا خیال تھا فردوس کی کوئی ملنے والی ہوں گی۔

”السلام علیکم!“ زم گنتلتی آواز پر شاہ زین کی نظریں سینڈز کے ہزاروں حصے میں اٹھیں۔ ساری حیات میں جاگ اُنی ہیں۔ زین اتنے ابھی جھرے اور پھر مردوں کو بھی لیے گوں کر دیا۔

علیہ پہلے ہی عروہ سیکم اور اناتا کے حقیقی ملبوسات اور انداز سے مروع ہوئے۔ مگن گن لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ زین کے لیے رشتے کا سن کامن کر دیا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کوئی پچاس سالہ سالہ کو ناوارہ بنی میم برکی بدھا ہوگا۔

دروازے پر دستک ہوئی..... احرم نے دروازہ گھولتا تھا۔ ”میں شاہ زین۔“ اس نے پنا تعارف کر لیا تو علیہ تو چھے بے ہوش ہونے لگی۔ اونچا مبارے حد پنڈم لڑ کے کو دیکھ کر اسٹیلے جلن محسوس ہوئی۔

”انہا میں۔“ احرم، سیم اور شاہ زین کو اندر لے آیا جہاں سب پیشے تھے۔ ”السلام علیکم!“

”پیمبر ایشا شاہ زین ہے۔“ عروہ سیکم کے تعارف کرنے پر فردوس اور پیاہ، کوٹوت کراشد کے فیصلے پر پیا آیا۔ کیسا چکلتا ہیرا اللہ نے ان کی بیٹی کے لیے بھیجا تھا۔ احرم بیٹے ہی لوازمات کے کاراچا تھا، علیہ کو جلدی مزراکانے کا حکم دے گروہ بھی کرے میں آ گیا۔

”یہ.....“ فردوس کو بھی ان کی جلد بازی پر حیرت ہوئی۔ ”ہماری طرف سے رشت پکا ہے۔ آپ لوگ اتنی ہیں، ہم آپ لوگوں کا فیصلہ بھی جانتا چاہتے ہیں۔“ عروہ سیکم کا سارا

تر در زمینی کو دیکھ کر ختم ہو گیا تھا۔ فردوس، ضیاء اور احمد کی طرف دیکھنے لیں۔ ضیاء اٹھ کر زینی کے پاس آئے اور اس کے سرپرہ پاٹھ کر دیا۔

”بین ج پچھیں تو ہمیں شاہ زینی بہت پسند آیا ہے مگر جانے انجائے میں اپنی بیگی کے ساتھ ہم بہت زیادی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو فیصلہ ہو گا وہ زینی ہی کرے گی۔“ ضیاء کے رندھے لمحے اور کپکاتے ہاتھوں نے زینی کی آنکھوں کے گوشے گیئے کروئے، وہ اپنے پیاروں کے چہوں کو دیکھنے پر بھیر بھی ان کے چہوں پر لکھا حرف حرف پڑھ کر۔

”یوں بینا تمہاری کیا مرضی ہے؟“ نامہ نے ہولے سے اس کا ہاتھ دیا، مگرے میں خاموشی تھی۔ شاہ زینی کے دل کی درجن میں قید ہونے لگی تھی۔ چھوٹوں کی سرراہٹ نے اسے بے چین کر دیا۔ اگر اس کے چھوٹوں سے انکار نہ چھاتا تو وہ کمی خود کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی سائنس رکنی اس کے لاب پر۔

”اگر اس لوگوں کو احترام نہ ہو تو میں کچھ دیا کیلئے میں زینی سے بات گرتا ہاتھا ہوں۔“ شاہ زینی کے غیر متوقع سوال نے ایک لمحے کے لیے سب کو سوچ میں ڈال دیا۔ زینی انگلیاں مردڑنے لگی۔

”یوں اچھی بات ہوگی..... زندگی ان دونوں کی ہے تو قسط بھی دونوں کو ہی کرتا چاہے۔“ احمد نے اسی کے بولنے سے پہلے منظوری بدی۔

”علیٰ، زینی اور شاہ زینی کو اپر لے جاؤ۔“ علیٰ نے پاڈل خواستہ حکم کی میل کی۔ شاہ زینی پہلے ہی کرے سے کل کیا تھا۔ زینی کے قدموں سے چیز بار بار لٹ رہی تھی۔ علیٰ اسے اوپر چھوڑ کر چل گئی۔ زینی دیوار سے الگ کے کھڑی ہو گئی۔ شاہ زینی نے اس کی انگلیوں کی حرکت سے اندازہ لگایا کہ وہ پریشان ہے۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں جانے کیے شاہ زینی نے اسی فرمائش کر دی تھی۔ شاید وہ آخری بازی پوری جان لگا کر کھلینا چاہتا تھا۔

”بیٹھ جائیں پیزیر۔“ شاہ زینی نے کرسی کی کی طرف اشارہ کیا۔

”اپ بیٹھ جائیں پیزیر۔“ شاہ زینی نے کرسی کی کی طرف میں چھوٹی بڑی لیں ہوئے اسہرا اگرچہ پچھوٹ رہی تھیں۔ جنہیں وہ بار بار دوچھے کے اندر کر رہی تھی۔

بھتیلی کوئی نے چونک کر دیکھا۔
 ”کاش نادل کا فٹک ہیرد مجھ سے لگ راجاے۔“ اس کے
 لمحے کی بازگشت سنائی دی تھی۔ وہ بے حد چونک کر شاہ زیان کو
 دیکھنے لگی۔

”آپ کھڑے ہو جائیں پلیز۔“ اسے عجیب سالاگ۔
 ”آپ جب تک افراد میں کریں گی میں نہیں اٹھوں گا۔“
 اس نے ضریب لمحے میں کہا۔

”خاتے سے پچھوڑنے لگ رہے ہیں یا کام گونک حرکت
 اچھی نہیں لگ رہی۔“ اس نے خلی دکھائی۔

”ول تو پچھے ہے جی۔“ اس نے اتنی مصوبت سے کہا کہ
 زینی کے بلوں پر بے ساختہ مگراہٹ پھیل گئی۔ حے اس نے
 فوراً چھپاں گروہ دیکھ کھا تھا۔

”پلیز... آپ اڑے ہوں پلیز۔“

”آپ بار کریں لیتاں؟“ وہ اٹھنے سے پہلے افراد راجاہ رہا
 تھا۔ وہ عجیب افسن میں سُن لی تھی۔

.....

”میرے تو ہوش اڑ گئے شاہ زیان کو دیکھ کر، کیسا ہیرے
 جیسا نسب پایا ہے نجوس نے۔“ علیہ نے شرمن کو فون
 کر کہا۔

”آن فنا نارشٹ کا ہو گیا دنوں طرف سے، سلے کیسے ہر
 رشتے پر میں نی تا کے جا رہی تھی۔“ پہنڈ بندہ دیکھ کر ہاں
 کر دی۔ ساسک بھی پچاس ہزار ہاتھ پر رکھ کر جی لگیں۔“
 علیہ کو حل ہو رہی تھی۔

”اچھا ہی ہوا آپی۔“ کم از کم اس نجوس کی شادی ہو گی تو
 اس کی آس بھی ختم ہو جائے گی ورنہ ہر گھر تی مجھے دھرم کا ہی کا
 ہوا قائم ہے۔“ شرمن نے سکون کا سانس لیا، زینی کے لیے
 نفرت برقرار تھی۔ معافی ملائی تو ایک ڈرما تھا۔ اسے راستے
 سے ہٹانے کے لیے۔

”ہاں کہتی تو من غمیک ہو، مگر اللہ نے بھی کیا چون کے بندہ
 بیسجا ہے۔“ تم سے میرا تو صدمہ کم نہیں ہو رہا۔ جانے کتنی
 راتوں تک نینڈیں اے کی خسے۔“

.....

”کیا بہت پہنڈ ہے۔“ علیہ کے بار بار صیدہ پڑھنے پر
 وہ حیران ہوئی، پچاس ہزار بھی هضم نہیں ہو رہے تھے۔
 ”لوایا اوسا۔“ اور سے ابھی آکھ فوراً سے اگری لے کر
 لوٹا ہے، باپ کا بڑاں ہے لیکن اپنی فیکٹری بھی تحریر کرو رہا ہے۔
 کئی بٹھکے ہیں، بینک بیٹھنے والے۔“

وہ لوگ چلے گئے تھے، سب نے زینی کے فیصلے کو بے حد
 سر الہام خیاء اور فردوس کے چہرے پر پھیلا کیوں، اہمگی کی چہرے
 پر خویں سب ظاہر کر دے تھے کہ وہ اس کے فیصلے سے کتنا خوش
 تھے۔ زینی کو حیرت تھی جانے کیوں، کیسے وہ فیصلہ کر گئی

ہی رشتوں کی ڈسی ہوئی ہے۔“ واصف نے عروسہ سبکو

ہیں..... اوقیٰ؟ ” شرمن کی بھی رال پہنچنے لگی۔
” تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔“ علیپہ برمان آئی۔

” ارسے نہیں اللہ دین کا چماغ کہاں سے مل گیا اس
مخصوص کو۔“ ” کہہ تو آپ تھیک رہے ہیں، اللہ ہمیں توفیق دے کر ہم
اس پنجی کے رخم پر مرہم رکھ کیں اس کی اذخون کامداوا کر سکیں۔“

” پانچیں علیپہ جلی پیشی تھی روپوں میں گنگوہوہی تھی
تو ارم کمرے میں داخل ہوا شرمن فون پر گلی ہوئی تھی۔

” ویسے میں تمہاری اس اعلاظتی پر حیران ہوں۔“ انہوں
” سس بات پر ہمی آرہی ہے۔“ ارم نے جوتے اتارتے
ہوئے چڑ کر پوچھا۔

” زیان نے زینی سے زادی کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے برا لگا
کتنا ناکرے میں رہتے ہیں۔“ اس نے چڑایا۔

” مطلب؟“ ارم کے ماتھے پنل پڑ گئے۔
” کروڑ پتی آپ کس قدر ڈگری ہولند سے آپ کی عزیز زینی
شادی کر رہی ہے۔“ شرمن کا لہجہ سخراہ ہوا۔ ارم جوتے سے
اسدیکھارا۔

” یونی تو آپ کو نہیں بار بار وحشکار رہی تھی۔ ہوتی آپ
کے پاس روات تدوینتی یہی شادی کے لیے ہائی بھرپوری۔“

” شرمن نہ دی۔ ارم کمرے سے باہر چلا گیا۔ شرمن کو بہت
مز آیا تھا۔



” میں آپ کو تینیں سختی و اصف وہ کتنی مقصود اور کرم عمر
بھی ہے، یقین تینیں آرہاتھا سے دلکھ کر کہ وہ اتنی اذانت حصل
چلی ہے۔“ عروسہ سبکم زینی سے مل کر بہت خوش تھیں، جس کا
اطہار بھی ان کے لفظوں سے ہو رہا تھا، اتنا نے زینی کی تصویر
واصف کو دکھائی۔

” مجھے بھی دکھاؤ۔“ ارم نے فون چھینا۔

” ماشاء اللہ۔“ کہہ کر واصف نے شاہ زیان کو دیکھا۔ اس کا
چہرہ کھلا ہوا تھا۔ انہیں بہت سکون ملا۔

” بھائی کی چواؤں کی دادوئی چاہیے۔“ ارم نے چھیڑا۔
” بھائی تو بڑے چھپے راتم میں نہیں بعد میں بتاؤں گی۔“

اٹا نے مسکراتے ہوئے ارم سے کہا۔ شاہ زیان سکراہت
چھپا گیا۔ یقیناً وہ چھپتے والی بات باتی۔ تب سے اس نے

کان کھالیے تھے کہتا۔ تینیں آپ نے ایسا کیا کہا کہ زینی بھابی
نے ہاں کر دی۔

” اب جس طرح دل بڑا کر کے ہبہ کو گھر لارہی ہواں
کے آنے کے بعد رواہی ساس نہ جانا۔“ وہ پنجی سپلے

نہیں ہوا۔

” کیوں نہیں ہو؟ جب تمہیں شادی کی خواہش نہیں تھی تو

پھر کیوں کر دی ہو۔“ بیٹھی رو ساری زندگی بیہاں۔“ ارم

چھکھاڑا۔

” تاکہ آپ یہی لوگ مجھے عک کرنے آتے رہیں۔“

برسون بعد زینی نے اسے منڈوڑ جواب دیا تھا۔

” بڑی زیان پل رہی ہے، بہت اچل رہی ہو، تمہیں کیا

گردہ ہے میرا مرتبا ہے؟ ایک یوہ سے شادی کر دہا ہے کوئی

پاکل ہی ہوگا جو شنید پہنچ پس کرے گا۔“ ارم کے الفاظ

آگ تھے جو وہ زینی کے جو دپاٹیں رہاتھا۔

کیا۔ ”اگر تمہیں برا لگاؤ تو کان پکڑ کر معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے کان پکڑ لیے وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”میری خواہش ہے جب میں مایوس کی دل بن گوں تو میرا ہیر و سب سے محجہ کے مجھ سے ملنے آئے۔“ اس کی اپنی آواز کی بازوں کو تھی۔ آنسو بھی حیرت سے پکلوں پر جم گئے تھے۔

”خوشنی کے موقع پر یا نسکیوں؟“ شہادت کی انگلی اٹھا کر بھیکی پکلوں کی طرف اشارہ کیا۔ چاند کی چاندنی، مویتیا کی خوبصورتی، رات کی رانی کا ہر ماحول پر قسوں ہو چکا تھا۔

”اب تم میرے نام سے جنے چاری ہو، تمہیں ان آنسوؤں سے دوستی چھوڑنا پڑے گی۔“ بھولا بھمنا کا قدرہ پکلوں پر تھر تھرانے لگا تھا۔ شاہ زیان نے شہادت کی انگلی سے اپنی پوری میں سیست لیا تھا۔ وہ کسی پر سوں لمحے میں گھر بھی تھی۔ فی خالیے وہ اس بوندوں کی تھار پا پھر اس نے مٹی بند کر لی تھی۔ ایک دم سے مٹی کھول کر اس نے اپنی ہتھیلی پر پھونک ماری۔

”میری ساری خوشیاں تمہاری۔“ وہ لڑکھڑا کر دیوار سے لگ گئی تھی۔ شاہ زیان نے اس کے چیران کن تاثرات کو پیغور دیکھا۔

”سب سے تمہاری اتنی تعریف کی کہ مجھ سے رہا نہیں گی۔ سو جا میں بھی تو دیکھ لوں۔ میرے نام کی اہمیت اور ہندی میں تم کیسی لگتی ہو۔“ اس نے بہت جلد فاسدے پاٹ لیے تھے زین کے ہندنی سے رچے ہاتھوں کا اپنے ہاتھوں میں تھامے ہندی کا جائزہ لے رہا تھا۔ حواس بحال کرتے اس نے اپنا ہاتھ کھینچنا گکر اس کی گرفت مضبوط کی۔

”چھڑا کوگی مجھ سے ہاتھ؟“ مسکراہا مہکتا سوال کیا۔ زینی کی پلکیں جک گئیں۔

”کوئی آجائے گا پلیز۔“ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ ”بدنام ہونے سے ڈر لگتا ہے۔“ اس نے چھیرا اگر نادانستی میں اس کے درد کے تاروں کو چھیر بیٹھا۔

”مجھے اب کی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔“ آپ عادی نہیں ہوں گے۔ اس کے نوٹے لمحے پر شاہ زیان نے اپنے ہاتھوں میں تھامے اس کے ہاتھوں پاٹا گئے۔

”تمہارے لیے تو سویں پر بھی چڑھنے کو تیرا ہوں۔“ وہ اس کے انداز پر تھا جیران ہوئی کم تھا۔

”آپ اتنی گری ہوئی ہاتھ میں کر سکتے ہیں مجھ کا پسے ہی۔ تو قع تھی۔ آپ جا سکتے ہیں۔“ زینی کو مشدید غصہ آیا لیکن اس نے ضبط و عمل کا داہن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

”میں تمہیں خوش نہیں رہنے والے ہوں گا۔“ ادم و مکی دنچا چلا گیا۔ اس نے بہت جلد اپنا اصل چہرہ دکھایا تھا۔

.....
آج زینی کی مایوس تھی۔ صبح سے گھر میں بچل تھی۔ سرایوں نے بھی مایوس میں شرکت کی تھی۔ فردوس کے ہاں مایوس میں لڑکائیں آتا تھا۔ دیر تک شور و پنگا مہم ہوتا رہا اور اب شاید سب سوئے جا سکے تھے۔ مایوس کا سوت پینے مویتیا کے زیر پر میں وہ اتنی پیاری لگی رہتی تھی کہ اس پرے ظفریں ہیث رہتی تھی۔ وہ کھلے آسان تسلی آگئی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا یا جو ہونے جا رہا تھا زینی کو بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔ جہاں سب کے چہروں پر خوشی تھی۔ وہیں اس کے دل میں ذریعی تھا کہ اگر یہ شادی بھی نہ چل سکی تو سب کتنے دلکی ہوں گے۔ اس نے اتنے سیاہ دن اور تاریں دیتھیں کہ اسے رسی بھی ساتھ لے گئی تھی۔ جہاں اپنوں کی دعا ساتھ بھی اوہیں نہیں، ارم اور علیہ کی بدعا کا بھی سامنا تھا۔ انجانہ لوگ، انجانہ گمرا جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا، وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ اسے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔ ہندنی سے رچے ہاتھوں کو تکتے اس کے آنسو سببے لگے تھے۔ اس کی نے اس کے سر پر ہاتھ کھا ہو وہ چونک کرمزی تو آنسو مار کر ہو گئے تھے۔ گھر اس کے پیچے کوئی نہیں تھا۔ اس نے ساید پوزیشن میں چڑھے کیا۔ کسی کو فربہ دیکھ کر بڑی طرح ڈر گئی، اس کی جمع نہ لکھتے لی گئی۔ شاہ زیان نے اس کے ہاتھ پاٹی کر کہا اور اس کا گلہ گھونٹ دیا تھا۔

”میں ہوں شاہ زیان۔“ کان کے پاس سرگوشی ہوئی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ ”سری قاریتی۔“ وہ منہ پر ہاتھ رکھنے کی جسارت پر مخذلت کر رہا تھا۔

”آپ.....!“ زینی کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ وہ ہو لے سے مکریا۔ ”ہاں میں۔“

”یکاں کیسے؟“ بھیکی بھیکی پکلوں سے پوچھتی وہ اتنی مصمم گردی گئی کہ وہ کیسے لمحے اس پرے ظفریں نہیں ہٹا سکا۔ ”یہاں سے۔“ سر کھجاتے اس نے دیوار کی طرف اشارہ

زندگی سے خوش نہیں کوئاں پچھکا تو شاه زیان اس کی زندگی میں آج کے بعد سے تمہیں کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں زندگی کے ہر مقام پر تمہارے ساتھ رہوں گا۔

تمہیں بھی تھا نہیں چھوڑوں گا، بڑستی۔ ”زینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اس کے لبچ کی جھاٹی اس کی آنکھوں سے عیال تھی۔ وہ اپنا لامبھ پھر انداختی تھی اس کی آمد پر غصہ کرتا تھا، تھی لیکن کیوں وہ خود کو اس کے سامنے بے بس خوں کر تھی۔ بھلے اس کی عزیادتیں تھیں مگر وہ سالوں تک اس نے جس عالم میں زندگی کو محسوں کی تھا اسے لگا تھا وہ اندر سے مرغی تھے، کوئی احساس، کوئی خوش کن خیال بھولے سے اس کے پاس نہیں آتا تھا، میں خصی لخون کا پتی گرفت میں کرنا چاہتا تھا۔ جب سے وہ زندگی میں آیا تھا..... وہ محسوں کر رہی تھی کہ اس کے اندر کا طلبی تھا۔ پہلے لگا ہے، اسے خود میں زندگی کی حرارت محسوں ہونے لگی تھی، اس کے من میں بھی زیان آئے گئی تھی، جانے کوں تھا وہ جو پرانی زینی کو اس کے اندر بیدار کر رہا تھا۔

”اتی بے یقین کیوں؟“ اسے مسلسل اپنی طرف سنتے دیکھ کر سکریاں نے نظریں چاہیں۔

”اتی محبت..... اتنی دیواری گئی کیوں؟“ اس کے لبوں سے بے ساخت لگا۔

”تم پیرے دعویٰ کا حصہ،“ میری محیل ہو، مجھے نہیں لگتا تھا کہ میں پھر بھی دعاویں سے جوئیں نہ پایا تو کیا کرو کے بہت شرارتی اچھا تھا۔ اس کی یا یعنی، اس کا انداز اس لہڑی وہ اس ساری پسی جمرت ہی کر رہی تھی۔

”اتی حیرت سے نہ دیکھو کہیں میں تاب نہ لسا کتا تو کیسے اور کن لفظوں میں تم سے اپنی شدتوں کا اخبار کروں۔“ شاہ زینی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زینی کے لیے کیا کرے کہ وہ اپنی ساری آنکھیں بھول جائے، اپنے لیے کسی کا اتنا دلہانت پر زینی کے لیے نیا تھا۔ شاہ زیان نے اس کے ایک ایک دم جن یہی تھے اس کی محبت، دیواری گئی میں کہتی زینی نے جیسے نیا دب وصال رہا تھا۔

شاہ زیان نے صرف ازالے کے لیے یہ شادی نہیں کی تھی، اسے واقعی زینی سے محبت ہو گئی تھی اور یہ احساس کہ اس کی عطا لیج کافاً نہ اٹھا کر وہ اس کی بھلی پا بنا اس کو چھوڑ کر دیوار کے پیچے غائب ہو گیا تھا۔ زینی کی لمحے ساکت کھڑی رہی۔

”تھیں پر نظریں جانے وہ اس جادو کو کوچون رہی تھی۔

.....

ہزار و سووں کو دل میں لیے تھا جس کے بندوں میں بندھ کے وہ شاہ زیان کے کرے میں پیغمبیری تھی۔ جب اس نے اپنی اس کے لب تکڑا کر رہے تھے، یہ سو شہزادیاں کی

رفاقت کا اڑھنا۔ وہ جو بولنا بھول گئی شاہزادیان گھنٹوں اس سے پاتیں کرتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے نظر وہ اسے اچھلے ہوئی تو پار پار کر گھر سپا اخایتیا۔

ہمیون کے لیے وہ مثالی علاقہ جات گئے تھے زینی کوان

ذوقوں اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ اس کے سامنے رزم بھرنے لگے تھے۔ اس وقت وہ قدرت کے سینے مناظر میں کھو کر شاہزادیان سے آگے نکل گئی تھی دھنوا اس کے پیور لڑکڑائے تھے۔ نیچے خڑڑا کی کھالی تھی۔ خوف سے آکھیں بند ہوئی تھیں۔

”شاہ.....“ بھی اس نے پکارا تھا کہ اس کے وجود کے

گرد شاہزادیان کا صارعہ تھا جبکہ کامیابی طرف تھی جاتا تھا۔ ”حکمر شاہ کی جان۔“ اس کی پیشالی پر چھکتی بوندوں کو ٹھیل پسیتے ہو کلام ہوا۔

”وہ مجھے کامیابی میں کھالی میں گرجاؤں گی۔“ وہ بھی تک خوف سے کاپ رہتی تھی۔

”بیرے ہوتے ہوئے تو ایسا ممکن نہیں ذیست۔“ اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے گراتے ہوئے بازو کے گھیرے میں لے کر ٹھنڈا گا۔

”اگر میں گرجاتی تو؟“ جانے کیوں وہ پوچھنے شروع۔

”تو میں بھی جھلاگ گا رہتا۔“ ایک سینٹرال دیسی کے بغیر جواب دیا۔ گھر کی کھالی اور اس کا داعویٰ بزرگی رک کرایے دیکھنے کی جیسے یقین بن کر پارا ہوئے جیسے چوت پڑی تھی۔

”تم بھی بیری محبت پر نکل کر وہ میں برداشت نہیں کر پاں گا۔“ شاہزادیان نے اس کے وجود کے دردے اپنا تھوڑا تو زیادی چونک کراس کے بدلتے تاثرات کو دیکھنے کی۔ وہ شاید کچھ کرنے کی خالان چکا تھا۔

”زندہ رہا تو پھر میں گے۔ ورنہ میرا یقین کر لیتا۔“ وہ تیز قدموں سے کھالی کی طرف بڑھنے لگا۔ کمی ٹھانے وہ کچھ کھنکنے کی جب گھی تو اس کے پیچھے دوڑا دی۔

”شاہزادیان پلیز.....“ وہ ان سی کیا گے بڑھتا رہا۔

”پلیز شاہ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔“ زینی کو اس سے ایک دیوار گنجی کی ایمن نہیں گئی وہ اس کے سامنے آگئی۔

”مجھے یقین ہے پلیز لکی حوت نہ کریں۔“ اس کا آنے نکل آئے وہ جو کسی مہمان میں چلا تھا اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

”مجھے یقین ہے آپ کی محبت پر۔“ اسے بازوؤں سے لیکن ہو گیا تھا کہ ہر سر ایسے ہوتے ہیں لیکن عروضہ بیکم۔

جیسی ساس، انا جیسی نند پا کر اس کے خیالات بدلتے گے
ترب پنیر بندی ہی تھی، قبیلہ گاری ہی اور اس کا عمل اے اور فتح
مزاج بخارا تھا۔ ان دنوں وہ کسی سے سیدھے بات نہیں کرہا
تھا۔ سب ان کے لایے تھوڑوں کو بے حد سلاما ہے تھے۔
”ویسے بھائی بھائی کی چوآس آپ سے زیادہ اچھی ہے۔“

ازمیر نے بلا بچک کہا۔ سب کے لیے دنوں نے اپنی اپنی پسند
ھی تھا۔ زینی کی اتنے اچھے اور امیر گھرانے میں شادی پر ہر
کوئی جمل کا خشکار تھا۔ خصوصاً شاهزادیان کو دیکھ کر سب ہی کے
سینے پر ساپ لوٹنے لگے تھے۔ ان میں علمپرتوں فرموداں سے
برانکا گاہوں کو مکراتے ہوئے کھدمہ تھا۔
”اس بات کا تو میں بھی قال ہوں۔“ زینی کو خونگواریت کا

”بیمری پاری میں اہم ہی آپ کو بیست لگا، جانے جب یہ
احساس ہو۔“

کہاں جپا بھیجا تھا۔ شرمن نے بھر کر دیکھی۔
اس تاریک دور میں جس طرح اس کی ذات، ترجیحات کو
کچلا گا بھاواہی دوڑتے کاغذ روئی کھوئی تھی۔ خوب پھر وہ سامن
کی جیزیں رہی تھیں اب ایک چھوٹے پچھے کی طرح وہ اس
کے حوصلے کو بڑھا رہا تھا۔ اے پھر سے احساس دلار ہاتھ کو وہ
بھی گوشت پوشت کی اس جیتی جاتی لڑکی ہے۔ اس کے بھی
احساسات و جذبات میں پسند نہیں ہیں۔ اے بھی ازادی
اطلبہ کا حق حاصل ہے۔

”بھابی آپ مزید خوب صورت ہوئی ہیں۔“ مام پیچیں کتنی
گلوکر رہی ہے اسکن۔ ”انا نے بچوں کی طرح اس کے گال کو جھو
کر کہا۔ شاهزادیان کی شراحتی نظریں خود پر محبوں کر کے وہ
جیزیں پڑتی ہیں۔“ مام پسند نے دنوں کے طبقہ پرے کو دیکھا۔
”ہاں باشہ اللہ..... اللہ ہیش خوش رکھے۔“ عروسیت
نے دعا دیتے شاهزادیان کو دیکھا وہ بہت ترویج اور خوش لگ رہا
تھا۔ اتنا خوش اور اتنا سودہ انہوں نے اے بھی نہیں دیکھا تھا۔
”خوش ہوں؟“ عروسیت کے تھے تو چھا۔

”بہت زیادہ.....“ جھنپسٹس تو اللہ کر اس نے بھے اتنی اچھی
مام دی جنہوں نے بیٹے کی خوشی میں اپنی خوشی محسوس کی۔ ”شہ
زیان نے محبت و عقیدت سے عروسیت کے ہاتھ پھرم لیے، انا
اور امیر کی شرائطوں میں گھری زینی نے ماں بیٹے کی محبت کا گلی
منظارہ دریکھا۔“ مکاری

اس کی آنکھی طولی تو زینی کو بستر پسند پا کر اس نے مثالی
نظریوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ قبیلہ رخ جائے نماز بچائے وہ
تمارز پرستی نظر آئی۔ طولی بچے کے بعد دعا کو کوچھ اٹھائے تو
کافی دیرزیر یا دعا مانگی تھی۔ وہ تھی تھی اور اس کے پا کیزہ
جب سے زینی کو اشادی ہوئی تھی اہم کامتوں پر لوث رہا
تماز زینی نے ایک نہیں دوبارے مھر لایا تھا اور وہ اس دھنکار پ
سگ رہا تھا۔ اس نے شادی میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ دو
سے دلہانے شاهزادیان کو دیکھا، سیدھا ہوتے ہوئے وہ اس کی گود

میں سرکر کر لیت گیا۔ سفید دوپے کے ہالے میں اس کا چڑھ سائے تھا۔

”میں آری تھی۔“

”تم جب اللہ سے باتیں کرتی ہو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔۔۔ اس لیے قریب سے دیکھنے آ گیا۔“ وہ ہولے سے مکرانی۔

”کیا باتیں کرتی ہو؟“ اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہستیلی پانگی پھیرنے لگا۔

”بہت ساری، مجھے اللہ سے باتیں کرنے کی عادت ہو گئی ہے کیونکہ جب کوئی سیری بات مناپنے نہیں کرتا تھا جس کی اللہ مجھے نہ تھا۔“ اس کے چہرے پر میتے توں کا کرب گیا۔ لس اسی لئے شاہ زین خود کو بے پاس چھوٹیں کرتا تھا۔ اس کا بس نہیں چھا تھا کہ وہ کسے اس کا کر بنناک اپنی بھلاوے کر چاہئے کے باوجود وہ کسے اس کے چہرے پہنچتا تھا۔

”بیوقت اللہ کو جعل کرنے کی وجہ؟“

”نہیں گھوکے تو بہت کے اپنے رب سے۔۔۔ آج کل اس کا شکریہ ادا کرنی ہوں۔“ وہ سووگی سے گراہی۔

”آج کل ایسا کیا ہو گیا ہے؟“ چہرے پر چھوٹی لٹکانی پیشے سوال کیا۔

”مجھا پ جوں گھے ہیں۔“ ہنگی سے کان کھینچنے آپ اللہ کا دیا ہوا خوب صورت انعام ہیں۔ جس نے مجھے احسان ولایا کہ میں بھی زندوں میں ہوں۔۔۔ آپ نے مجھے پھر سے مکرانا سکھایا، بنتا، باتیں کرتا سکھایا، اللہ کے بعد آپ کا بہتنا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ آپ نے ایک بیوہ کو اپنایا۔“ وہ پوری چھائی سے دل کیفیت بیان کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ سے نشانہ بہا۔

”آم پ نے کہا تھا کہ آپ مجھے اتنی محبت کریں گے کہ میں خود آپ سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی اور اب مجھے اعتراف ہے کہ آپ اپنے لفظوں میں پچھے تھے، میں آپ کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ آپ نے مجھے صرف یہوی کا رتبہ نہیں دیا بلکہ میری عزت بھی کی اور صرف آپ نہیں۔۔۔ آپ کی پوری قیمتی نے بھی مجھے احسان نہیں ولایا کہ انہوں نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے، آپ میں کوئی کی نہیں، آپ کو کوئی نہیں لزک پیاں مل جاتیں اور اس گھر کو بہلکن آپ سب نے جس طرح مجھے سر اٹھا کر جینا سکھایا اس کے لیے میں ہا عمر آپ سب

کا احسان پکا نہیں باوں گی۔“

”اگر بھی ریتی گواں حقیقت کا علم ہو گیا کہ اس کی زندگی میں بدختی کو گوت دینے والا میں ہی تھا تو کیا یہ مجھ سے پھر بھی محبت کرے گی؟“ یہ وہ سوال تھا جس نے شاہ زین کو گھر جھری لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

عروسمیجم کی طبیعت تھیک نہیں تھی۔ بخار کی وجہ سے وہ نہ حال ہو گئی تھیں، ازیز نے ڈاکٹر کو کھر بیالا یا تھا۔ ریتی نے شاہ زین اور اوصاف کو اطلاع کرنی چاہی گر عروسمیجم میں مسح کر دیا۔

”ریتی میں تھیک ہوں میا، وہ لوگ پر بیان ہو جائیں گے۔“ عروسمیجم کی بیات اس کے دل کو گلی۔ ابا بھی کافی دیر عروسمیجم کی دلخونی کرنی رہی پھر وہ اکنہ تھی چلی گئی۔ ریتی ان کا سایہ بھی رہتی، عروسمیجم کے ناں تاں کرنے پر بھی اس نے سوب کا اول پورا پالایا پھر زمتوں کا تیل لے کر ان کے ہیر وہی میں کی ملائی مسے کروالیں گی۔“

”ریتی تھے کرو۔“ عروسمیجم کو اس کا ہیر وہ کو ہاتھ لگانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں کی ملائی مسے کروالیں گی۔“

”بالکل نہیں، آپ کے جسم میں درد ہو رہا ہے میں اچھی طرح ماش کروں گی تو آرام آجائے گا۔ آپ مجھے بھی نہیں سمجھتیں جو غیر بہت برت رہی ہیں؟“ عروسمیجم اس کے نروٹے انداز پر سکرا میں۔

”میرے پیچے میرے دل میں رہتے ہیں، کوئی بھی سیرے کی ہیں اور وہیں کو تھا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا، اب تم بھی بھری بیٹی ہیں یہی ہو۔“ عروسمیجم نے بھیک کی وجہ تائی۔

”ماں کے ہیر وہن کو ہاتھ لانے میں کیسی شرم یا بے عزتی۔۔۔ آپ آنکھیں بند کر کے سوتے کی کوشش کریں۔“

ماش کرتے اس نے مشورہ دیا۔

”جستی رہو۔۔۔ سدا سہاگن رہو۔“ عروسمیجم کے دل سے دعا لگی۔ شاہ زین شاچک بیگز اخاء عروسمیجم کے کمرے میں داخل ہوا۔

”مام آریو کے؟“ ازیز نے بتایا کہ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔“ بیگز اس بیچ پر لکھ کر وہ ان کے سر باتے بیٹھ گیا۔

”میں تھیک ہوں۔ بس تھوڑا بخار ہے اور باڑی میں بیٹنے

بھی۔ عروس نیک نے اس کا ہاتھ تھپٹ کر لی دی۔

"وادی یا مام کو؟ اب کے زمیں سے استفار کیا۔

"بھی تھوڑی دری پلے دی ہے۔"

"زینی چھوڑو پیدا۔ شاہ زینی کے لیے کچھ کھانے کا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

بندوں کر کرو۔" عروس نیک نے اسے دو کنایا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے، آپ آرام کریں۔" وہ سر دبانے ہوں۔

"سوہنی میں اپنی بیوی کے لیے لایا تھا۔" اس نے آگے لگا۔ اس وقت اس کی خالیہ اعماض خل ہوئی۔

"واڑیہاں تو پھل فیلی سین چل رہا ہے۔" عمامہ کی غیر متوقع آمد سب نے تشوکوار کراہت سے استقبال کیا۔

"شاپنگ ہمی تھی سوچا یہاں کا بھی چکر کا لوں۔ تم تو شادی کے بعد بالکل ہمی کھیکھ نہیں رکھتے شاہ زینی۔" وہ

بے نظری سے صوف پیٹھے گئی۔

"میں پہلے بھی کوئی کامیک نہیں رکھتا تھا یاد کرس۔"

شاہ زینی نے یاد دلایا، اس صاف جواب پر وہ پھل کی

ہمی نہ دی۔

"طبعیت زیادہ تر اب ہے مامی؟" اب وہ ہمدرد بھی شاہ

زینی کے بالکل قریب آ کر عروز نیک سے استفار کریں تھیں

اس کے وجود کا بوجھ شاہ زینی پا گیا تھا۔ زینی کو بے حد عجیب

محسوں ہوا۔

"ایں کیوں زرمی۔" تاکہ دناریات کے ساتھ شاہ زینی نے

کمر درے لجھے میں اسے پیچھے کیا اور انھوں کو صوف پیٹھے گیا۔

"اب نیک ہوں،" زینی نے بہت اچھی طرح سے اس کی

بے آرام غصوں ہو رہا ہے۔

"ہاں میں کلاں بھوک کئی فائدے ہوتے ہیں۔" زینی کو

استہراۓ نظریوں سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ زینی کا رنگ

فتن ہو گیا۔ عروس نیک کو بھی عماں کی باشی اچھی نہیں لگیں۔

"بچا فرمایا آپ نے۔" میں کلاں بڑی میں جہاں اور

بہت سی خوبیاں ہوئی ہیں، وہاں اس کی سب سے بڑی خوبی اس

کی شرم دھیا ہوئی ہے، اس کے قریب جاتا ہے کس کے

نہیں وہ بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ الحمد للہ میری بیوی

پریخت سے "شاہ زینی نے کھری کھری سنائی۔

"آپ کیسی ہیں؟" عروس نیک نے موضوع مددلا۔

"نمیک ہیں۔" عمامہ پر جیسے شاہ زینی کی کسی بات کا اثر

نہیں ہوا تھا۔ وہ شاہ زینی کے لائے شاپنگ بیگز کے اندر

دو لوگ رہا۔

"وراثت نہیں ہے۔ لغیر اجازت چیزوں پر ہاتھ دالتا اور پھر موجود کپڑے لے سکتے گی۔"

ہو توں جانا۔“ وہ سخت برہم تھا۔

”اوکے چلیں غصہ شتم کریں جائے چیز۔“

”میں نہیں پی رہا۔“ اس نے رخ بھیر لیا۔

”شاہ میں نے کیا کیا ہے؟ مجھ سے کیوں ہاراض ہو رہے ہیں۔“ وہ جیوان ہوئی۔

”تم بلا وجہ اس کی طرف داری نہ کرو جس طرح وہ تمہاری یہ عزتی کر رہی تھی، میں نے بہت مشکل سے خود کو روک کر رکھا تھا۔“

”احماں جھوٹیں..... میں باہر کے کسی بندے کی ہاتوں

کو اہمیت نہیں دیتی میرے لیے یہ اہم ہے کہ آپ نے میرا ساتھ دیا۔“ زینی نے اس کے شانے پر سر رکھا، اس نے جزی

کے سر پانہ رکھ دیا۔

”جاءے لیں۔“ اس نے کب تھا میا۔ وہ سیدھا ہو گیا۔

”امام کی طبیعت یہی ہے؟“

”سوگی ہیں۔“ زینی نے چائے پیتے ہوئے کہا۔ اسی وقت

اس کا سیل فون بجا آؤ تو وہ کچھ چیزیں سیل چون انھا کر سند کر دیا۔ شاہ

زینی نے اس کے اندر کو جھوٹ کیا۔

”کوئی پریشانی؟“ اس نے فتحی میں سر ہالایا۔



”باز پارکاں کر کے کیوں پریشان کر دے ہیں۔“ زینی،

اُرمی مشکل کاں پا چڑی۔ اب کے اُرمی نے گھر کے نمبر پر

کاں کی تھی۔ اتفاق سے زینی نے کاں رسیو کرنے کا..... اب بھی نہ

”تو خیال آگی کاں رسیو کرنے کا..... اب بھی نہ

کرتیں..... میں نے کوئی ساہاب ماننا تھا۔“

”اُس حرکت کا مطلب؟“ زینی بچھ پچھ تھی۔

”تم نے جس طرح میری زندگی کو سے سکون کیا ہے میں تھیں میں جیں نے جنے نہیں دوں گا۔“ وہ پھٹکا۔

”میں نے ایسا کچھ کیا..... خلط بات نہ کریں۔“ اسے

غصے آیا۔

”آپ کی محبت بودی تھی جو ایک جعلی نکاح نامہ دیکھ کر ختم اس نے منہ بیانی۔“ لا میں میں بنا دوں۔“

ہو گئی تھی۔“ زینی نے آئندہ کھلایا۔

”تو اب مجھے ٹھکرا کر شاہ زین اسے شادی کر کے تم نے فریش کریم نکال کر گک میں ڈالے اس نے کافی ڈال کر پھیشا

مجھے بن جا دکھایا ہے۔“ اصل میں تو اسے آگ ہی اس کی شادی شروع کر دی۔ چلے گے پورا دھوپ کرنے کے لئے رکھ دی، اُنھیں فریج

سے نکال کر اون میں کرم کرنے کے لئے رکھ دی، زینی اُپکی سے گلی گئی۔

”آپ خود کو شاہ زین اسے نہ لائیں،“ دوبارہ پیدا ہوتا پڑے سے اس کی کارستانی دیکھ دی تھی۔

"پھر میں سارا دن کیا کروں؟"

"بھجتے ہے پیارا؟" "شوخ ساجا جو فوراً دیا۔

"ٹوپی بانڈھے؟" وہ بھی شوخ ہوئی۔

"ٹوپی آر ریکوبیٹ..... ہماری اتنی جمال کر آپ پر زور

زبردست کریں۔" کافی چینی نکال روک دیا۔ ٹکھیتی ہوئی کافی

دو دھمکیں ڈال کر اچھی طرح سکس کی، ادون سے اسکیتی نکال تو

زیستی اٹھی۔

"اگر تم اسٹلڈی کا سلسہ شروع کرنا چاہتی ہو تو کرو۔" اس

طرح صرف ہو جاؤ گی۔" جاریلیف میں رکھتے ہوئے اس

نے کہا تو زیستی چکلی۔

"ہاں آئیڈیا چالا ہے" وہ خوش ہوئی۔ اسکیتی سے جھن کی

بوفی نکال کر شاهزادی کے منہ میں رکھدی۔

"سوچ لو...." کافی گ میں ڈالتے وہ اسکیتی انجوائے

کر رہا تھا جو زیستی ورک میں فولہ کے اسے کھلا رہی تھی۔

"شوکر تھی میں؟" اس نے پر لفڑی انداز میں پوچھا۔

"اپنی انگلی ڈال دیں۔" زیستی نے سکراتے ہوئے شرارت

سے کہا تھا ایک انگلے لئے کچھ اس کی جمع سے مشاہدہ اوارنگی شاہ

زیان نے گرم کافی میں انگلی ڈال دی۔

"شہادتی! اس نے سرعت سے اس کا یاتھ کھیچی، انگلی

گالی ہو گئی تھی۔" یہ!... پر شانی سے انگلی کو دیکھتے اس نے

سر پکڑ لیا۔ قرست ایسا کس چکن میں موجود تھا اس نے تیزی

سے برلن ٹیوب نکال کر انگلی پر لگانا شروع کر دی۔

"کیا پاگل بن ہے یہ؟" اس کی تکلیف پا نسوبہاں وہ اسی

چڑائی۔ وہ ہو لے سے نہ دیا۔

"تمہاری کوئی بات نہیں کیسی جاتی۔"

"میں نے نہیں کہا تھا۔" اس کے کرتے کو مٹھی میں

بھر کے بے چارگی سے اس کے سینے سے گلی بن باول

برسات شروع کر دی۔

"کچھ نہیں ہو یا۔" اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس کا سر

انھا نے لگا تکرہ مضبوطی سے اس کا کرتا دیوچے ضمدی پچھے کی

طرح روٹی رہی۔

"زیستی اگر تم چپ نہیں ہو سکیں تو میں پورا ہاتھ جالا لوں

گا۔" اس کے بڑھتے ہاتھ کو زیستی نے فوری روک لیا۔ آنسوؤں

میں کی آگئی حرکات کا نیا بردہ۔

"آپ بہت بڑے ہیں۔" سوں سوں کرتی گالیاں نکھول

سے محبت کرتا تھا وہ بھی اتنی ہی شدت سے اس کی اسیر ہوئی جا رہی تھی۔

”لہاں کو گئیں؟“ اس نے ٹھکی بجا کی۔

”آپ بہت بیند ہم لگ رہے ہیں۔“ اس نے بے ساختہ کہا تو وہ سکر لیا۔

”ریلی.....“

”لوئی ٹک؟“ وہ ٹھکی سے گھونٹنے لگی۔

”پسلے تو ساری دنیا کی تھی لیکن اب تم کھسروی ہو تو مان لیتا ہوں۔“ اس نے کسر کسی سے کام لیا۔

”ریلی لیا رچ آرٹیلری ناول ہیرو۔“ زینی روائی میں کہا گئی۔

شاہزادیان کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔

”ایڈن لیا رہ مائے ہیرو دن، آنکریم لوگی؟“ ڈنر کے بعد اس نے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کیا اس نے آنکریم اڑ کر کوئی۔

”آپ ہر چیز یہرپی پسند کی کیوں محفوظ ہیں، جسے ڈنر اور اب آنکریم، اما اور انہیم برے بتایا ہے کہ آپ کو کوئی پسند نہیں ہے۔“ وہ نوش کر رہی تھی کہ وہ اپنی پسند کو پس پشت والے کراں کی پسند اپنالیتا بتا کر۔

”یہمیں جو پسند ہے،“ اسے ایسی جواب کی تو قع قع۔

”کسی کے لیے اپنی پسند بدلتا یہ تو زبردست ہوئی ناں۔“ اس نے اختلاف کیا۔

”محبت میں لکھی زبردستی۔“ اپنون بھر کر آنکریم اسے کھلاتا ہوا جواب کر گیا۔

”محبت کا دعویٰ تو مجھے بھی ہے۔“ اب کے اس سے کوئی جواب نہ ہے، پڑا لب دانتوں تلنے دیا نے وہ سکرانی ظفر وہ سے بیک سوت میں بلوں اس حسین بری کو دیکھ رہا تھا جسے ملے کچھ میئنے ہوئے تھے کہ وہ اس کی رگڑی میں بس کئی تھی۔

”بہتر غلط مقام پر دعویٰ کر دیو ہو۔“ اس نے لوگوں کی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ حیضنگ گئی۔ فتحاں کے سکراتے بچھے گئے وہ لیا شابر اسمیتی تھا اور وہ اس طرف آ رہا تھا۔

”تشریف رحمیں۔“ شاہزادیان نے کھڑے ہو کر معاف فخر کرتے اسے دامی جانب میختنے کا اشارہ کیا۔ زینی ناگہی سے شاہزادیان کو دیکھ رہی تھی۔

”موری ارسم ہم وقت سے پہلے آگئے تھے اور ہم نے ڈنر بھی کر لیا۔“ شاہزادیان نے دوستانہ انداز میں معذرت کی۔ زینی

کا دل سوکھتے کی طرح کا پنچ لگا۔ شاہزادیان کی باتوں سے خاہر تھا ان کی میٹنگ پہلے سے طے تھی۔ وہ جرائی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں۔“ ارسم کو برآ تو لگا ایکس ان نے مردھا کہا۔ وہ تو سمجھ دیا تھا شاہزادیان اسکلے کے گاہر سے زینی کے متعلق برین واش کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر اب وہ زینی کے سامنے بھی سب کچھ بولنے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔

”زینی دوپھر کو ارمی کاہل آئی تھی میرے پاس۔ یہ مجھے اپنے اور تمہارے متعلق کچھ بتانا چاہتے تھے۔“ شاہزادیان نے زینی کو بتایا۔ ہر اس زینی شاہزادیان کے انداز کھٹنے سے قاصر نظر آری تھی۔

”ارسم آپ فون پر بھی سب کچھ کہہ سکتے تھے لیکن اصل مسئلے یہ تھا کہ میں فون پاپنی یہوئی کا نام لیتے ہیں اپ کو تھمہنیں مار سکتا تھا۔“ شاہزادیان نے کہنے کے ساتھ زنا کے ساتھ اس کے منہ پر مار دیا۔ زینی کا ہاتھ اچاٹک مٹھے پا پڑا۔ ارسم شاکر کذ بیخاڑہ گیا، اور گرد کے لوگ بھی متوجہ ہوئے۔

”بھر کی بھری بھری یہوئی سے زینی کا نام لو۔“ کمال سکون سے تمہارے دلوں پا تھا اس قابل نہیں رہیں گے کہ تم اسے یاد بھجھے کاں کر کے اپنی کھیڑیاں بن سے زینی کا نام لو۔“ کمال سکون سے بل بک میں کریمیت کا ذر کر کوئی تھر کے حوالے کیا۔

”زینی۔“ شاہزادیان اپنا ہاتھ حربان پر شان میٹھی زینی کے سامنے پھیلائے اٹھ کھڑا ہوا۔ بدوحی ارسم پر ایک جھاتی نظر ڈال کر اس نے شاہزادیان کے پہلے اچھے پاپنا تھوڑا کھر کھدیا اور کھڑی ہو گئی، اسے بازو کے گھیرے میں لیے وہ خاری راستے کی طرف جعل دیا، جلتے ہوئے اس نے کریمیت کا رذلیا، دلوں ارسم کی نظروں سے اونچل ہو گئے تھے۔

.....
گاڑی بھر جانے والے راستے پر سفر کر رہی تھی۔ شاہزادیان نے کئی بار وندھا اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا، وہ گم ہمی بیٹھی تھی۔ نظرس دوڑی بھاٹی سڑک پر چھس۔ شاہزادیان نے ایک ہاتھ سے ایشور بگ سنجھاتے درہ سے ہاتھ سے اس کا بازو ہوئے سے تمام کر قریب کیا۔ زینی نے خاموشی سے اس کے شانے پر رکھ دیا۔ شاہزادیان کا ہاتھ اس کے بالوں سچھا۔

”چکھہ کا؟“ ہوئے سے استغفار کیا۔ عجب غصہ خالی کے لیے بڑے سے بڑا کام کر کے پچھتا تھا اس نے کچھ غلط تو

”میں ہر پل اللہ سے دعا کرتی ہوں اللہ جلد سے جلد اس حرکت کرتے اس نے پہلی بار دیکھا تھا جو خاص حیران کرنے والے جس نے میرے ماتحت پیاسی ہی پھیلانی کے تھے۔ اسی نے فتحی میں سر برداشت کیا۔“

”میں ہمیں کیا ضرورت تھی اس کی حرکت برداشت کرنے کی؟“ اس نے زندگی سے استفادہ کیا۔

”میں ذرگئی تھی کہ آگر آپ نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا تو میں کیا کروں گی؟“

”ایسا کہہ کر تم مجھے میری ہی نظرؤں میں گمراہی ہو زندگی..... میں بمحضہ زارِ العباڑیں؟“ اسے دکھلوا۔

”لیکن بات نہیں ہے“ اس کا توبہ بنے لگے۔

”کم آن یار رہو تو مت۔ ایک اسکی کیا بہتر اولاد اس کی میسے لوگ آجائیں میں تھی صرف تمہارا یقین کروں گا۔ خواہ تم مجھ سے جھوٹ کہو یا ج۔“ محبت سے گندھاں پر اک بحر پھونک رہا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں مزید روائی آئی تھی۔ تیز رنگ گاڑیاں ہارنے ہی تھیں اگر رہی ہیں۔ اس نے ایک سائیڈ پر گاڑی کو بریک کر کاڑو کی تھی۔

”تمہارے آنسوکی دن میری جان لے لیں گے“ زندگی نے دہل کرنا کاملاً تھوڑا ملایا۔

”میری بھول تھی جو میں نے آپ کے لیے غلط سوچا۔ اب جان کنی ہوں کہ میں آئا ہیں بذرکر کے آپ پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔“ اس نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ گما نہ لگا۔

”زندگی اگر بھی ہمیں میرے بارے میں کوئی لیکی بات پتا لگے جو تمہارے لیے قابل نفرت ہو تو۔۔۔ کیا تم مجھ سے نفرت کروگی؟“ اندر کا خدشہ بانپ آیا۔

”مجھے یقین ہے آپ بھی میرے لیے قابل نفرت نہیں ہوں گے۔“ انل بچھپا وہ اسے دیکھتا رہا اسے شاید ایک اسی غلطی کے ساتھ جینا تھا۔

”میں نے صرف ایک بھی نہیں سے نفرت کی ہے بے حد بے حساب اور شاید ماری زندگی کرنی کریں تو ہوں گی۔“

”کس سے؟“ اس کی دھرم نہیں رہیں۔ اس کی دلی خواہ تھی زندگی کے لیبوں سے نکلنے والا نام اس کے خیال کی نظری کروے۔

”جس نے جعلی بناج نامہ دیا تھا۔“ زندگی کے لیجھ میں بے حد نفرت تھی۔ تھک بہت اوپھائی سے پکھ گرا تھا۔ وہ بغوراتے دیکھتا تھا۔

ری تھی زینتی بھی مکرانے لگی۔

"سارا سال محترم و مستون، پارٹیز اور ٹورپ بزری رجتے ہیں۔ پڑھائی میں کہاں سے دل لگے گا۔" واصف آج حساب کتاب کے مودع میں تھے۔

"چھوڑیں ڈیبا بھی چھوٹا ہے۔" اس سے پہلے کہ کاس لبی ہوتی شاہزادی نے طرف داری کی۔

"یام آپ پیش نہ لیں، اسٹڈی کے بعد میں خود ازیم کو ٹرینز کروں گا۔" وہ بیک وقت مال پاپ سے مخاطب ہوا۔

"اس چھوٹے کی بڑی بڑی حرکتوں کی روپورث آنے لگی ہے میرے پاس۔" واصف با赫صاف کرتے اٹھ گئے۔

"اور شرمند کراپنے ڈیٹے کے سامنے" عروسی بیکم بھی ازیم کو گھوڑی چلی گئیں۔ ازیم نے سر جھکایا۔

"اسٹڈی پوکس کرو ازیم۔" اندھا نا صحاب تھا۔ وہ چھوٹوں پیش نہیں کرتا تھا۔ تیرے پارے سے سمجھا تھا کہ نہ بردتی کی قربت نہیں آئی تھی۔ اب وہ چاروں رہ گئے تھے۔

"سوری بھائی مام ڈیٹ کو مجھے اس شکایت نہیں ہوگی۔ پاپ۔" ازیم جلد بھجو گیا۔ بات چلتے چلتے سوچل دب سائید پا آئی تھی۔

"بھائی آپ ہیں سوچل میڈیاپ؟" اناکے اچانک پوچھنے پر زینتی ایک لمحے کے لیے چھ ہوئی۔ کیا وقت تھا جب اس میں صبح فیض بک کے بغیر نہیں ہوئی تھی اور اس والوں بیت گئے تھے۔ وہ تو پہلا کا وہنہ اسی میں تھا۔ بھول گئی تھی۔ شاہزادی نے گھری نظر دیں سادے لیکھا تو زینتی نے فتحی میں سر ہلایا۔

"کمال ہے دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور اس سوچل میڈیا نہیں ہیں۔" ازیم کو حیرت ہوئی۔ زینتی پھر کچھ پن سے مسکرائی۔

"میں نے میک بیا ویب چیج سرچ کیا ہے آؤ تمہیں دکھاؤ۔" اناکا ازیم باتیں کرتے اٹھے، اب میز پر وہ دونوں رہ گئے تھے۔

"یا آپ میری پلیٹ کیوں بھر رہی تھیں۔" شاہزادی نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے اس کی حرکت کے متعلق جاتی تھی۔ اکثر فون سیمات ہو جاتی تھی۔ ملنے نہ جانے کی وجہ علیہ تھی جس کی طنزیہ لفٹکوں برداشت کرنا۔ مشکل ہوتا تھا کہ اس رجھے وہ بہت کر کے ملنے تھی گئی تھی۔ افسوس جاتے ہوئے شاہزادی "مجھے حق ہے۔"

"تی تو بھر مجھے بھی حق ہے۔" اس نے بڑا سانوالا اس کے دیکھ کر علیہ کا گھنگی تھا۔ اس کے میکے ملبوسات اور گاڑی سے اترے منہ میں رکھ دیا۔

زینتی والڑ روب کا کے کھڑی کافی دیر سے کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کنجی پاراؤں کیا اگر ہیں نہیں دیا۔ کچھ ہوں سے وہ جس طرح اپ سیٹ ہو رہی تھی اس نے اسے نوش لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی ہر حرکت کو بار باری سے دیکھ رہا تھا۔ والڑ روب کی والڑ روب بند کر کے وہ واش رم گئی تو اس نے والڑ روب کی خالاشی۔ جلد ہی اس کو ایک مڑا ہوا کاغذیں لگیں۔ ایسا کیا تھا اس کا غذہ میں؟ اسے دلچسپی ہوئی۔ اس نے کاغذ کی تہبھ کھوئی اور پوری عمرات جیسے اس کے اوپر آ کری گئی۔ یہ تھا کہ اس کا تھا جو اس نے فل کیا تھا۔ اس پر جایا آنسوؤں کے نشانات تھے۔ شاہزادی کا دل جیسے کی نے فلخی میں دیا دیا تھا۔ آجھ پر اس نے رکھ دیا۔ زینتی آئی تو وہ آنکھوں پر باہر کر کے لیٹ چکا تھا۔ وہ حقیقت وہ اس وقت اتنا آنکھوں پر باہر کر کے لیٹ چکا تھا۔ وہ حقیقت وہ اس وقت اتنا اپ سیٹ تھا کہ زینتی کا سامنا کرنے کی ہست خود میں نہیں پارہا تھا۔ سوچل میڈیا کی بات کر کے ازیم نے انجانے میں اس کے رُشم ہرے کر دیے تھے۔ روز ہی کوئی نہ کوئی ایک بار بھر جھاتا گئے تھا۔

آجاتی تھی جس سے اس کا مانی ایک بار بھر جھاتا گئے تھا۔

"یا اللہ۔" ایک بار ایک بار میرے محروم کا چہرہ دکھادے تاکریں اس سے پوچھ کوئی کہ اس نے میرے ساتھ اتنا بڑا مذاق کیوں کیا؟ اسے جھوکر کر تاکوں کہ اس نے میرے ساتھ کہتا ہے اس کیا کیا۔" زینتی کی آنکھ سے کل کر ایک بوند بالوں میں جذب ہو گئی تھی۔

"یا اللہ۔" میں کیسے اس گھری کا سامنا کروں گا جب زینتی پر چھل کا کہ اس کی زندگی کو کاٹوں کے حوالے کرنے والا کوئی اور نہیں میں ہوں۔" شاہزادی پر بیان ہوا۔ ایسا ہی بار ہوا تھا کہ دونوں ناخنی سے بیخرا بات کیے اپنی اپنی جلدیت گئے تھے۔ وہ حقیقت ان دونوں کی سوچ ایک دوسرے کے کردی گئی تھی۔

فرودوں کافی دونوں سے اسے بیلا رہی تھیں۔ وہ بہت کم ملے تھے۔ اکثر فون سیمات ہو جاتی تھی۔ ملنے نہ جانے کی وجہ علیہ تھی جس کی طنزیہ لفٹکوں برداشت کرنا۔ مشکل ہوتا تھا کہ اس رجھے وہ بہت کر کے ملنے تھی گئی تھی۔ افسوس جاتے ہوئے شاہزادی اسے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے میکے ملبوسات اور گاڑی سے اترے منہ میں رکھ دیا۔

کرے میں چلی گئی۔
کچھ تھام لیں۔ علپہ اسے کھینچتی گئی۔
”شاہ زیان نہیں آیا؟“ فردوں اسے دیکھ کر خلک نہیں۔
”نہیں دیر ہو رہی تھی شام کو لیتے آئیں گے تو نہیں کے سے کہا۔
”بھائی اور پتا سے ملے کافی دن ہو گئے کب تک نہیں گے؟“ زینی نے بھائی کے سے ملے بھی نہیں۔ اس نے خلی دکھائی۔
”سوری۔“ عمیس نے جھٹ پاٹھہ ملانے کے لیے ہاتھ پڑھایا۔ زینی نے تھام کر گلے گالیا۔
”اور کسی؟“ زینی نے اپنا گال آگے کیا۔ عمیس نے جھٹ چوم لیا۔

”اسکوں کیوں نہیں گئے؟“
”اس کی ماں کی آنکھ کھلی تو بیجا سکول جائے گا ماں۔.....
جھٹے میں پتیری چھٹی ہو گئی ہے صبح بھی ارم اسی بات پر شور کر کے گیا ہے۔“ فردوں نے عمیس کے بولنے سے پہلے ناگواری سے چھپتا۔
”آپ جگا دیا کریں۔“ زینی نے عمیس کو پیدا کرتے فردوں کو شورہ دیا۔
”ماں اب بھی کروں گی ورنہ ماں کی ماں تو چالی سار کئے گی۔“ فردوں دل گرفتہ آرہی چھیں۔

”احلا چھوڑیں ناں۔“ زینی نے موقع یادنا چاہا۔
”بیوی آئی نہیں کہ میری براں شروع کر دی آپ نے؟“ علپہ سامنے آئی۔

”جی ہی کہا ہے اور تمہاری چھپ کر باتیں سننے کی عادت کب جائے لی۔..... اتنا ہی مرود راثقا ہے پہت میں تو بیٹھ جاؤ ہمارے ساتھ۔“ فردوں نے بھی ادھار دکھا۔

”بھجے کوئی شوق نہیں ہے آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا۔“ علپہ جریں نظروں سے زینی کے دنہنڈر بر سلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ جل کے عینی کو سچ کر لے جانے لگی۔

”ماما مجھے پھوپو کے پاس رہتا ہے۔“ عمیس زینی کے ساتھ چھٹ گیا۔

”بھائی رپنگیں۔“ زینی نے اسے دکھانا چاہا۔
”چلو عمیس۔“ زینی نے لاچاری سے علپہ کو دیکھا۔ عمیس کسی طور جانے کے مؤذیں نہیں تھا۔ اس نے دھیان آنے پر پوس کے اندر رکھ دھڑا۔

”یہ دیکھو عمیس کے لیے تکنی گلکشیں لائی ہوں، آپ جا کے کمرے میں کھاؤ۔“ چیزیں دیکھ کر عمیس نے زینی کو چھوڑا۔

”کہ سب سوگ ملتے رہیں گے اپنی بھوکی شادی کا۔“ شرمن کا انداز استہزا یہ تھا۔ ارم نے خونی نظروں

سے شرمن کو دیکھا۔
 ”میں نے کتنی بار پوچھا ہے کہ آپ بار بار کے فون کرتے ہیں مگر آپ نے نہیں بتایا تھا میں نے کچھ لیں مجھے بھر ہوئی۔“ شرمن کے پاس جب سے علیہ کی کال آتی تھی وہ ارم کوچھ اڑتی۔
 ”اب وہ ایک بے حد بیند ہے مگر بننے کی بیوی ہے جس کے آگے پیسے کی ریل بیل ہے۔ وہ یوں آپ کی فون کال سننے لگتی۔“

”اپنا منہ بند کر کے فون ہو جاؤ یہاں سے۔“ ارم دھاڑا۔
 ”میں کیوں جاؤں، مجھ کڑوا کیوں لگ رہا ہے۔“
 شرمن جلاٹی۔

”حقیقت فرمادے ہیں مجھ پر سے مٹھا پ جاتے ہیں اور مجھ پر چلا رہے ہیں۔ بہت اچھا کیا شاہزادیاں نے آپ کو پھر مار کر آپ کی اوقات پاردا آئی۔ آپ ہیں ہی اسی قابل۔“
 شرمن غصے میں کہہ رہی تھی، ارم کی اتنا چوٹ پڑی، اس نے شرمن کے پاس اپنے پھر سید کیا۔ شرمن بکدک رہ گئی۔
 ”میں تمہیں طلاق دتا ہوں۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“

ارم نے روح فر سا جملہ تین بار دعا کر شرمن کو باز دے سکتے ہو گئی۔ ارم تھا کہ وہ اپنا اصل چہرہ دکھانے پر اس کی دیباں اندھیر کر سکتا تھا اور جب وہ فیصلہ ناچاک تو وہ حیرت سے زمین میں گز گھٹی۔ دوسروں کو جلا کر مرا لینے والی شرمن انجانے میں خود کو جلا بیٹھ گئی۔



شاہزادیاں کی جگہ ایمیر سے پک کرنے آیا تھا۔
 ”سوری بھائی بھائی بڑی تھے۔ اس لیے انہوں نے مجھے آپ کو پک کرنے کا کہا۔“ ایمیر نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے کہا۔

”دیہیں رحمت تو نہیں ہوئی۔ میں احمد بھائی کے ساتھ آجائی۔“ رینی شاہزادیاں کی صورت کا ان کے مطمئن ہوئی۔
 ”میں سے اس نے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ رات سے ہی وہ عجیب سالبی ہو کر رہا تھا۔ مجھ بھی مودخ ٹکوئیں تھا۔“

”رحمت نہیں، بھائی کا حکم تھا۔“ ایمیر بلاشبہ شاہزادیاں سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور پھر بھائی کی کاروڑ رائے کرنے کا مراہی الگ ہے۔“ ایمیر نے ڈرائیور نگاہ کرتے ہوئے کہا۔

فروں روانی میں کہے گئیں۔ احمد کے کان کھڑے ہوئے۔
”کیا کیا سے لامن نے؟“
”کچھ نہیں بلیں یونہی مند سے نکل گیا تھا۔“ فروں نے
آنکھوں میں آنکھی تھی۔

”جانتے پھر بھی وہ چہہ احتی قرب سے دکھپائے گایا
نہیں۔“ اس کا دارل اس سوچ سے ہتھ بند ہونے لگا۔ وہ خاموشی
سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا یہ وہ جان گئی تھی۔
”میں ساتھ چلوں۔۔۔ آپ کو بالکل دشمن نہیں کروں
گی۔“ جانتے کیسے بے ارادہ اس کے مند سے نکلا۔ لوگی اور موقع
ہوتا تو وہ خود اسے ساتھ لے جاتا۔

”اپ تم کچھ نہ کرنا۔۔۔ زینی نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ وہ
میں تو روپی میں کہے گئی۔“

”یہ شاہزادی کا بڑا بیٹا ہے جو اس نے اسرم کو من توار
جبابدیا اگر وہ اسرم کی باتوں میں آکر کوئی ایسا ویسا فیصلہ کر جاتا
تو پھر۔۔۔“

”اللہ نے زینی کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے۔ یہ
مکافات عمل ہی تو ہے۔ اسرم زینی کی زندگی میں زبر گھولنا چاہتا
تھا۔۔۔ اس کا گھر تو شاہزادی تھا۔۔۔ اللہ نے اس کا آشنازہ خصیر دیا۔ وہ
بہترین انصاف کرنے والا ہے۔۔۔“ فروں نے احمد کو سمجھا۔
جس سے اس کا غصہ کچھ ہو گیا تھا۔

”عروس سمجھ کافی نہیں تھیں الیم اور اتنا دیوبیو یوم کھیل رہے
تھے۔۔۔ زینی عروس تکمیل کے ساتھ پہنچ گئی۔“

”بھائی ہمارے ساتھ کھیلیں۔۔۔“ اتنا فرکی۔
”مجھے ان چیزوں میں بالکل پچی نہیں ہے تم لوگ کھیلو
میں دیکھ رہی ہوں۔۔۔ آس نے مفترکر کر لی۔

”شاہزادی کی کال آئی تھی؟“ عروس سمجھم اس کی اوس حکمل
کو دیکھ رہی تھیں۔ جب ہی پوچھا تو اس نے لفظی میں سرہلایا۔

”بڑی ہو گا۔۔۔ واصف بتارے تھے شاہزادی نے اسی ذہل
کے لیے میوںوں محنت کی ہے۔۔۔ ذہل فاکل ہو گیا ہے تو کپٹنی کو
بہت فائدہ ہو گا۔“

”ان شاہزادیوں کامیاب نہیں گے۔“ اس نے
مسکراتے کی کوشش کی۔

”مچ ہوئی تھی میری بات شاہزادی میں۔۔۔ زیادہ بھی
بات نہ ہو سکی بس خر خیرت ہی پوچھ کی۔“ عروس سمجھم نے
گھر پچانے کے لیے زینی نے اسرم کو بارہاٹھکر لایا اور اسرم نے
اطلاع دی۔۔۔ زینی تھی محنت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔
”نہیں کیا ہوا؟“ چپ چپ کی ہو۔۔۔ نکر دیکھی الگ رہی۔

”چاروں میں لوٹ آؤں گا۔“ محبت بھری نظر سے اس کے
اواس پھرے کو دیکھا۔ ایک بے نام سی بے چینی شاہزادی کی

آنکھوں میں آنکھی تھی۔

”جانتے پھر بھی وہ چہہ احتی قرب سے دکھپائے گایا
نہیں۔“ اس کا دارل اس سوچ سے ہتھ بند ہونے لگا۔ وہ خاموشی
سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا یہ وہ جان گئی تھی۔
”میں ساتھ چلوں۔۔۔ آپ کو بالکل دشمن نہیں کروں
گی۔“ جانتے کیسے بے ارادہ اس کے مند سے نکلا۔ لوگی اور موقع
ہوتا تو وہ خود اسے ساتھ لے جاتا۔

”پھر بھی، ابھی میں ایک انہر فیصلہ کرنے جا رہا ہوں اس
فیصلے کے احتجاج اڑاٹ ہوئے تو پھر بھی جھیں چوڑو گز کر لیں گیں نہیں
جاوں گا۔۔۔ ترستتی۔“ عجیب غیر معموم انداز تھا۔ اس کی حیران
آنکھوں کو محبت سے بند کر کے وہ تیزی سے پلت گیا اور زینی
سماکت کھڑی رہ گئی تھی۔

.....
علیحدہ نے شرمن کی طلاق کا سن کر گھر میں روناڑاں دیا۔
منہ بھر بھر کر زینی کو گھا لیاں دیں، احمد بھک اس کی آڑا پھپت وہ
اس کے سر پر بیٹھ گیا۔

”میری بہن کاتانہ بھی تھبڑی زیبان آیا تو مجھ سے برا کوئی
نہیں ہو گا۔۔۔ تھبڑی بہن خود گھر سانے واپسی تھی اور اگر تم نے
اس سے سبق نہ سیکھا تو ایسا نہ ہو بڑھاۓ میں تھبڑی مال کو دو دو
طلاق یافتہ بنیوں کو گھر میں بھٹاناڑے۔۔۔“ احمد کی دھکی پر علیہ
کا داولیہ کم ہو گیا، وہ اپنا کھر جا جاننا نہیں چاہتی تھی۔ شرمن کے
ساتھ ہوئے سانچے نے اسے مخاط کر دیا تھا، اسرم کی دھکی بھی
اڑکر گئی تھی۔ فروں تک پھر بیٹھ تو انہیں تاسف ہوا۔

”بہت غلط کیا اسرم نے۔۔۔ میں تو اسے بہت سمجھ دار
سمجھتی تھی۔“

”بڑے کام کا برانتیجہ ہی ہوتا ہے۔ علیہ نے پلانگ اور
شرمن نے چالاکی سے زینی کے حق پڑا کشہ الا تھا۔ انجام تو ایسا
ہی ہوتا تھا۔ زینی کے ساتھ ان لوگوں نے جتنا برا سلوک کیا یہ
ایسی کام کافات عمل ہے۔“ اسرم نے فروں کو فوں کرنے سے
روک دیا۔

”پھر بھی بیٹا کسی بھی بچی کا گھر اڑنا اچھی بات نہیں، اس کا
گھر پچانے کے لیے زینی نے اسرم کو بارہاٹھکر لایا اور اسرم نے
اسے اپنی اٹا کا مسئلہ بنایا کہ زینی کی زندگی میں زبر گھولنا چاہا۔“

دیوار سے پیشانی لکائے کہ دیوار پر مارتے وہ خود کوخت
بے بس محبوں کر رہا تھا۔ آفس کا کام دوں میں ختم ہو گیا تھا
لیکن اس نے جس پیٹل کے لیے زینی سے دوری قائم کر کی تھی
وہ فصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے یہ احساس کچوکے لگا رہا تھا کہ وہ
زینی کو دو کواد سے ہے، اس کا مجرم ہوتے ہوئے اس سے چھپا
بیٹھا ہے۔ اس سے دور خود میں ہمت جانتے کے لیے ہوا تھا۔
”زینی نے بچ جان کر اس سے نفرت کی تو وہ کیا کرے
گا؟“ یہ دنیا کا وہ سب سے خوفناک سوال تھا جس کے لیے وہ
خود کو بنے بس محبوں کرتا تھا۔ زینی کی کال آری ٹھیں میر کیم نے
سے بات کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک بار بند ہونے
کے بعد دوبارہ میل فون بینے لگا تھا، پوزن بیل کراس نے کال
رسیووکی۔

”بیل وام۔“

”کیسے ہوشہ زیان؟“ دوری طرف عروس بیکم فکر مندی
سے پوچھ رہی تھیں۔

”ٹمک ہوں مام۔“

”تم تو پارون کا کہہ کر گئے تھے ہفتہ ہونے کا تایا ہے، کب
لوگوں کے، سب ٹھیک ہے تاں؟“ عروس بیکم کے لجھے میں
خدا شے بول ہے تھے۔

”سٹٹھیک ہے، بس کچھ کام پکل آیا تھا۔ پرانے دوست
بھی ال گئے تو...“ اس نے بات اور ہر چورڑی جھوٹی جھوٹی
اس کا شیوو نہیں تھا۔

”تمہاری زینی سے کوئی لڑائی ہوئی ہے کیا؟“ عروس بیکم
کے اچانک سوال پوچھ چکنکا۔

”نہیں تو...“ اس کا کام سنتے ہی دل گماز ہونے لگا۔
”پھر اسے کال کوں نہیں کر رہے، پتا ہے اس پاکل لڑی
نے کھانا پیا چھوڑ رکھا ہے، کرے میں بندوق تھے۔“

”تھی میں کر لیتا ہوں کال۔“ اس نے اذیت سے
مٹھیاں پتھی۔

”ہاں کو لو مجھے تو اس کی بہت فکر ہو رہی ہے تمہارے ذمہ
بھی صح دی کی مینگ کے لیے نکل گئے ہیں۔“ عروس بیکم نے
اطلاع دی۔

”جی ڈیمیسے بات ہوئی ہے میری۔“

”تم اپنا خیال رکھنا اور اس لڑکی کو بھی سمجھاؤ میری تو سن
نہیں رہی۔“

ہو۔“ عروس بیکم نے اس کے چھپکے چہرے کو بیکھا۔
”میں بھیک ہوں۔“ اس نے تسلی دی۔
”مجھ نہیں لگ دیتی، تم چنانی میرے ساتھ، ذاکر کے پاس
شاہ زیان نے واپس آ کر ہمیں ایسا دیکھا تو خفا ہو گا۔“ وہ سر بالا
کر رہا تھا۔

”میں ذرا اپنی دوست کی طرف جا رہی ہوں تم ٹھیک اور ان
دوتوں کا خیال برکھنا۔“ عروس بیکم سے فضداری دیتی اٹھ گئیں۔

”از میر گاڑی لے کر کہیں لفکن کی ضرورت نہیں ہے
تمہارے ذمہ نے ختنی سے منع کیا ہے۔“ عروس بیکم نے
وارن کیا۔

”اوکے مام۔“ تیز آواز میں جواب دے کر از میر پھر سے
کہیں لگ گیا۔

زینی خاموشی سے دوتوں کو بھیتی رہی پھر اپنے کمرے میں
آگئی۔ شاہ زیان کو گھنے آج تیرا دیں تھا۔ اس نے اپنی بیک
اسے کال نہیں کی تھی۔ خود اس نے اپنی بار کال کی مگر اس نے
رسیوو نہیں کی، اس کی صروفیت کا سوچ کر خیال تھا کہ کوئی پہر
فری ہو کر کمال کرے گا مگر یہ کیسی اس کی خونی نہیں ہبت ہوئی۔
اس نے کال بیک نہیں کی تھی۔ زینی کو کچھ بھجھ میں نہیں رہا تھا وہ
اس کی عادی ہوئی تھی۔ اس کی محبت زینی کے اندر نہیں بن کر
دُوڑنے لگی تھیں اب جانے کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔ کسی انہوں کے
خیال سے زینی کا دل ہڑک رہا تھا۔ کچھ غیر معمولی تھا۔

”جس دن تمہاری آوارہ سنوں تھماں ہری صورت نہیں کھوں
اس دن میر اسون طلوخ نہیں ہو گا۔“ شاہ زیان نے بہت محبت
سے اپنے کام تھا، جب اس نے یہکی میں ایک دن رکنے کی بات
کی تھی۔ شاہ زیان کے تکمیل پر ہاتھ پھیرتے اس کی بے احتناقی پر
آن سوبنے لگے تھے۔



ابجا کی تکاہوں سے، ڈوبا نہیں ہوں میں
اے رات خبردار کے ہلا نہیں ہوں میں
دریوں میں صح و شام بھی سکھش ہے اب
اس کا بنوں میں کیسے کہ لہنا نہیں ہوں میں
بھج کو فرشت ہونے کا دعویٰ نہیں مگر....!
جتنا برا سمجھتے ہو اتنا نہیں ہوں میں
ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرز منافت
دنیا تیرے مراجع کا بندہ نہیں ہوں میں.....!

سے انہی اور اگلے ہی لمحے چکرا کر صوفے پر گرفتی۔
 ”زینی.....“ عروس بیگم فکر مندی سے اسے اٹھانے لگیں۔
 چند سیکنڈز تک اسے خود کو سنجالے میں لے گئے۔
 ”تم تم حیک تو ہوتا؟“ عروس بیگم فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اچا بیک انہی تو چکر آ گئے۔“ زینی نے سکرانے کی کوشش کی۔

”ماچے گارڈ تم نے تو ڈرائی دیا۔۔۔ کھانا چینا چھوڑنا رُغ دکھانے لگا ہے، تم چلو میرے ساتھ کھاؤ کثر کے پاس۔۔۔ شاہ زیان نے لوٹ کر تھاری اسی حالت دیکھی تو سب سے ناراش ہو جائے گا۔ جانی ہو وہ اکتا پیزی سے تھار سے معاملے میں۔“ عروس بیگم فکر مندی سے گرفتار ہوئیں۔

”میں یہیک ہوں۔۔۔ اس نے بچنا چاہا۔۔۔“
 ”بالکل تینیں اٹھ جاؤ بس۔۔۔ ویک۔“ عروس بیگم نے اسے حکم دیتے ہوئے ملازم کا واذر دی۔

”ہم ذاکر کے پاس جا رہے ہیں گھر کا خیال رکھنا۔“ ملازم کو بیدار کر کے عروس بیگم نے اسے اٹھایا۔
 ”سامم آپ بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں۔“

”تھاری ایکیں نہیں سنوں گی۔“ عروس بیگم کا باعث ہو کر پورچ کی طرف بڑھ کر۔۔۔ سینی لیڈی ذاکر نے بلڈ اور یونین سمنگلر لے لیں گے پہیک کیا، کچھ تیاری سوالات کیے زینی ناگہی کے عالم میں جواب دیتی تھی۔

”مذکر ہوا آپ دادی بننے والی ہیں۔“ ذاکر منزہ نے روپر د کھوکھ کر سکراتے ہوئے مبارک بادی۔
 ”رسیں! اوسنکس بیٹا۔“ عروس بیگم نے خوشی کا انعام کرتے ہوئے زینی کو سماحت کیا۔

”بلڈ شیست کی روپوں چاروں بعداً جائیں گی۔۔۔ آپ ان کا خیال رکھیں یہ بہت کمزور ہو رہی ہیں، میں کچھ ناک لگھ رہی ہوں، وہاں مزی کی ہے ایکس پر اپر لیں۔“ ذاکر منزہ پر دشیل انتہا میں لیڈی اس کو رہی تھیں۔

”تم کہو تو شاہ زیان کو انفارم کروں؟“ عروس بیگم نے ذرا سمجھ کیٹ سنجالے ہوئے پڑھا۔

”آپ انہیں ابھی کچھ نہ بتا میں جب وہ آجائیں گے جب۔۔۔“ وہ جیسی پکے چبھوٹی ہوئی۔

”جیسے تھاری مرضی۔۔۔“ عروس بیگم سکرائیں۔“ وہ تو اس تجذیب

”بھی کرتا ہوں۔“ فون رکھ کر دونوں پا تھوں سے بالوں کو مٹھیں میں بھرتے وہ جیسے خوب کھیتار کر رہا تھا پھر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے زینی کا نمبر ڈال لیکر پشت دیوار سے لگائے اس نے فون کاں سے لے گایا۔

”شاہ.....“ وہ مری طرف چند سیکنڈز میں کال رسیو ہوئی تھی سکی سے مشابہ اس کی پاکا پسہ دیوار سے سڑکاتے اہمیت کے عالم میں آ کھیس ہو گیا۔

”آپ سن رہے ہیں تاں شاہ؟“ اس کے لہجے کی بے قراری اسے ہر بیبے سکون کرنی۔

”مام بداری تھیں تم اپنا خیال نہیں رکھدی ہیں، کھانا بھی چھوڑا ہوا ہے۔۔۔“ بے شمار لہجہ تھا۔

”نیسا سچھ کرنے کو دنیں چاہ رہی، آپ کب آئیں گے۔“ بے چارکی کا انہمداد کر کے اس نے سوال کیا۔

”و دون بھی لگ سکتے ہیں، دو ماہ بھی۔“ تمکا دو بھر الچھر تھا۔

”کیوں ایسا کوں سا کام ہے؟“ اس کے بے گانہ انداز پر پریشانی ہوئی۔

”تم اپنا خیال رکھوں پھر کوئی ہلاکات نہ سنوں۔“ وہ اس کو صاف نظر انداز کر کے سچھت کر رہا تھا۔

”بڑی ہوں، بعد میں بات کرتا ہوں۔“ اس نے کال و سکنکت کر دی۔

”پہلو شاہ.....“ وہ یکاری رہ گئی مگر اس کی پکار سننے والا نہیں تھا۔ اس کا نوبنہ لگے اس سے بات کر کے وہ مزید پسیت ہو گیا تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑے اس نے غیر مری نقطے پر نظریں جھوٹا تھیں۔

.....
 زینی شاہ زیان کا انداز بھختے سے قاصر تھی۔۔۔ بعد مجبت کرنے والا شہر کیوں انجان بن گیا تھا۔۔۔ وہ بے خبر تھی۔۔۔ اسے احتراف تھا کچھ اٹھ ماهی رفاقت میں وہ مخصوص اس کے لیے بہت اہمیت اختیار کر گیا تھا اور اب اس کی بے توہنی محل رہی تھی۔۔۔ ازمیر اور انا یونیورسٹی کے ہوئے تھے۔۔۔ عروس بیگم نے اسے اپنے ساتھ بھا توں میں لے گایا ہوا تھا۔

”مشق کو کافی کا کہا تھا جانے کیاں رہ گئی کافی۔“ عروس بیگم نے بیکم شمعے لیتیں۔

”آپ بیٹھیں میں لے کر آتی ہوں کافی۔“ زینی تیزی

کمزوری تھی ہو۔“ وہ گول مول باتیں کردا تھا۔
”میں منتظر ہوں گی اور مجھے یقین ہے آپ کا ہر ذریبے
رذل کا سروج کر سکتا ہیں۔

چالاتی ہے۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو؟“ اس نے رکی سانس بحال کی۔

”مجھے بھی آپ سے ایک بات شیر کرنی ہے۔“ زینی نے
شاہ زیان کی بڑی سی تصویر پر نظریں جادی جو اس نے آج ہی
کر کر میں لے گئی تھی۔

”کرو۔“

”جب آپ رو برو ہوں گے تب کروں گی۔“ وہ اسی کے
انداز میں بولی۔

”ایجاد۔“ وہ ہولے سے ہنڈا۔ ”زینی۔۔۔ پکار کچھ غیر
معمولی تھی۔

”جی۔“ وہ متوجہ ہوئی۔

”میں تمہارے بنا جی نہیں سکتا۔“ جملے کی تائی اس کے
جنڈوں سے چور لجھتے نہ بڑھا دی تھی۔

کوسن کر خوشی سے پاکل ہو جائے گا۔“ زینی، اس کے متوجہ
کمزوری کی سرگرمی کا سروج کر سکتا ہے۔

سیاہ تار کوں پر جلتے ہوئے وہ جیسے خود سے بھاگتے بھاگتے
تھک گیا تھا۔ پہنچنے کلکھلا تھے چروں کو ایک درمیے میں مکن
دیکھ کر اسے شدت سے اپنے خالی پھلوکا احساس ہوا تھا۔ لئے
ہی ذوقوں سے وہ اس سے دور تھا۔ وہ جو اس کے وجود کا حصہ تھی۔
وہ اس سے لا اعلیٰ ہو کر خود کو سراہے رہا تھا لیکن اب نہیں، اس
نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زینی کے سامنے اس حق سے پردہ اٹھا
دے گا۔ تباہے گا کہ اس کا مجرم ایک عرصہ سے اس کے سامنے
بے گروہ سے پچھان بن کر پھر اس کا جو فیصلہ ہو گا وہ بول کرے
گا۔ اس کی نظرت بھی سہرے لگا تھک کر اوپر خیلے بیڑے
لیکھ لگاتے اس نے اس کا نمبر ملایا۔ ایک بار پھر اسی بے تابی
سے کالر بسیروں میں ہوئی تھی۔ اس نے شاید یون سے الگ ہونا چجز
دیا تھا۔

”شہاء۔۔۔ اس کی سکی نکل۔“

”کسی ہوشائی کی جان۔“ وہ جب اسے شہاء کہ کر پکاری تھی
تو اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اتنے ذوقوں میں پہنچی بار اس کا حال
پوچھنے کا خیال آیا تھا۔ اس کا دل گماز ہوا۔

”آپ کے بغیر بہت ایسی اور بہت تباہ۔“ لہجہ دہنا تھا۔
”دیکھی بھیریں، میں بھی تمہارے بغیر اکیلا ہوں۔“

”پھر اتنے ذوقوں سے دوسری کی سزا کیوں دے رہے ہیں،“
اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو تباہی دیں تاکہ میں معافی مانگ
سکوں۔۔۔ کیوں ابھی بنے بیٹھے ہیں؟“ اس کی آواز کی گرفتی
اس کے جسم میں حرارت دوڑا گئی۔

”غلطی تو مجھ سے ہوئی ہے اسی کو تسلیم کرنے کی ہمت خود
میں پیدا کر رہا تھا۔ جا فتح میخچے کا سزا یوں۔۔۔ مگر اب میں
مزید بھیں اندر میں رکھ لے سکا۔ جیسیں وہ کافیں دے
سکتا۔“ وہ فیصلہ کر کچکا تھا۔

”کسی غلطی۔۔۔ کیسا ہو کا؟“ وہ حیران ہوئی۔

”یہ میں تمہارے رو برو آ کر بتاؤں گا۔“ وہ پریشان تھا
اندر سے ڈراہوا بھی۔

”کیسا ذرا ہے آپ کو؟“ اس کے لیے شاہ زیان کا الجھیران
کن تھا۔

”ہر انسان اپنے اندر کی کمزوری سے ڈرتا ہے اور میری
کراس کا ہاتھ قائم کرائے صوفے پلا کر خدا دیا۔

”اتقی حیران کیوں ہو رہی ہو؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھ

گئی۔ زینی کے دنوں ہاتھ ان کے ہاتھوں میں تھے۔ اس مزید کچھ دن عیش کر سکتی تھیں شاہ زینی کے بچ کو دینا کے جھرے پر سوائے جیسا تھا کہ اور کوئی تاثر نہ تھا۔ عروس سنتھم مسکرا میں زینی کوان کی سکراہٹ بہت پرا راگی۔

”شاید سچان کر جیراں ہو رہی ہو کہ میں جو شاہ زینی سے محبت کا دام بھری ہوں، اس کے لیے نفرت کا اندازہ کئے کر سکتی ہوں ہے تاں؟“ زینی ساکت ان کے انداز کو بھر دی تھی۔

”شاہ زینی جارسال کا تھا جب میری آخوند میں آیا تھا۔ اس کی ماں بلڈنگ نسپتی وجرے مر گئی تھی۔ جب وہ تین سال کا تھا۔... واصف کو میں نے اپر وچ کیا تھا۔... پیسے اور پادری میرا شوق تھا لیکن واصف نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسی صورت میں مجھ سے شادی نہیں میں کے جب تک میں شاہ زینی کو میں میں اس کی طرح پیدا کروں۔... ایڈنکل ایٹھی میں کامیاب ہوں اب شاہ زینی میں نہیں بتانے چاہی ہوں اسے سن کر تو تم مجھ سے زیادہ شاہ زینی سے نفرت کرنے لگو۔“ زینی کی تمام میں جاگ گئی۔

”اب جو حقیقت میں نہیں بتانے چاہی ہوں اسے سن کر جس نے تھمارے کو ادا پوکوں کو کوئی اختیار کا موقوت دیا تھا۔ جس نے تھمارے کو ادا پوکوں کو کوئی اختیار کا موقوت دیا تھا۔“ میں جاتی ہوں تم اس شخص سے شدید نفرت کرتی ہو،“ عروس سنتھم اس کے قریب ہوئیں، زینی کے دماغ نے چیزوں پر اچھا چھوڑ دی تھا۔

”شاہ زینی۔“ عروس سنتھم نہیں۔ زینی کے چہرے سے چیزیں کی نئے ناچیں چھین لی گیں۔ ”شاہ زینی اپنی پھوپٹا نئے کھڑا اختر جاتا تھا۔“ ہیں اس نے تھماری باشی سی نیس اور شاید پیدا ہو گیا تھا دو اس طور پر۔“ زینی نے جب ایک تینوں ہرث تو نہیں ہوئی۔“ عروس سنتھم نے ذرتنے کی او اکاری کی۔

”کیا کروں شاہ زینی کی تخت سے اٹکنے ہے کہ تمہیں ہرث نہ کیا جائے۔ وہ تھمارے لیے پاکل جو ہے۔“ عروس سنتھم نے۔

”اس نے جب تم سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میرا دل مورنی بن کرنا ہے کو جانے کا۔ جب وہ خود اپنی دھمی رگ مجھے تھما رہا تھا تو مجھے یا گل لکنے نے کام تھا جو میں بھیجے ہتھی۔ اپنی بھائی عالمگور کو ناراشی کر کے تمہیں یہاں لائی کر دی تھی۔“ اگر تم رچ میں نہ آتیں تو میان عزمی از جان یعنی کی تک روی تھی۔ عالمگور کی تک روی ہوئی اور وہ اسے نامہ سے کروائی۔ عالمگور کی تک روی ہوئی اور زینی نے سارا میان چیخ کر دیا اور یہ زینی دادا ہے اچھا ہوا۔“ زینی تھی خیرے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ اُن کے انداز سے ظاہر تھا ان کے سینے میں کوئی راز دُن ہے۔

”شاہ زینی جو میری محبت کا دام بھرتا تھا تمہیں بیہا کر لائے پیں اس کی نظر میں غلطیں بن چکیں ہوئی۔“ یادوآف امارتی منتقل ہونے تک یہ کھیل ابھی چندہ ماں اور جل سلما تھا تم اس کمر میں

بہت کر کے لوٹ آیا تو وہ نہیں تھی۔ اس نے دیر کردی تھی۔ تیر کمان سے لکل چکا تھا۔

”کیے؟“ اس کے پیچے بچنے بولوں سے پمشکل لکلا۔ ”غمہ کے کی مہربنے تو نہیں کہا ہو گا کہ یہیں تمہاری خوشی عزیز ہے۔ شاید کسی ملازم نے وہ کون ہے میں جلد پتا کر لوں گی۔“ عروس سینگم دلا سادے رہی تھیں۔ شاہ زیان کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ دے دھے گیا تھا۔

”تم خود کو سنبالو۔۔۔ میں نے اسے روکتے کی بہت کوشش کی ہے۔

غمہ وہ تم سے بے خلفت کا اظہار کر کے چل گئی، اس نے کہا ہے اگر تم اس کے پیچے آئے تو وہ خود کشی کرنے کی اور یہ کہ تمہارے ساتھ کڑا رہے وقت پاسے ساری زندگی چھٹاوا رہے گا۔“ عروس سینگم کی باتیں شاہ زیان کو خوکھلا کر تھیں۔ وہ دوسرے لگتا تھا۔

”تم فکرنا کرو میں کوشش کروں گی اسے منانے کی، میں جوں ناں تمہاری ماں۔“ وہ اس کے بال سہلاری تھیں۔

”میں بہت پر اہوں بہت بڑا۔“ عروس سینگم اسے پہ مشکل سنجال رہی تھیں۔

وہ جیسے حواس کھونے لگا تھا۔ جیجیج کے زینی کو پکار رہا تھا، اس کی جیجی کس کا زیر اور انا بھی آ کے تھے۔ شاہ زیان اسی حالت دیکھ کر دلوں پر شاین ہوئے، حقیقت جان کر ان کے ہدوں سے بھی جان لکل گئی تھی۔

”ازیز مرچیز بخوبی دیر اور اس کی یہی حالات رہی تو اس کے دماغ کی رنگی رنگی بھٹکتے ہوئے تھے۔ شاہ زیان اسی روتے ہوئے کہا۔ ازیز بھاگ کر دوا لے آیا۔ زبردست دوا کھا کر عروس سینگم اس کا سرگود میں رکھے اسے سونے کی ترغیب دے رہی تھیں۔

”چکچک دیرا رام کرو شاہ زیان پھر ہم اس مسئلے کا حل سمجھیں گے۔“ عروس سینگم اسے بہلاری تھیں۔ وہ غودی میں جانے کا

تو نہیں نے دلوں کو ہار جانے کا اشارہ کیا۔

”اب ساری زندگی میں اسی پل کا سہارا لیتا پڑے گا۔“ عروس سینگم کے انکشاف پر شاہ زیان پھر گایا، بے پناہ خوف اس کی آنکھوں میں آگیا تھا۔ ایک اسی خوف سے کہا کسی اور سے یہ حقیقت پہنانتے ہی پندرہ دن وہ اپنے آپ سے لڑتا رہا تھا۔ اس کی دوری برداشت تھی اور جب خود میں سزا بھکتے کی

شاہ زیان کے ہاتھوں بے قوف بون، اس کی ہجوم کے بازی کو محبت بھجو۔۔۔ شاہ زیان کو تم سے محبت دیتے نہیں ہے وہ صرف اپنی غلطی کا ازالہ کر کے اپنے تمیر کے آگے سرخو ہوتا چاہتا ہے، اگر وہ اتنا چاہو تو تمہیں اندر جھرے میں کیوں رکھتا؟“ عروس سینگم اب ہمدردی کر رہی تھیں۔ زینی کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔ اتنا بڑا فریب، اتنا بڑا ہو کا، وہ رود رکراشت سے اپنے ہم جنم کو سامنے لاتے کی دعا کرتی رہی، مجرم اس کی آنکھوں کے سامنے تھا لیکن اس میں پچھائے کی بسیرت نہ تھی۔

پوسے گھر میں اسے ڈھونڈتا آواز دیتا آخر میں وہ بیدہ رہ میں آیا مگر وہ یہاں بھی نہیں تھی۔ اس کی بے قراری سوا ہورہی تھی، اتنے ذوق کے بعد وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا گھر وہ کہیں ظفر ہیں آرہی تھی۔

”زینی۔۔۔ وہ اس پکار باتھا پہل فون انھما کر کال کرنے لگاں کا نمبر بیندازنا، اس کے خال میں وہ ہر وقت وہ منتظر رہتی، اتنے دن وہ دوسری پس اپنے اپنے ہوئی گھر وہ کہیں ظفر ہیں آرہی تھی۔ وہ خاموش بیجب قہارہ عروس سینگم کرے میں واپل ہوئی۔

”نام زینی کہاں ہے؟ ظفر ہیں آرہی۔“ عروس سینگم کے چہرے کی پیغمبرتا کو گھری نظر وہ سد کھینچ لگا۔

”زینی بہت ناراض ہے مام، جو سامنے نہیں آرہی۔“ وہ بے چین ہوا۔ ”میں نے بہت دن لگا دیے ہیں۔“

”زینی اپنے گھر جلی گئی ہے بھی نہ لوٹ کر آئنے کے لیے۔“ عروس سینگم کی بات پاس نے بے شکنی سے انہیں دیکھا۔

”ایسا کیسے کر سکتی ہے وہ؟ میں بھی اسے کر آتا ہوں۔“ وہ روازہ کی طرف بڑھنے لگا۔

”بات سو شاہ زیان۔“ عروس سینگم کی پکار پاس کے بڑھتے قدم کے

”مام وہ ناراض ہو گئی میں چاروں کا کہہ کر پندرہ دن میں بلوٹا ہوں، میں اسے مناؤں گا۔“ اسے یقین تھا۔

”وہ جان گئی ہے کہ جعلی نکاح نامہ بھیجنے والے تم ہو۔“ عروس سینگم کے انکشاف پر شاہ زیان پھر گایا، بے پناہ خوف اس کی آنکھوں میں آگیا تھا۔ ایک اسی خوف سے کہا کسی اور سے یہ حقیقت پہنانتے ہی پندرہ دن وہ اپنے آپ سے لڑتا رہا تھا۔ اس کی دوری برداشت تھی اور جب خود میں سزا بھکتے کی

وہ کسی پرسوں پر ستان کی سیر کو چلی گئی تھی۔ جہاں ایک

اسے کچھ کہنے کا آپ لوگ مجھے بھجوں کر دو بارہ اس شخص کے ساتھ رہنے کو کہہ رہے ہیں اگر آپ لوگوں کے لیے میرا جو جو سارے تھانے اس کی جانبت کا احساس رہتی تھی جیسے گھری نیند سے جاؤ گئی تھی۔ بس انسان کو وہ ہر لمحے کے آٹھ پھر اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کے بے حد قریب رہا جو وہ بصیرت کھو چکی تھی۔ اسے پہچان نہ سکی۔ اسے اسے وجود سے رہے تھے۔

“یام بھائی کی حالت مجھ سے۔ بھی نہیں جا رہی۔” شاہ زیان کو سلسلہ بندوں کے ذمیہ سوہا دلکھ کرتا سے مزید برداشت نہ ہو سکا، تو وہ رونے لگی۔ وہ جب جاتا تھا تھی کوئی حقیقی کے پکارنے لگتا تھا۔

“میں بھائی کے پاس جاؤ گا، انہیں سمجھاؤں گا۔” ازمر نے پلان بتایا۔

“میں نے تمہارے ذمیہ کو انفارم کر دیا ہے وہ آکر جو فیصلہ کر دیں گے وہی بہتر ہو گا، تم میں سے کوئی کچھ نہ کرے۔” عروس نیکم نے تھیہ کی۔

“آپ نہیں چاہتیں کہ بھائی تھیک ہو جائیں اور یہ تب ہی ہو گا جب بھائی لوٹ کر آئیں گی۔” ازمر پریشان تھا۔ چاق و چور بند رہنے والے شاہ زیان کو اس حالت میں دیکھ کر انہوں نے پورا تھا۔

“آپ کو رس میں بھی چاہتی ہوں۔ میں نہیں مانتے گی میں نے اسے بہت سمجھا تھا۔ دلوں چھوٹے تو اس محالے سے دور ہو۔” عروس نیکم محبت دکھا کر جاں پال کی تھیں۔

“کتنے خوش تھے بھائی میں نے۔ بھی انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ انہار میں کوئی۔”

“بھائی بھی کتنی اپنی ہیں..... ہم غلطی کی اگر اسی وقت بھائی کو اعتماد میں لے کر سب بتا دیتے تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔”

“تھیک کہہ رہے ہو۔” اتنا نے اتفاق کیا۔

“ذمیہ آجائیں جلدی سے اور سب پھر سے تھیک ہو جائے۔” اتنا نے دل سعد عطا کی۔

“میرا تو پچھ کر کریں دلوں نہیں چاہ رہا۔.... شدھتوں میں دل لگ رہا ہے نہ کسی اپنی ویسی میں۔” ازمر نے اوسی سے کہا۔ بلاشبہ شاہ زیان ان سے بہت محبت کرتا تھا، صرف اس ایک داغ کی وجہ سے۔ برسوں میں نے دعا کی کہ اللہ تیرے حرم سے میرا سامنا کرائے اور آج جب اس کا چھوڑہ سامنے گیا ہے تو جائے

نفرت محسوس ہوئی، کتنا عصوہ اس کی جھوٹی محبت کا گھوٹت ہیتی۔ ری اور اب اس کی نشانی اس کے اندر سا سی لینے لگی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اسے اندر کے وجود سے نفرت محسوس نہ کر سکی۔ فردوں اس کی احباب آمدرا خاموشی پر پریشان ہوئی تھیں۔ کہاں وہ میں نہیں دکھائی تھی اور اب اسے آئے دو دن ہو گئے تھے وہ کچھ نہیں بتا رہی تھی، ضاء اور احمد بھی پریشان ہوئے۔ علیہ کو کھد بدگی ہوئی تھی مگر اس کی خاموشی نہیں توڑ رہی تھی۔

فردوں نے عروس نیکم کو کام کی تھی۔ عروس نیکم کی زبانی انہیں یہ روح فرما جب تک تو فردوں کی کچھ لمحے بولنا بھول لئیں۔

“میرے میں نے ایک غلطی کی مگر اس کا ازالہ کر کی کیا اسکیں آپ کی بھی کے مزاج نہیں مگر میانے کے میرے میں کوئون سالزیوں کی کی ہے میں جلدی اس کی دوسری شادی کروادوں گی۔” عروس نیکم جانے کیا کہہ رہی تھیں فردوں نے فون بند کر دیا، حقیقت جان کر پیارا اور احمد بھی تھکر ہوئے۔

“میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی، دال میں پکھکالا ہے، ورنہ کوئون یہو سے خوش خوش شادی کرتا ہے، انہیں لگا ازالہ کر کے اپنی آخرت سوار لیں گے۔” علیہ کی طرفی زیان کو احمد کی جھوٹی نظردوں نے چھپ کر لیا۔

“اں کا یہ سلسلہ تو زینی اور شاہ زیان ہی کر سکتے ہیں، زینی سب بھول کر شاہ زیان کو معاف کرو۔ تو قیامت ختم ہو گئی ہے۔” ضیاء کا بچھکا ہوا تھا، زینی اسی لمحے اندر آئی تھی۔ اس نے ضیاء کا جملہ سن لیا تھا۔

“معاف..... کیا کیا معاف کروں..... بھول جاؤں کہ کیسے لوگوں کے مجھے میں آپ سب نے میرے سر سے اقتدار کی چادر جھوٹی تھی، بھول جاؤں، ان ماں اور بھنوں کو جو سرایوں نے میرے جسم پر داشت، بھول جاؤں، جھفری کو کتنے گنے لفظوں میں مجھے پکارتا تھا، صرف اس ایک داغ کی وجہ سے۔ برسوں میں نے دعا کی کہ اللہ تیرے حرم سے میرا سامنا کرائے اور آج جب اس کا چھوڑہ سامنے گیا ہے تو جائے

”شاہ زیان۔“ انہوں نے آواز دی گروہ جانے کس دھن میں تھا جو ان کی پکار بھی نظر انداز کر کے گاڑی نکال لے گیا۔ ڈاکٹر میزہ سے روپوں لے کر اس نے بغور پڑھا۔ زینی پر یقینت بھی۔

”زینی اب دنیا پوری قوت بھی لگائے تب بھی میں تمہیں خود سے دور نہیں چانے دوں گا۔“ زیریں دھرا تے اس نے گاڑی اشارت کی تھی۔

اے اپنی انگلی سے روئی جیسی زرم چڑی پتی محوس ہوئی۔ وہ روئی نہیں کسی لوز اندیش کی الگاں تھیں جس نے اپنے نرم نرم چھوٹے ہاتھ سے اس کی انگلی پڑھی تھی۔ اب اس کا چھوڑ داۓ ہوئے لگا تھا وہ اس کی طرف سکرا کر دیکھ دیتا۔ فتحاں کی شور سے نوزادیہ دبک گیا۔ شور مسلسل ہو رہا تھا۔ شاہ زیان کی آنکھ کمل گئی تھی۔ اس نے شور کرتے ٹون کو دیکھا۔ کوئی اجنبی نہ سمجھا۔ اس نے کال رسیوکی۔

”بیلو..... بیلو شاہ زیان میں ڈاکٹر میزہ بات کر رہی ہوں۔“

”جی ڈاکٹر میزہ کہیں۔“ اس کے حواس بحال ہونے لگے۔ ”آپ کی سرزکی کچھ روپوں میرے پاس بڑی ہیں میں نے عروضہ تمہارے کمال کی گروہ وابیس پک کرنے نہیں آئیں۔ اس لئے آپ کو سخت دی کر روپوں بیٹیں حکومت جائیں۔“ ڈاکٹر میزہ نقشیں سے بات کرنے کی عادی تھیں۔

”کسی روپوں؟“ وہ حیران ہوا۔

”کمال بے آپ کو خوبی نہیں۔“

”انچوپی میں آئتا فٹی تھا۔“ وہ تھجس ہوا۔

”انچا اچھا تھا جی زینی نے آپ کو سر پر ازدیے کا سوچا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے آپ کی سرز عروضہ تمہارے کے ساتھ آتی تھیں میرے پاس چیک اپ کے لیے آپ ڈیٹی بنے والے ہیں۔ اسی سلسلے میں زینی کے کئی میٹ ہوتے تھے انکی روپوں تیار ہیں۔“ شاہ زیان جھکتے سے سیدھا ہوا۔

”اڑیو شورڈاکڑ؟“ اس نے بے لفیقی سے پوچھا۔

”ظاہر ہے میں نے ہی چیک اپ کیا شاہ زیان اور اتنی بڑی خوشی کی بات میں بغیر شور لیے کروں گی لیکن لگاتا ہے میں نے زینی کا سر پر اتر خراب کر دیا۔“ ڈاکٹر میزہ کو خوش ہوا۔

”میں میم بیتین کریں آپ نے مجھ میں تو اتنا بھر بڑی ہے، چھیک یو سوچ آئم رہ جعلی چھیک فل۔“ میں بس تھوڑی دیر میں رہا ہوں روپوں پک کرنے۔ تشرکا الٹھار کر کے اس نے فون رکھ دیا۔

”ہمارا چچا۔“ اسے وہ خوش کن لس یاد آ گیا، آپ ہی آپ اس کے رب مکرانے لگے۔ ساتھ خوش کن احسان تھا کہ وہ سب بھول کیا تھا۔ جیزی سے اٹھ کر اس نے کپڑے پیچ کیے اور تیار ہو کر دے کر سے نکل آ گا تھا۔ عرب سنتھاری طرف آ رہی تھیں اسے ایک شوار تیار کی کرنی ٹھانیے کچھ بول نہ سکیں۔

شادی کو رکونے کے لئے یہ حرکت کی تھی باضابطہ ذرا بھی جو لے کر آپ ہوں۔ وہ اپنے لوٹ کر زندگی کو اپنی حرکت کی سزا پاتے دیکھا تو خود کو اس کا مجرم بھج کر آپ لوگوں سے دست سوال پچھلایا۔ اس وقت حقیقت چھانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ لوگ جذبات میں آ کر غلط فیصلہ کرتے۔ میں باہم ہوں کہ میں آپ سب کا مجرم ہوں لیکن یہ بھی تھا ہے کہ میں زندگی سے بے حد محبت کرتا ہوں اور اب جب وہ مال منے والی ہے تو میرے لیے پہلے سے کہیں زیادہ انتہت اختیار کر سکتی ہے میں اسے کسی صورت کھو نہیں چاہتا۔ ”شاہ زین اکا اعتراف جنم سب نے سن اور کسی کو بھی اسی پر عکس نہیں تھا۔ سب کے لیے زندگی کے ماں بننے کی خبر بھی تھی تھی۔

”زندگی... سب بھول کر مجھے معاف کرو۔“
”بھول جاؤں... کتنا آسان ہے۔ آپ کے لیے یہ سب کہنا، ہر اڑاکت برداشت کرتے ہوئے میں اپنے مجرم کا چہہ دیکھنے کے لیے تریخی اور اب وہ چہہ میرے سامنے ہے۔ میں بے حد نفرت کرتی ہوں آپ سے۔“ وہ اس پر الفاظ کے پتھر بر ساری تھی۔

”پیغمبر زندگی ہمارے بچے کے لیے ہی ختم کرو یہ سب۔“
شاہ زین نے بجا جت سے کہا۔ وہ ایک پل کو اس کی باخبری پر جھکی، اگلے پل اس کا لامبھ جھک کیا۔
”میں کوئی ختم نہیں کروں گی، ختم ہو گا تو ہمارا شہ...“ میں اس کا لامبھ اٹھا۔ شاہ زین کا ہر آپ کے سامنے نہیں رہ سکتی۔ اس کا لامبھ اٹھا۔

لظاہ سے ناقابل قبول لگدے ہاتھ۔
”زندگی پاپیز مر کرو ایسا... میں مر جاؤں گا۔“ اس کا لامبھ پاپیز روازہ کو ہوا۔ مسلسل دلچسپی دے رہا تھا اندر وہ دھیٹتی پیغمبری رہی۔

”زندگی پیغمبر زندرو روازہ کو ہوا۔“ وہ مسلسل دلچسپی دے رہا تھا اندر وہ دھیٹتی پیغمبری رہی۔
”میں ساری زندگی اس بندرو روازے کے باہر تھا را انتظار کر سکتا ہوں۔“ اس کے اخلاں نے زندگی کا گھبل کر دیا اس نے جھکے سے دروازہ ہوکوں دیا۔
”کیوں کرس گے میرا انتظار؟“ وہ غصے سے چلائی، اتنے دلوں بعد اس اتنے قرب سے دیکھ کرہے مسکایا۔

”کیوں کرم سے محبت کرتا ہوں۔“
”بند کر کریں اپنی محبت کا ڈھنڈو را پیشنا۔“ کھل گئی ہے آپ کی اصلاحیت۔ وہ جھانپا ہوئی۔
”زندگی میں تم سے دور صرف اسی لیے گیا تھا کہ وہ اپنے فون پر سمجھایا۔ وہ چپ کر کر سی رہی تھی۔ اس کی کے لظاہ میں نہیں اتر سکتے۔ شاہ زین بھر جاتا یا تھا۔
”زندگی اٹھی کشید کیوں ہوئی ہو، سہیں تو مجھے سے محبت کا دعویٰ تھا۔“ اس کے اڑاکلیں انداز پڑھوئے لگا۔
”آپ کی اصلاحیت حلے تھی، بر جیز نے رنگ بدل لیا اور بچھے ہوئی۔“
”کھو تو مجھ کا پنے اب بھی دیا ہے۔“ اس کے لجھ میں اب یہ عالم ہے کہ آپ کی ٹھکنی ہوں تو مجھے اذانت ہوئی ہے۔ وہ نفرت سے کہہ کر رخ پھیرتی۔ شاہ زین نے جھکٹ نفرت تھی۔
”زندگی میں نے صرف تھماری مرثی کے خلاف ہوتی سے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔“

”پھر سے کہ جمیں میری تکل دیکھ کر اذیت ہوتی ہے۔“ وہ بے لینیوں ہواں نے بچکے سے خود کو چھڑایا۔

”شاہ زیان کو پکننکیں ہوگا۔“ اس کا الجھ پر یقین ہوا۔

”یقین بول رہی ہو۔“ عروس بیکمیں۔

”اپنے مجرم سے غرفت الگ تکن میں آپ کو جنتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی جس نے ایک ظیہ مرثیتے کو بنانم کر دیا۔“ وہ غرفت سے اسے دیکھ دی تھی۔

”آپ شاہ زیان کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکیں گی یہ خیال بھی اپنے دل سے نکال دیں۔“ زینی نے دلوں لمحے میں کہا، کسی کی آمد پر عروس بیکمہ وہی صورت بنا کر بیندھکیں۔ ایک ایک لمحہ گراس گز رہا تھا۔ آپرشن چاری تھا۔ بلا خداوند اسی کی زندگی کی نوید لے کر باہر نکلے تو سب کی جان میں جان آئی۔ اس کے انداز پر چونکہ مگر نزد رہنیں پڑی، شاہ زیان تیری سے چلا گیا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل دھڑک لختا، وہ اس کی دلیاں کیں تھیں۔

”کیا شاہ زیان کی اتنی بڑی غلطی تھی کہ وہ اسے معاف نہیں کر سکتی تھی اگر شاہ زیان اسی حکمت نہیں کرتا تو وہ کیسے اس کا نصیب نہیں؟ یہہحوال تھے جس کا جواب نہیں تھا۔“

”مجرم سے اعتراف کر لیا تھا کہ اسے شاہ زیان کو مار گٹ کرنے کے لیے بیججا تھا، پولیس ارسام کو گرفتار کر کیجی ہے۔“ شاہ زیان کو کسی نے ہار گٹ کیا ہے، اسے دو گولیاں گی جیسے فربز ہوتی تھی۔ وہ اس کی وجہ سے اس وقت اذیت برداشت کر رہا تھا، اسے خود سے غرفت محوس ہونے لگی۔ کیا دیا تھا زینی نے اسے جوہو اس پر جان نکل چھاوار کرنے تھا۔ اگر کوئی اور مارتا تو یہ کام وہ خود کر لیتا تاکہ اسے اذیت نہ ہو اسے وارڈ میں شفت کر دیا گیا تھا۔

”پھٹکت کوہوں آچکا ہے آپ لوگل سکتے ہیں۔“ داکٹر نے پورے قشٹ اندمازے کہا۔

”زینی کوں ہے پبلے دھچل جائیں بے ہوشی میں ہی یہاں باریا لے رہے تھے۔“ داکٹر کہ کر چلا گیا۔ سب کی نظریں اس پر پھر گئیں۔

”زینی..... میرا بینا تم سے بہت محبت کرتا ہے۔“ واصف گلوکیر بیچ میں کہہ رہے تھے۔ اس نے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

”بچا را شاہ زیان جانے کیا نصیب لکھوا کر لایا کے کہ اس کے نصیب میں کسی عورت کا پیار نہیں لکھا۔ مال تین سال کی عمر

”تم.....! حیرت ہے..... تم آ گئیں۔“ عروس بیکم اس کے سامنے نہیں زینی کو ان کے چہرے پر خوشی نظر آئی۔

”ہاں میں بہت خوش ہوں..... میرے راستے کا کافی جو لکھنے والا ہے۔“ ان کا الجھ اتنا سفاک تھا کہ زینی کے دل پر کسی

میں چل گئی۔ میں نے ساری زندگی پیار کا دکھاوا کیا اور آخہ میں
بچی تھی تو مجھ سے بھی زیادہ فقرت کرنے لگوگی۔ عروضہ بنیم
بازگشت اس کے اردو گروپ کو جو بھی تھی۔

“زینی! اگر بھی تمہیں میرے بارے میں کوئی اسکی بات ہے
گے جو تمہارے لیے قابل فخرت ہو تو کامی بھی سے فخرت کرو
گی۔ شاہزادیان کے سوال نے اس کے گرد چل رکھا۔ وہ اس کے
زندگی کی بھی۔ ذوب اور شینوں میں جکڑے اس کے جسم کو
اس نے بہت خاموشی سے دیکھا۔ زینی نے بیٹھ پا تھا رکھا،
اس نے پڑتے سے نکھل کھول دیں۔

”شرمندہ ہوں کہ تمہیں میری قلکل دیکھا پڑی۔“ اس نے
ڈرپ کی نیڈل زکانا چاہی تو زینی نے اس کا باہم قمام لیا۔
”ہر وقت اپنی کرتا چھوڑ دیں مشرشہزادی زین۔“ عجیب
حوالیں بھر اپجھا۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔
”اب وہ ہو گوا جو میں کی اور میرا حکیم یہے کہ شرافت
سے ٹھیک ہو جائیں۔ وہ بارہ ایسی حرکت نہ ہو۔“ اشارہ ہاتھ کی
طرف تھا۔
زینی سسلہ پاپل میں تھی وہ اس کا خیال رکھ رہی تھی۔
اسے عروسہ بنیم سے کوئی اچھی امید نہیں تھی اسے ڈسچارج کیا
جا رہا تھا۔

”تم گھر چلوگی نا؟“ اس نے بہت اس سے پوچھا تو
اس نے سیر ہلایا۔ ازمری کے ساتھ ہمارا دادے کروہ اسے کرے
تک لالی تھی۔
”یہ کون ساتا نکل کر رہی ہو تم؟“ عروسہ بنیم کو اس کا وجود
دیکھ کر حیران ہوا۔
”یہ کون ساتا نکل کر رہی ہو گیا؟“ عروسہ بنیم کو اس کا وجود
برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

”میں صرف شاہزادیان کو آپ کے ارادوں سے بچا رہی
ہوں۔“ اس نے صاف تھی سے کہا۔

”کب تک بیجاوگی لئے بھری کو؟“ عروسہ بنیم اس پ
ہنسیں۔ وہ اس کا کامل دھیان رکھ رہی تھی۔ بکروہ جو بھی کوئی بات
کرنا چاہتا ہو کی تکراجی تو وہ روپ صحت تھا۔
”میں واپس چارہ ہوں۔“ وہ اپنا بیک لیے کھڑی تھی۔
شاہزادیان نے جیرائی سے استدیکھا۔

”جب جانا ہی تھا تو آئی کیوں تھیں؟“ وہ خفا ہوں جان گیا
تحاوہ ابھی تک اسے معاف نہیں کر سکی۔
”زینی نے ہمیں بتایا تھیں۔“ عروسہ بنیم نے گل کیا۔ ازمری
انہوں نے اپنے تاثرات ناول رکھے۔
”آپ کے اردو بہت دشمن ہیں ان سے بچانے،
اب آپ ماشاء اللہ تھیک ہیں تو آپ کو میری ضرورت نہیں
”رسیلی.....!“ واصف نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ایسے وقت میں زینی کو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے کہ
لتنی بے نی ہے۔" عروضہ بیگم نے مصنوعی دعا ریا۔
"میں زینی سے بات کرتا ہوں۔" واصف نے سوچے
ہوئے کہا۔

"وہ اس وقت بہت غصے میں ہے۔۔۔ کسی کی بات نہیں
سمیٹے گی۔" شاهزادیانہ لکھ رفت تھا۔
"خطلی ہو گئی جو صرف پلوڈی نے پا اکتفا کیا۔" وہ فرشت سے
سوچ کر رہا۔

"اسے تھوڑا انتہا دیں۔" واصف بھی سرہلانے لگکر
"شاهزادیانہ اسٹنڈی میں آؤ تم سے کچھ بات کرنی
چاہئے۔" واصف کے گھم پا اس نے سرہلا، عروضہ بیگم کے کان
کھڑے ہوئے۔

"لیکن کیا بات ہے؟" نہیں کھد بدھوئی۔
"کچھ نہیں۔ بیس ذل کی تعظیلات یعنی ہیں۔"

واصف کے ہجاب سے آئیں تسلی ہوئی۔ وہ اپنے کمرے میں
چل گیکی۔ اب اسے کیا کرتا ہے پلان کرنا چاہرہ ہی تھیں۔

"وہم دو کافی لے کر اسٹنڈی میں آؤ۔" واصف نے ملازم
سے کہا۔ وہم کافی کی تیاری کوچل دیا۔
"بھائی کیسے مانیں گی بھائی؟" ازیم اداس تھا۔

چپ رہا۔
"کچھ کہنیں سکتا۔" اس کا الجواب اسی لیے ہوئے تھا۔
"میں بھائی کو منانے کی کوشش کروں گا۔" ازیم نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اتنا بھی خواہش
ظاہر کی۔ وہ بہن بھائی کی محبت۔ مکرایا اور انہ کراں نڈی روم
میں چلا گیا۔ واصف اس سے ڈلیں کے متعلق معلومات لے
رہے تھے۔ وہم کافی لے آیا۔ دلوں کے آگے کافی رکھتے وہ
سیدھا ہوا۔

"بھنو ہو میں..... بتاؤ کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" واصف نے
ملازم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شاهزادیانہ چونکہ کر سیدھا ہوا۔ اسے
واصف کے انداز میں کچھ غیر معمولی لگا تھا۔

"زینی بی بی کے گھر چھوڑ کر جانے سے پہلے میں صاحبان
سے کافی درست باتیں کریں رہی تھیں۔ ازیم اور بانی بی گھر پر
نہیں تھے۔ وہم نے بولنا شروع کیا۔

"کسرا رات تھی کہ روزگار تھیں۔" واصف سے ملنا مل جاتے تھے لیں
"کسرا رات تھی کہ روزگار تھیں۔" واصف سے ملنا مل جاتے تھے لیں

ان کا پرانا تجھ تھا اور عروضہ بیگم اس بات سے بے خبر تھیں۔ ورنہ وہ
اتی بڑی غلطی بھی نہ کرتی۔

"یہم نے زینی بی بی کو بتایا کہ شاہزادیان صاحب ان کے
سو تسلیے بیٹے ہیں اور وہ جا چلتی ہیں کہ بیس کی پاوار آف اٹارنی
شاہزادیان صاحب کے نام تھیں ازیم صاحب کے نام ہو۔۔۔
لیکن جب شاہزادیان بیانے زینی بی بی سے شادی کی خواہش
ظاہر کی تو یہی کہ ان کا پلان تھا کہ ایک دن وہ زینی بی بی کو جائی
تھا کہ ان سے دو رکریں کی اور سرپرے مسائل میں بخوبی بڑیں
کو نام تھیں دیں اس کے لئے انہوں نے تین دن شاہزادیان
سرپرے بھاری مقدار میں پلوڈی تھیں۔ وہ انہیں اس کا عادی
ہنا تباہی تھی تھیں لیکن سرکی ول پاور ہی بے کیا آن اتنے بڑے
حادثے کے بعد بھی ایکٹو ہیں۔" وہم ہر حقیقت سے پورہ اٹھا
رہا تھا۔

شاہزادیان جان گیا تھا کہ یہ عروضہ بیگم نے کیا ہے، پنج کی
بات۔ انہوں نے جس طرح ری ایکٹ کیا تھا اس پر اسی لئے
 محل گیا تھا کیونکہ اکثر منیزہ نے کہا تھا کہ زینی عروضہ بیگم کے
ساتھ ہاصل آئی تھی۔ صرف سوتیلے والی بات پر وہ چونکا تھا۔
واصف کے چہرے پر غصے کا ٹارا ہجرنے لگے۔

"یہم کو لاوٹنے میں بلا کا۔" واصف نے وہم کو بھجا۔
"آم چپ رہو شاہزادی۔" واصف نے اٹھتے ہوئے
گھر کا۔

"ڈیٹا اور اڑا میں پر اڑا پڑے گا۔" اس نے سمجھا تھا۔
"جب عروضہ بیگم نے اسکے سال بعد سوتیلے پن دکھایا ہے
تو ان کی احتیت بھی تو سامنے ناچا ہے۔" واصف منور میں
فیصلہ کرنے والے انسان تھے وہ دلوں کا لوٹنے میں آگئے۔ شاہزادیان
پریشان ہوا۔۔۔ وہکی ہنگامہ تھیں چاہتا تھا۔

"ڈیٹی بیٹیز..... بریکویٹ۔" "تمہارا گھر اجاز دیا اس عورت نے اور تم اس کی سائیڈ
لے رہے ہو۔" واصف نے اٹھا، ان کے پچھے میں دکھ کا
ریگ براہ راست۔

"کیا ہوا۔۔۔ کوئی خاص بات؟" عروضہ بیگم چلی آئیں۔
"تم نے کہس سے ملے جو ملے ہوا کہیں کہیں پر پھر پھر کہا۔" وہم

بے حد خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ عروس سیگم نے چونکہ کرو اصف کے غصے سے لال چہرے کو دیکھا۔ درمری نظر سر جھکا کے بیٹھے شاہ زیان کو انا اور از میر بھی آگئے تھے۔ حاولی بی بیجڑا انہیں بھی محسوس ہوئی۔ سور شریما اور جامیلوں کی طرح لڑتا ان کے گھر میں نہیں ہوتا تھا، اب جب ایسا ہو رہا تھا تو ان کا حیر ان ہوتا بجا تھا۔ عروس سیگم کے چہرے کا رنگ فتح ہوا۔

”میں تو ایک دن تمہارے چہرے کے رنگ پچان گیا تھا جس دن میں نے پاؤ آف اٹاری شاہ زیان کے نام کرنے کی تھے سے بات کی تھی۔“ واصف ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے بات سنجانے کی کوشش کی۔

”چار سال شاہ زیان کو تہاری گود میں دیتے ہوئے میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ میر ابھی میرے لیے کیا ہے لیکن تم نے اپنا سوچتا ہیں رکھا ہی دیا۔“ انا اور از میر جو حرث سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہر چلی بن، کر گری تھی ان پر۔ ”پاؤ آف اٹاری میں کب کا خصل کر چکا ہوتا شاہ زیان کے نام تک میں اس نے مجھے روک رکھا کیونکہ جان کیا تھا مہارا اصل چہرہ سب کے سامنے آجائے گا اور یہ تمہیں ہی شرمندی سے بجائے کے لیے یعنی تھا کہ میں از میر کے نام کروں۔“ واصف کو تم غصیٰ تھا تھا لیکن غصیٰ میں جب بولتے تھے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی انہیں روکنے کی۔

”سوچتے ہیں میں تھا شاہ جاہی تھی ہوتومیں.....“ اس سے سلے کہ کرو اصف کے منہ سے کوئی خونا ک لفڑاں لکل کر عروس ہیکم کو ان پر حرام کر جاتا۔ شاہ زیان تیزی سے اٹھ کر ان کا ہاتھ قحہم گا۔

”ڈیپیٹیز..... پلیز ڈیپیٹیز پر کھنڈہ بولیں..... آپ کیمیری قسم۔“ شاہ زیان انہیں اس نظر سے لے جانے لگا۔

”چھوڑو مجھے اس عورت نے یہ صدیا مجھے“ واصف نے اپنا آپ چھڑانا چاہا۔ عروس سیگم کا خیل ختم ہو گیا تھا۔ ان کی عمر بھر کی ادا کاری کا پردہ فاش ہو گیا تھا۔ وہ سب کی ملامت بھر کی نظریں کی زدیں خود کو اخافنے کے قابل نہیں کھجھ رہی تھیں۔ واصف اگر کوئی فیصلہ کر لیتے تو وہ کیا کرتیں۔ ان کے پیارا کھڑنے لگتے تھے وہ

از میر بھی شاہ زیان کے ساتھ واصف کو مخفیاً کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو قوں انہیں امدادی میں لے آئے تھے۔ ان کی سانس تیز ہو گئی تھی۔

”فیفر ٹیکس پلیز سب تھیک ہو جائے گا..... زندگی لوٹ آئے کی۔ آپ نہیں نہیں۔“ شاہ زیان ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا اسی چلی آئی تھی۔

”اس نے تمہارے لیے اتنا بڑا پلان بنایا میری اولاد کے لیے.....“ وہ رونے لگے۔ تینوں انہیں سنبھالنے لگے۔

”مام، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی سوچیں.....“ دو قوں میرے بہن بھائی میں اور بھیشور رہیں کے۔ مجھے سے سوچنے کا پاپ نہیں۔“ شاہ زیان نے سلسلی دی۔

”بھائی تھیک کہہ رہے ہیں ڈی.....“ مام نے جو کا غلط کیا۔ اس حقیقت کو جانے کے بعد ہماری بھجوں میں کی نہیں آئے گی۔ از میر کی بات پرانے بھی حملت کی تو انہیں کچھ سکون محسوس ہوا۔

”آپ ہم سے پاس کریں کہ آپ مام سے پھر اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اس نے وعدہ چاہا۔ ”میں اس کی خلک بھی نہیں دیکھنا چاہتا.....“ وہ نفرت سے بولے۔

وہ اس وقت غصے میں تھے لیکن کسی قدر حواس میں لوٹ آئے تھے۔ ذرا بڑی لیکس ہوتے تو ان کو یہ سچھوڑ کر شاہ زیان لا اؤٹ میں آیا۔ عروس سیگم بے حوصلہ کر کر شاہ کے ذرا سے لاغ نے انہیں سب کی نظریوں میں چھوٹا کر دیا تھا۔

”مام.....“ شاہ زیان انہیں اس حال میں دیکھ کر کہہ کر دیا۔ جھوٹا ہی سکی لیکن انہوں نے اس کے لیے پیارا کھڑا تو تھا۔ از میر دور کھڑا تھا، عروس سیگم کا یروپ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”آپ نے بھلے مجھے سوچتا ہیتا کچھ کہا پہاڑا ہو گری میں نے آپ کو بھی سوچتا ہیں سمجھا۔“ ان کا ہاتھ اپنے باہم میں لیے وہ بیٹھا گیا۔ عروس سیگم خالی خالی نظریوں سے اسے لیدھ رہی گی۔

”مام آپ کو جو بھی کہنا تھا آپ مجھے کہیں، میں بھی ذمہ کو اپا کوئی کام نہیں کرنے دوں گا۔ جس میں از میر کے ساتھ زیادی ہو، میں نے اسے اپنا چھوٹا سا بھائی ہی کہا ہے۔“ عروس سیگم کا انسو بننے لگا۔

آپ دنیا کے کسی بھی خانے میں مقیم ہوں

الچال حجاج

بہرہ وقت ہر ماہ آپ کی دبیز پر فراہم کرنے لگے

ایک رملے کے لئے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمل رجسٹرڈ اکثر ج)

پاکستان کے ہر کو نے میں **850 روپے**

امریکا کی نیڈ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

21000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی افریقی ورپ کے لیے

19000 روپے

رقم ڈی ایڈڈا رفت منی آرڈرمنی گرام ویسٹ انیشن کے
ذریعے بھیجا جاتی ہے۔ **مقامی افراد**

ایران پیشہ اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبائل پیشہ اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

بلڈنگ: طاہر احمد قریشی **0300-8264242**

نے اف گروپ آف پبلی کیشن

81 نمبر میرگس، بائی کلب آٹ پاکستان

اسٹیڈیم بیز دا پنل پر میں کرای 10 7555

فون نمبر: 2/35620771 + 922-

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com

”مجھے معاف کرو شاہزادیاں۔“
”ماں میں بیٹے سے معاف کب مانگتی ہیں۔“ اُن نے ان کو
ساتھ لے گا۔ اُنکی آنکھی تھی۔

”بھائی آپ حقیقت سے واقع تھے لیکن آپ نے
کبھی ہمیں ٹکرائی نہیں ہونے دیا۔“ میں آپ پر فخر ہے۔
دلوں عروسہ نیگم کی بجائے شاہزادیاں کے کندھے سے ٹکرے
گئے۔ عروسہ نیگم کو اپنی ہار اور شاہزادیاں کی جیت نظر آئی تھی۔
جیسے تو بہر حال بحث ہی اسی ہوئی ہے۔



زینی نے خلع کا توٹھ بھیجا تھا۔ شاہزادیاں غصے سے پاگل
ہوتے لگا۔ پوری اپیٹی سے گاڑی دوڑا کروادی اس کے گھر پہنچا اور
بغیر کسی سے ملے نہ ہوں پہنچری زینی کا ہاتھ تمام کر کھینچا اس
کے کمرے میں لے لیا۔

”کیا ہے یہ؟“ خلع کے پیروز چیخا کر چینک دیے۔ ”اب
بولو یا کرنا ہے، تم کرتا ہے ناجھ سے حلق، توڑتا ہے ناہر شست تو
یہ لو۔“ جیب سے اس نے تیر دھار چھری تکالی اور سرعت سے
کلاں پہنچیرے لگا۔ زینی کے بھر پور ووکتے کی کوشش میں بھی
کلاں پہ چھری چل گئی تھی۔ اس کا ہاتھ جھٹک کرو دوسروی،
تیری بار بھی یہ حركت درہانا چاہتا تھا مگر اس نے کلاں پہنچی
سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ خون پہنچا گا تھا۔

”کیا دیو یا گئے ہی؟“ چلا کراس نے ہاتھ سے چھری چھین
کرو دو پیچک دی۔ دوپھاں کے ہاتھ سے چھری پیٹھے گی۔

”خون بہرہ رہا ہے ذاکر کے پاس چلیں۔“ دو پہنچے پہ خون
کے حصے کیوں کرو بولکلائی۔

”محظی نہیں جاتا۔“ اس نے دو ٹھکوانا چاہا۔
”پلیز شاہ...“ اس کی سکی لکھی۔

”قابل فرن چھن کے لیے یہ آنسو کیوں؟“ اس نے تصری
اڑیا۔ ”مجھے دیکھ کر ہمیں اذیت ہوئی ہے تو کیوں مر نے نہیں
دے سکیں، کیوں بار بار تھانے آجائی ہو؟“ وہ چلایا۔ ”تم جانتی
ہو تمہاری جعلی میں، میں پل پل ہروں، سکوں تو میں ایسا نہیں
کر سکت۔“ ہمیں رو دیا، جانتا ہوں میں رسمی اللہ گواہ ہے وہ
حرکت صرف ہمیں اور میں سے بچانے کے لیے کی تھی یہیں ہمیں
گلتا ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرنی رہو گی تو کرو۔“ میں ساری عمر
تمہاری نفرت سہبے لوں گا لیکن تم میرے پاس، میرے ساتھ
رہو۔“ اس کا چہرہ دھیما ہوا۔ وہ بے حس نئی کھڑی رنی جیسے دکی

اور سے بات کرہا ہو..... شاہ زیان نے شانے سے تھام لیا۔
”جہیں توں نہیں آتا مجھ پر..... اعتبار نہیں میری
مجبت کا۔“

”بند کریں یہ مجبت کا راگ۔“ اس کے ہاتھ جھک
کرو چلا۔
”اندازہ کر سکتے ہیں اس اذیت کا جو میں نے آپ کی وجہ
سے جھیلی۔ محسوس کر سکتے ہیں میرے دکھوں کو کی نہیں
کیا تھا اعتبار، تم شاہزادا آپ سب نے میرا کسی کو یہی پروا
نہیں تھی تو اب میں کیوں کرو؟“ وہ بند روپی کھڑی تھی۔

”میں تھاہری ساری لکھیوں کا ازالہ کروں گا، جہیں پھر کبھی
بینے ڈوں کو یاد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں تم اور
ہمارا بھی ہم بہت خوش رہیں گے۔“ اس نے چک کر رضاختا۔
”جہیں کیا کا قاتم مجھ سے چھالوگی؟“ وہ اس کے آنسو
صف کرنے لگا۔ اس کی نظر میں میم کے کھڑکی دیوار پر پڑی
اسے وہ دن یاد آگئے۔

”جہیں بھکی روح یاد ہے جو تھاہری فرنڈ لسٹ میں تھا۔“
وہ اسے لیے دیوار کے قرب آگیا۔ زینی نے ذہن پر زور دیا
اسے سب یادا کیا۔
”ہاں بہت ایکوا کا وست تھا۔“
”وہ مت تھا۔“ اس نے سکرا کر کھا۔
”کیا...؟“ لے جانی ہوئی۔

”اس دیوار کے بار تھاہری آوارتی تھی پہلی بار اور جہیں اسی
دیوار سے کہلی باروں تھاہری تھا۔“ وہ خونگوار مولی سے بتانے لگا
”پیریوں کا وظیرہ تو نہیں۔“ وہ مصنوعی تھکی سے اس کو
گھومنے لگی۔

”میں نے کب شریف ہونے کا دعویٰ کیا۔“ اس نے
شرافت سے کہا تو زینی نے سکراتے ہوئے اس کے شانے پر
کھکھا۔..... وہ اُنی سارے تھا اور وہ اس کے سحر سے لکھنا بھی نہیں
چاہتی تھی۔ واقعی حسن یہ عشق بر ابد ذات ہے۔

”بولا کیا چاہیے؟“ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر
حکمت کا سکس درایا تھا۔

”آپ کی جان چاہیے۔“ زینی کی نفرت اس کی مجبت کے
آگے ڈھنگی تھی۔ اس نے کئی ٹھیکی اسے دیکھا۔ ہوئے سے
سکرا کر کے گلے کا لیا۔ مجبت کے رنگ پا گیا تھا۔

”اور کچھ...“ دھیرے سے سرگوشی کی۔ زینی کے آنسو
بینے لگے، یہ بھرم اسے اتنا عزیز تھا کہ وہ نہ چاہیے ہوئے بھی
اس سے دور ہوئی تھی۔ زینی کی خود پر دگی نے شاہ زیان کو اسے
سمیث لیلنے مجبور کر دیا۔

”آپ میرے بھرم ہیں لیکن یہی تھی ہے کہ مجھے بھرے
جیانا آپ نے سکھایا، بننا سکھانا سکھایا آپ کی غیر حاضری نے
احساس دلایا کہ آپ میرے لیے کتنے ضروری ہو گئے ہیں۔
آپ کے بازو کا تکیرہ تھوڑو تھوڑے نہیں آتی آپ میرے لارڈ کو
شہ ہوں تو بھوک پیاس کا احساس نہیں ہوتا، یہ جان کر کہ آپ
میرے بھرم ہیں میں نے بہت کوشش کی کہ آپ سے نفرت
کروں گریں تاکام رہی۔“ وہ اپنی ہارا کا اعتراف کر رہی تھی، اس
کے شانے سے چہرہ نکائے وہ ہوئے کہ رہی تھی۔ اس

مکہنا

ماوراء الالمان

گزشتہ فسط کا خلاصہ

ہپتال کی تاریک اور سرداہ داری میں عورت کی جنین گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس کا شوہرن بھی کوئے کفرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ مددی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔ اذلان اس کا پھوپھڑا ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔ دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی تائپشند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حوالی میں احمد علی چھڈ کا حکم چلتا ہے۔ نوری بی مراجح کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نورا لغمین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چھڈ سفید حوالی کا ہڈا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چھڈ کا لال کالٹ کے شبے میں نام پیدا کر پکھ رہتے ہیں۔



مجھی شہر سے سفید حوالی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی بکرا جاتی ہے۔ عزت لا ہور کی اندر ونی گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میونس خالہ تک تھیں محدود رہتے ہیں۔ حاضر شیق عزت کے لیے زم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دُن رہتا ہے۔

اب آگئے پڑھنے



شام ہوتے میں وقت تھا۔ چوباروں پر سورج کی کرنیں دو پھر ہونے کا یہام دے رہی تھی۔ اس کی صبح ہو چکی تھی اور رات کے لیے اہتمام کرنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اب سے اس کا روز کا معمول شروع ہونے والا تھا جو کہ اس کو کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ لالی بھرتی سے اس کے اروگر گھوم رہا تھا کہ ذرا تاخیر پاس کی شامت آنا کوئی عجب بات نہیں تھی۔

”میں کتنے دنوں سے کھدرا ہوں خود پر تھوڑی توجہ دو، نین تارا کی نظر پر گئی تو میرے جسم سے کھال اتار دے کی..... تمہیں بھی مجھے غریب کی کوئی فکر نہیں۔“ وہ اس کے لیے رات کا بابس تیار کرتے ہوئے مُسلل بول رہا تھا۔ ”لالی..... تمہیں لکھی بار کہا ہے یوں صبح سوریے میرے سر پر سوار نہ ہو جایا کرو، ابھی نین تارا دماغ کی وہی کرنے آجائے گی۔“ اس کی مدد حمّم آواز کر کرے میں ساز کی طرح گوئی۔

اس کا بستر سے اخشنے کا قطعاً دل نہیں تھا لیکن لالی کی آواز اور کرے میں اس کی پہلی اس کو کوفت میں بتلا کر رہی تھی۔ اس نے متین آنکھوں سے اس کی حرکات کا جائزہ لیا اور گزرتے مڑاں کے سبب بنتے سائی۔ ”تمہیں لالی پر ترس نہیں آتا۔“ دیکھتے تھا رے پاؤں کی دھول ہو جاتا ہے تمہاری آنکھ کے اشارے پر داری جاتا ہے، ایک قربت کی تو حرست ہے اس کو ہمی خکڑا دیتی ہو۔“ اس کرے سے باہر لالی کی سائیں اکٹھتی ہیں مگر ذرا جو ناز نہیں کو خیال آتا ہو۔ وہ فرش پر اس کے قدموں کے پاس یہ گیا۔

اس کے دو دھیا پاؤں پلائی کے کالے موٹے بھندے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔ اس کے ہاتھوں کی تاثیر تھی کہ بستر پر دراز جزو راحت محسوس کرنے لگا تھا۔

”لالی..... جاور نین تارا کو خبر کر کر آج ناز نین کے نام کا چغاں شد کرے۔“ لالی کے دبائے کے باعث سے بہت سکون مل رہا تھا۔ وہ تم دراز تھی اس کو پیغام دیتے کے بعد مُسلل دراز ہو گئی۔

”اے جان لا ہور..... اس خوب صورت اور محبت کے قابل شہر ظلم نہ کرو، یہ تھہبہاں کے باسی برداشت کریں گے اور نہ تمہارے سامنے موجود غلام..... شہر افت کے باس تو نئے دن کی امید پر پلٹ جائیں گے لیکن لالی کے بدن پر تمہارے انکار کے نشان کئی دن تک ثابت رہیں گے۔ نین تارا کے خوب صورت ہاتھوں کا بس صرف میرے وجود پر ہی چلتا ہے اور وہ راشی پان کے سرخ لحاب جیسا میرا بدن سرخ کر دے گا۔“ وہ انداز گریہ میں اس کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

”لالی..... تیری یہ پھٹے ڈھول جیسی آواز مجھے کب تک پریشان رکھے گی؟“ اس نے آنکھیں کھولے بغیر تھنٹھ لجھا میں پوچھا۔

”تو اس ڈھولوں کو بچا رہے، یعنی اتفاق بھی نہ کرے گا مگر ان ڈھیلوں کے پروردہ کر جو تیری اور میری جداںی چاہے ہیں۔“ لالی کی آنکھوں میں آنکھا تھا۔

ناز نین کی پیشانی پبل پڑنے لگے، لالی کی فریاد اس خط کی ماندلوٹ آئی تھی جس کی منزل نامعلوم ہوا اور اگر معلوم ہو بھی تو منزل کا بابی خط کھولنا پسند نہ کرے۔ اس نے چند لمحے اس کی سفید سرخ چہرے پر نظریں مرکوز

رکھیں اور پھر مرے مرے قدموں سے نین تارا کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازے پر دستک دینے سے پہلے جی بھر کے اپنے بے سبب وجود پر ترس کھایا اور اندر سے آتی قہقہوں کی آوازوں پر افسوس کیا کہ جو اس کے داخلے کے ساتھ ہی دم توڑ جائیں گی۔

”اے لالی..... خیر کی خبر لایا ہے تاں؟“ اس کی آمد نین تارا کو پسند نہیں آئی تھی۔

”وہ ناز نہیں.....“ اس نے حنک ہونٹوں کو زبان سے تر کیا۔

”اب کیا کرو یا ناز نہیں نے؟ دیکھ لالی کوئی ایسی بات نہ کرنا جو مجھے پسند نہ آئے۔ ویسے ہی بڑے دنوں بعد آج سکون ملا ہے۔“ اس نے پھلو میں رکھی رقم کو ڈھیر کو بحث سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ وہ ناز نہیں پاچ نہیں آنے والے سکتا تھا۔

”پھر.....؟“ نین تارا کی کی تیوری پر بیل پڑ گئے۔ وہ مطلب سمجھ رہی تھی لیکن اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

”مغل کے لیے عذرخواہ کر رہی ہے۔“ نین تارا کے ایک اشارے پر وہاں موجود اس کے خاص آدمی نے لالی کو گردان سے دبوخ لیا اور ایک جھٹکے سے زمین پر پٹخ کراس کولا توں، گھونسوں کے بعد بیٹ کے مارنا شروع کر دیا تھا۔

”ناز..... بچالے مجھے..... تیر الالی مارا جائے گا۔ اے ناز آ جا بجا لے۔ بائے لالی مر گیا.....“ وہ خود کو بھاتے ہوئے مسلسل اسے وازیں دے رہا تھا مگر اس نے تباہا اور نہ بتی وہ آئی۔ چھین ہبہ سارے لوگوں کے لیے خوش کام سماں تھیں۔ یہ اعلان تھا کہ آج نین تارا کی مغلیل پوہر بگ نہیں جنم گا۔ جس کی دیوالی دنیا تھی۔

لالی کے سر سے بہتاخون چھے کے نقوش کو دھندا رہا تھا۔ اس کی پکاراب مضم پڑ کی تھی۔ وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر موجود ناز نہیں نے شور کے بند ہونے پر سکون سے نیند کی چادر اوڑھی۔ آج کی رات اس کی تھی۔



وہ جیران لگا ہوں سے سامنے پیٹھے وجود کو پکھر رہا تھا۔ ان کا پیلا پتہ تارگ ان سارے خیالوں کی تردید کر رہا تھا جو وہ اکثر سوچتا تھا۔ اس نے فوراً سے آگے بڑھ کر ان کو نندھوں سے تھاما۔ سلی دینا مقصود تھا لیکن وہ مزید ہر اسال ہوئیں، انہیں اب شک یقین میں بدلتا ہجوس ہوا تھا۔

”زیر..... مجھے حوصلی جاتا ہے۔“ اپنے الفاظ انہیں خوب بھی اپنی محسوس ہوئے۔ زیر احمد کے لیے ان کا اٹھمار کسی مجرزے سے کہنے نہیں تھا لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ حاکی کس لیے بھری گئی ہے۔ انہوں نے تصدیق کرنے کے لیے پتھری کی جانب دیکھا۔

”کیا ہوا ہے پتھری؟ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں، دیکھو تھا رہی ماما کی حالت خراب ہو رہی ہے۔“ انہیں بیٹے پر غصہ آیا جو خاموش کر رہا تھا۔

”بابا..... یہ ہی تو میں جیران ہو رہا ہوں کہ ماما تاپریشان کیوں ہو رہی ہیں؟“ وہ اپنے خیالوں کو جھلتا ہوا ان کی جانب متوجہ ہوا۔

”کیا مطلب..... حوصلی میں سب ٹھیک ہیں، بی جان ٹھیک ہیں؟“ وہ سہی لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

”جی ماما..... بی جان ٹھیک ہیں۔ مجھے تو عبدالودوکی کا ال آئی تھی۔ اس نے آفس جوان کر لیا ہے، وہ ان دنوں لا ہو رہیں ہے اور بہت جلد آپ سے ملے کے لیے آئے گا۔“ اس نے بہت بحث سے انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

”شکر ہے خدا یا..... میں ذرہی آئی تھی۔“ ان کے چہرے پر اطمینان ظاہر ہوا۔

”عبدالودود اتایا بڑا ہو گیا کہ خود سے فیصلے کرنے کا؟“ وہ مدھم آواز میں بولیں، انداز خود سے سوال کرتا ہوا تھا لیکن
بچپن سن پکھا تھا۔

”آپ کو اس کے متعلق ابھی کچھ معلوم نہیں، بڑے باہمے اپنا گھوڑا کہتے ہیں، سفید جو یہی میں ان کے علاوہ وہ کسی
کی نہیں ملتا۔“ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے بچپن کے لمحے میں الگ سی ٹھنک تھی۔
انہیں اتنا تو اندازہ تھا کہ بچپن کو دہان خوب مرا آتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ میں اتنا مغلص پن ہو گا۔
وہ بچپن سفید جو یہی والوں کے متعلق کچھ نہیں پوچھتی تھیں۔ بچپن کی بات نے ان کے وجود میں انتظار کی چنانگی سلاگا دی۔
دل اس کو دیکھتے کہ لے بھکنے لگا تھے وہ چند ماہ کا پنی گود میں کھلاتے ہوئے چھوڑ آئی تھیں۔ ایک دوبار کی مختصر ملاقات
میں ان پرچوں کو نہیں دیکھ سکیں جن میں ان کی جان لسی تھی۔

”رقی..... اپنے چہرے سے پچھلتنی وہ محبت دیکھیں جو مجھے ظیر آ رہی ہے شاید اب آپ کو اندازہ ہو کہ آپ نے ان
سا لوں میں کیا کیا کنوا یا ہے۔ ایک بنام جنگ میں آپ کتنے قیمتی لمحے جھوک پھی ہیں۔“ وہ اس لمحے پکھ کر کہ کران
کی خوشی عارت نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے ذات کا کیا لپان آواز بن گیا۔ اپنی بات کہہ کر وہاں رکنے نہیں تھے۔
”بچپن میں مجھے خوش نہیں دیکھ سکتے۔“ رقید زیر احمد نے سوچتے ہوئے سر جھکا۔ بچپن کے سامنے وہ بات بڑھانا نہیں
چاہتی تھیں سوناموش ہی رہیں۔



ایک تینی خوب صورت شام ان کی منتظر تھی۔ پہنچ دن سڈنی کی رونق تھے اور یہاں کا ہر باری اس رونق کو دو بالا
کرنے میں پیش پیش رہتا تھا۔ دن کی مخالف اور روشنیں شام کے ساتھ مزید بڑھنے لگیں۔ ایک مغلص ہی بی ڈی کی ایک
عمارت کے آٹھ کلب میں جانی گئی، دہان کا جوش و خروش کی طرح بھی سڈنی کی گلیوں سے تم نہیں تھا۔ اس مغلص میں
ان کے خاص دوستوں کے علاوہ یوں ایک اچھی خاصی تعداد دہان جمع ہو گئی تھی۔ اذلان ساری تقریب کو بہت اچھے طریقے سے دیکھ رہا
مددوکیا ہوا تھا اور یوں ایک اچھی خاصی تعداد دہان جمع ہو گئی تھی۔ اذلان ساری تقریب کو دونوں طرح کے لوازمات رکھے گئے تھے،
تحما۔ پورے ہال کو بہت اچھے طریقے سے جیلایا گیا تھا، مشرقی اور مغربی دونوں طرح کے لوازمات رکھے گئے تھے،
سوئنگ ایریا میں بھی بیٹھنے کے لیے مکمل انتظامات تھے، ہال کے ایک کونے میں میوزک سٹر رکھا گیا تھا جہاں من
چلائی صحر و قیمت میں ملن تھے۔ اب اگر کوئی کی تھی تو وہ لامیہ خود تھی۔ اتنی بھاگ دوڑ کے بعد اذلان کے لیے لامیہ کو
منانابا تھا جو آئی کی طبیعت کے باعث اُنے سے انکاری تھی لیکن بلا خرافل کی سر لڑش کام آئی تھی۔
سب اپنی باقوں اور صحر و قیمت میں مگن تھے کہ راچاں کی روشنی بند ہو گئی اور ”اوہ“ کی آواز کی گونج پیدا ہوئی۔
پہنچ دھوکا بعد ڈی بیج کی ولیم کرتی آواز آئی اور دو مدھم روشینوں نے لامیہ برا ہیم کا ماحضہ کیا۔ ہال میں ستائی آوازیں
اپھریں، سب کی نگاہیں اس پر کوڑھیں جو سفید گاؤں پہنچنے کی المساوی سے تم نہیں الگ رہی تھی۔ وہ ہال کے وسط تک آئی،
میوزک کی مدھم آواز اور جھیلی روشنیوں نے عجیب سالاں باندھ دیا۔ یہ سارا منظر سب کے لیے حیران کن تھا اور سب سے
زیادہ خوداں کے لیے..... اس نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔

”آج کا دن تمہارے نام.....“ ایک دم اذلان اس کے سامنے آیا اور سرخ گلابیوں کا گلدستہ اس کے سامنے کرتے
ہوئے اپنی آواز میں بولا۔ سارا ہال تالیوں سے گوئنچے لگا۔ ہال میں آوازیں رقص کرنے لگی جن کا مفہوم اذلان کا
والہانہ ہے اور لامیہ کی حرکتی خوب صورتی تھی۔ کوئی اس کی امارت سے حیران اور کوئی اس کی تھست پنزاں تھا۔ وہ شاید
اذلان کے چند باتات نہ چھتی لیکن دہان ہر زبان پاس کا تذکرہ لامیہ کی لگا ہوں کا زاویہ بدلتے کا تھا۔ وہ آج کچھ انکھا

محسوس کر رہی تھی، پچھا لگ سا احساس دامن گیر ہو رہا تھا، کوئی نیا خذبہ و جدوجہ میں سراخہ رہا تھا۔
”لامیے..... میری اس سے دشمنی ہے لیکن بھی بھی مجھے اچھا لگتی ہے۔“ یعنی اس کے کان میں بوئی تو اس نے
چوک کردا لان کی سمت دیکھا۔

وہاں واقعی پچھا لگ تھا..... پچھا ایسا جو اس سے پہلے وہ محسوس نہیں کر پائی تھی۔ ایک نیا احساس اس کی موجودوں میں
سرایت کرنے لگا تھا، وہ نئے جنبات سے روشناس ہو رہی تھی، پچھا لمحے انمول ہوتے ہیں اور وہ شاید ان ہی جھوٹوں کے
حصار میں تھی۔

”لامیے..... آؤ کیک کامنے ہیں۔“ وہ جوزف اور رادھا کے ساتھ اس کی سمت آیا۔
اس نے اپناتھ میں سرہلایا اور اس کے پیچھے اس سمت آگئی جہاں چھوٹا سا کیک رکھا تھا۔ اس پل اس کی بات مانتا،
اس کو سنتا سے اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی پیروی کرنے میں سکون لال رہا تھا۔ وہ کیک کامنے ہی لگی تھی کہ ایک آواز نے
اس کے ہاتھ سا کست کر دیے۔

تھماری ذات کے پیچے

ہماری الگیوں سے ہی بہیں جاتے

کی کاتا مکھھا ہو، تھمارا نام جتے ہیں

کسی کی بات کرنی ہو، تھماری بات کرتے ہیں

کہیں کوئی پاول بر سر چائے

تمہارے شہر کی برسات لکھتے ہیں

اس کے خاموش ہوتے ہی سارا بہل تالیوں سے گونج اٹھا۔ اواز کی اوجذبات کی آنچ پا اسکی دلکی کہ سارے دم بخود
رہ گئے۔ لامیں اس کے پھرے کے اتار چڑھا دیں اسکی کھوئی کہ اردو گرد کو بھول گئی۔ یہ بخودی پہلی بار تھی۔ اذلان کا
والپہان پن نیا تھا۔ سب اس کے گرد اکھنے ہو گئے۔ وہ منتظر نگاہوں سے اس کے ہاتھ کی سمت دیکھ رہے تھے۔

اس نے نظریں چرا کر کیک کو دیکھا اور پھر چھپری تھام کر کیک کاٹ دیا اس پل لامیہ کو جھوٹوں ہوا اس کا دل بھی کانا گیا
ہے، اس کا وجود وہ حصوں میں بیٹ گیا، کوئی دوسرا آنکھوں سے دل میں اتر گیا ہے۔ وہر کتوں کی لے مل رہی تھی،
مجبت تھی شاید جو اس کے وجود کے اردو گرد فص پا تھی کہ اسے مدد ہوں کرتے ہوئے اس کی سانسوں میں سرایت کر
جائے، اس کو ہر چیز سے بے نیاز کر دے، وہ اس نئے جذبے کی نرم یا نہیں میں گرنے والی تھی کہ نگاہوں نے بہت ہی
ناپسندیدہ مظفر دیکھا۔

ہال کے دوسروی طرف، سوئنگ پول کے پار دو آنکھیں انگارہ بنی اس کو ہی دیکھ رہی تھیں، ان نگاہوں کی شدت
اسے اپنا سانس روکتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی، اس پل اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ ابھی تک مقابل کے ہاتھ
میں ہیں، ایک نرم تھی خوبیوں بھی اس کے وجود کے گرد چکر رہی ہے، کسی کا مضبوط کندھا اس کی پشت پاپنی موجودگی
کا یقین دلا رہا ہے۔

”کیا ہو لامیے؟“ وہ اس کی لاطلقی پر جیران ہوا۔ وہ خاموش رہی۔ اس کا سوال سن ہی نہیں کی، وہ بس نگاہوں کی
زبان سے خود کو حفوظ کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے اس کا وجود جعلی کر دیا تھا۔
”لامیے.....“ اس نے پھر کپاکا۔ اس لمحے وہ اس کا ارٹکا محسوس کر گیا۔ چند لمحے قبل اپنی خوش قسمتی پر تازاں
ہونے کا یقین پل بھر میں بہت تیزی سے مٹی میں ملا محسوس ہوا۔

”میں.....!“ اس کے ہنگوں نے بنا آواز حرکت کی اور کئی فٹ دور کھڑی طبیبہ حیدر شاہ نے یہ حرکت محسوس کرنے کے بعد وہاں ایک پل رکنا گوار نہیں کیا۔ وہ جس تیزی سے تکلیں وہاں کی روشن بھی ساتھ لے گئی تھیں۔

پونخورشی کے بڑے گیٹ سے آگے طولی ذیلی سڑکیں مختلف حصوں کی طرف جا رہی تھیں۔ ان سڑکوں پر آج خلاف معمول رش تھا، بہت سے نئے چھپے اپنی خواہشوں کی بھیکیں کے لیے یہاں موجود تھے، کچھ چروں پر بلا کا اعتدال نظر آ رہا تھا جیسے کچھ کر کے دکھانے کی لگن کے سامنے ہر چیز عام تھی، کچھ چروں پر عجیب گھبراءہت نظر آ رہی تھی جیسے ہنایا تھا، نئی جگہ، نئے لوگوں کا سامنا مشکل ہوا۔ سڑکوں کے ارد گرد لگے تھے درخت اپنی چھاؤں میں کھڑے لوگوں کی گفتگو ہمہ تن گوش سن رہے تھے، ہوا کے دوش پر جھوٹتے، مدھم سرراہت لیے ان سے ہم کلام ہونے کی کوش کر رہے تھے۔

وہ بڑی سڑک پارٹیٹ کی طرف جاتے ہوئے بہت پر اعتماد تھا۔ ایک تو وہ پہلے بہت بار یہاں آ جا کتا تھا اور دوسرے اس کے بہت جانتے والے یہاں موجود تھے۔ اس کی دوستان طبیعت کے سبب راستے میں ہی دو تین دوست بن پکے تھے۔ آج پہلا دن ہونے کی وجہ سے اکثر بیتل پیڈل مارچ پر تھی شاید یہ دن یادگار کے طور پر یاد رکھنا مقصود تھا۔

”یار.....!“ اکنہ سڑک پارٹیٹ ابھی کتنا دوڑ رہے؟“ اس کے ساتھ چلتے ایک لڑکے نے رکتے ہوئے پوچھا۔ ”تو معلوم ہیں لیکن دوڑ دوڑ تک ابھی کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی۔“ اس نے عبدالحکیم نامی لڑکے کو پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا، ابھی سے تھک گئے؟ آج تو پہلا دن ہے تھوڑی ہست دکھاؤ۔“ ایک اور لڑکا جوان کا ہم قدم تھا مسکراتے ہوئے بولا۔ ”بھائی.....!“ میری تو بس ہو گئی ہے، میں چند قدم مزید آ جنہیں چل سکتا۔“ وہ فٹ پاتھک پر گرنے والے انداز میں پیچھے گیا۔

”ہست نہیں تھی تو پہل چنان شروع کیوں کیا؟“ وہ ہنگوں اب عجیب مشکل میں پھنس گئے تھے۔ بے شک کوئی بھی چوڑی جان بیچان نہیں تھی۔ چند لمحوں کی بات ہمیں لیکن اب یوں اسے اس حال میں چھوڑنا اچھا نہیں الگ رہا تھا۔ ”میری ہست کی بات تذہبی کرو جی، سویرے تر کے پنڈ سے نکلا تھا اور وہ بھی پیڈل پھر بس کے پیچے لنگ کے شہر پہنچا اور اب یوں پیڈل چلا چلا کے مار رہے ہو۔“ وہ عجیب دہائی دیجے انداز میں بولا۔

”ہم نے کہا تھا پیڈل چلو جواب ہیں باتمیں نہ رہے ہو۔“ اس کے مقابل کھڑا لڑکا جس کا تعارف اویس نام سے ہوا تھا، اس کی ٹھیک سے کلاس میں۔

مچھی وہاں خاموش کھڑا تھا۔ اسے زندگی کے اس رنگ سے کہاں واقتیت تھی۔ اس کے دل میں سامنے پیٹھے دہائی دیے لڑکے کے لیے ترجم بھرے جذبات امجد ہے تھے۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ تھوڑا درد ہوئی ڈپ پارٹیٹ ہو گا، اب کسی بس میں لٹکنے کی بجائے گیارہ نمبر کا سہارہ لے لوں۔“ اس نے اپنی ناٹکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”حدے یا ر۔“ اویس جی بھر کے کوفت زدہ ہوا جب کچھی اس کے گیارہ نمبر ہی پہنچا گیا تھا۔

”اچھا کوئی مشکل نہیں، ابھی کوئی بھی آتی ہے تو اس میں سوار ہو جاتے ہیں۔“ بھی نے اسے تسلی دی۔ ان کے درمیان ابھی بات ہو رہی تھی کہ بس آتی دکھائی دی۔ ان تینوں نے سوار ہونے میں مجلت کی کہ مباوا یقینت

بھی نہ چھپن جائے۔ اویس نے سب سے پہلے جگہ تلاش کرتے ہوئے عبدالخان کو بھایا اور اس کے بیٹھتے ہی ان دونوں نے سکون کا ساس لیا اور نہ اس کی مکین ہی شکل ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی۔

”چلو یار..... بھی بچھپے کی طرف دیکھتے ہیں شاید کوئی جگہ مل جائے۔“ اویس نے اسے آگے بڑھنے کا کہا۔ وہ شدید بچھاہٹ کا فکار تھا۔ اسے کہاں عادت تھی یوں بسوں میں دھکے کھانے کی، وہ تو شوق میں گاڑی باہر کھڑی کرایا اور اب پچھتاوے میں بتلا ہو رہا تھا۔ اویس کے بار بار شوکا دینے پر وہ رش سے پچھا ہوا آگے بڑھا، اسی لیک بریک لگے اور وہ بتابو ہوتا ہوا اگلے جو گودے جا لکر ریا۔ بھی شرمندگی اور نہامت سے سراخا بھی نہیں پایا تھا کہ خمیں زنگا ہوں کا احساں ہوا۔ اس نے جی بھر کے بد مرد ہوتے ہوئے مغزرت کرنے کا سوچا لیکن چروہ اٹھاتے ہی شیم ہو گئی۔ مقابل کوئی لڑکی نہیں تھی۔ شعلہ تھی اور شعلہ بھی وہ جو جلا کے راکھ کر دے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا آجھیں بند کرے اور یہ سارا منظر ختم ہو جائے۔ وہ پارنگ میں ہوا اور دوبارہ پیدل چلنے کی غلطی زندگی بھرنہ دہراتے۔ شوئی قسمت کہ مقابل کی آنکھوں میں اگر زرد رہے واقعے کا سکس بھر پور نہیاں تھا۔

”آپ کو گرتے، مارتے نکرانے کے علاوہ کوئی کام آتا بھی ہے؟“ وہ حصی محosoں کر سا مقابل کے لجھ میں اس سے زیادہ تھی۔

”بیکھیے..... وہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اچانک سے بریک لگ جائے گا۔“ اسے وضاحت دیتے ہوئے نہایت برا محosoں ہو رہا تھا اس پر مستزاد سب کی نظریں اس پر رکوڑھیں۔

”آپ کو کسی بات کا بھی اندازہ نہیں ہوتا، نہایت ہی بد جواں انسان ہیں۔“ اس نے صرف کہنے پا اکتفا نہیں کیا بلکہ زنگا ہوں کا غصہ بھی اتنی بیٹھی کی پوری کوشش کی۔

”لیا ہوا..... کوئی مسئلہ ہے؟“ ان کے درمیان تیخی دیکھ کر ایک لڑکا آگے بڑھا اور تب ہی اس نے محosoں کیا اوس بھی اس کے ساتھ آکھڑا ہوا تھا۔

”کیوں آپ تھانیدار ہیں یا صلح کمیٹی میں کام کرتے ہیں؟ میں مسئلہ آپ کو کیوں بتاؤں اور بتا بھی دوں تو آپ کیا یہاں ہی پکھری لگالیں گے۔“ وہ دنیا جہاں کی جنی لجھ میں سوئے اسی لڑکے سے مخاطب ہوئی۔

وہ لڑکا پناہ سامنہ لے کر بچھپہ بھٹ کیا جب کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بھی کے ہونوں پر سکراہٹ آئھری۔

”عزت..... ہمارا کیپس اگیا۔“ اس کے ساتھ کھڑی لڑکی نے اس کا کندھا زور سے ہلاتے ہوئے متوجہ کیا۔ وہ اسے گھوڑتے ہوئے دوسری لڑکی کے بچھپے ارجمنی جکھچی نے سکون کا ساس لیا۔

”توبہ..... نام عزت ہے جب کہ بے عزتی کرنے میں ماسٹر لیتی ہے۔“ اویس نے ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے ہاتھ سے آئنی سہارا لے رکھا تھا اور نہ دونوں ہاتھ کان کو لگا کر تو پر کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے اندازے بھی کو مکرانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے نامحosoں طریقے سے سر کو جھکاتے ہوئے شستے کے پار کیپس دیکھنا چاہا۔ وہ خود بھی اس خواہش کو سمجھنیں پایا۔

”بھی بھی میں نہیں آتی اسی مرد ماڑی کی جڑلزم کر کے کیا کرے گی؟ اس کی روپونگ سن کر جونہ مرے وہ بھی مر جائیں گے۔“ اویس اس کی چوری پکڑ گیا بلکہ سنا بھی گیا۔ بھی نے فوراً ہاں گاڑا اور یہ بدلاتھا۔

”ویسے اچھا کیا کیپس دیکھ لیا کیونکہ سننے میں آتا ہے یوں پہلے دن کے جیسیں اتفاقات کوئی ناکوئی رنگ ضرور دکھاتے ہیں۔“ اویس نے جلتی پر ہر یہ تیل ڈالا۔

”اچھا اچھا میں کر..... اپنے بھر بے بعد کے لیے بھی بچار کھو۔“ بھی نے جان چھڑانے میں ہی عافیت بھی۔ اس

نے مکمل ارادہ کیا کہ کیپس بچنی کر دو بارہ اویس کے نزدیک سے بھی نہیں گزرے گا۔



وہ عجیب بے چینی سے لا اونچیں ہیں، پھر رہی تھیں یوں جیسے وجود میں ہوں اگلے آئے ہوں۔ چہرہ غصے کی شدت سے سرخ تھا۔ ایک عجیب بے چینی ان کے وجود میں سراہت کرنی تھی۔

”طیبیہ..... کیا ہو گیا ہے آپ کو، اتنی بے چین کیوں ہیں؟“ حیدر شاہ انہیں کب سے یوں ٹھیک ہے دیکھ رہے تھے۔

”آپ پلیز اس وقت مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔“ ان کے وجود میں اس وقت ایک آگ جل رہی تھی جس کے قریب جو کمپی آتا ہو جل جاتا۔

”آپ ہوش میں تو ہیں؟“ انہیں اس جواب کی تو قع نہیں تھی۔

”بالکل نہیں ہوں ہوش میں..... میں آپ کو سب کچھ بتانی رہی لیکن آپ نے میری باتوں کا لفظ نہیں کیا، آپ کو وہ سب نظر نہیں آ رہا تھا جو میں دیکھ رہی تھی اور اب وہ سب حقیقت کا آسیب بن کر میرے سر پر منڈلا رہا ہے۔“ ان کے قدم اب بھی ایک پل کے لیے نہیں رکے تھے۔

”طیبیہ..... ادھر آ میں، یہاں بیٹھیں۔“ ان کی یہ حالات انہیں بے سکون کر رہی تھی۔ ان کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر وہ شچاہت ہے ہوئے بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں لیکن جسم کی حرکات وجود میں برپا طوفان کی خبر دے رہی تھیں۔

”اب آرام سے بتائیں کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے طیبیہ حیدر شاہ کے ہاتھ پا پناہا تھر کتے ہوئے پوچھا۔

”میں اپنی فریبندی کے ساتھ افسوس کلب میں پرانی کرتا چاہ رہی تھی۔ کلب میجر کو کال کی کشیدگی کے سیڑیوں پر کرواسکوں،“

”آپ جانتے ہیں اس نے مجھے کیا بتایا؟“

”میں..... آپ بتائیں گی تو معلوم ہو گانا۔“

”وہاں اس وقت بہت بڑی پارٹی چل رہی ہے،“ ان کے لمحے میں محسوس کی جانے والی ٹھیک ہی۔

”طیبیہ..... ذرا جلدی بتائیں، آپ کا انداز بھیج پریشان کر رہا ہے۔“ وہ ان کے بار بار رکنے پر کوفت زدہ ہوئے۔

”آپ کامیاب اس پارٹی کا روح روایا بنا ہوا ہے اور مہماں خصوصی وہ لامیہ ہے۔ اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہا ہے، کہر رہا تھا کسی کا نام بھی لکھوں تو تمہارا نام لکھتا ہوں، اس کا ہاتھ پکڑ کر کیک کا نا جارہا تھا۔“ ان کا غصہ اس حد تک بڑھ رہا تھا کہ حیدر شاہ کو ان کی طبیعت کی فکر لاحق ہونے لگی۔

”اچھا..... یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں، وہ آتا ہے تو میں اس سے پوچھوں گا۔“ انہوں نے غصہ کرنے کی کوشش کرتا چاہی جوتا کام رہی۔

”یہ بڑی بات نہیں، آپ کو عام بہات لگ رہی ہے؟“ انہیں شدید کھجوروں ہوا۔ ”آپ کو تو وہ اپنے مستقبل سے کھیل رہا ہے، وہ ساری بڑی پارٹی ہو رہی ہے اور اس نے ہمیں بتانا گوارہ نہیں کیا اور ہٹھائی تو دیکھیں اس لڑکی کی کہ اس نے مجھے وہاں دیکھ لیا اور پھر بھی اذلان کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔“ ان کا شدید بھاری ہونے لگا تھا۔

”میں آپ سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ آپ نے بلا وحی کی ٹینش مولے رہی ہے، وہ دونوں دوست ہیں اور اگر اس سے بڑھ کر کچھ ہوتا بھی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟ وہ آپ کی تیجی ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے پیچے کی خوشی بھی، آپ کے اس روپیے کے باعث میں اسے بارہائیں کرچکا ہوں کہ لامیہ سے دور ہے، اس کے پاؤ جو دوہوئیں مان رہا تو آپ کو اس کی زندگی میں لامیہ کی اہمیت سمجھ لئی چاہیے۔“ وہ روز روکی بحث سے ٹکٹک آنے لگے تھے۔ ان کی طبیعت کی خرابی پر پیشانی بڑھا رہی تھی۔

"ہاں آپ تو ایے کہیں گے، آپ کو اس میں کوئی دوسرا نظر آتا ہو گا تاں..... ابھی حقیقت کا نہیں پتا تو اس کی طرف داری کر رہے ہیں جب سب معلوم ہو گیا تاں تب آپ سے پوچھوں گی۔" وہ ان کی عجیب بہکی باتیں سمجھنے لگیں پا رہے تھے۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں، کون نظر آتا ہے، کون کی حقیقت ہے جو مجھے معلوم نہیں؟" وہ شش دفعے میں بتلا ہوئے۔ "کچھ نہیں ہے، آپ اس معاملے سے اب دور ہیں میں خود سب دیکھ لوں گی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے آنکھیں موند لگیں۔

حیدر شاہ ان کا پاٹ چہرہ دیکھتے ہوئے سوچ میں چھا کر بیٹھی ہوئی تھیں جن کے متعلق انہیں معلوم نہیں تھا۔ کون دوسرا ایسا تھا جس کو ان کے حوالے سے سوچا جا رہا تھا؟ انہیں دور دو تک طیبہ حیدر کے سوا اپنی زندگی میں کوئی دوسرا نظر نہیں آیا، اب ان سے کچھ پوچھنا نہیں جاسکتا تھا سو انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ طیبہ حیدر شاہ بند انھوں سے کسی اور جہاں میں پہنچی ہوئی تھیں۔ گزرے وقت کی اذیتوں میں ایک خونگوار جھونکا حیدر شاہ کا وجود تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی سب سے بڑی خوشی کی دوسرے کے ساتھ منسوب کرو گئی ہے انہیں اپنی سائیں رکنی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ان کی محبت، طلب اور چاہ پر کی تھی جو قسمت نے جدا ہیوں کارخ موز دیا تھا۔ وہ دوسرے دلیں میں ایک نیز زندگی شروع کر چکی تھیں۔ جب اذلان کے روپ میں انہیں دنیا کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی، اس کے ساتھ ایک انجامات ساخوف بھی ان کی زندگی میں شامل ہو گیا تھا۔ ابر ایم کی زندگی میں آئے والی عمرت ان کا سب سے بڑا خوف بن کر رہا کیا تھا۔ وہ کی صورت نہیں چاہتی تھیں کہ حیدر کو گزرے وقت کی کوئی یاد ستائے، کوئی ایک گزرالجہ انہیں ماضی کی بھول بھیلوں میں کم کر دے لیں ہر دیہ مران کے بیٹھے نے ان پر الثدی تھی۔ اذلان نے ہر کاٹھ ہٹانے کے خان میں یکین اب انہوں نے بھی سوچ لیا تاکہ اس موڑ پر آکر وہ باریں بانیں گی۔ ان بڑھتی ہوئی ڈوروں کو زیادہ ڈھیل دینا انہیں خطرناک محسوس ہونے لگا تھا، اب فیضے کا وقت آن پہنچا تھا۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ اب اس ڈور کو کاٹھ دینے میں ان کے خاندان کی بقا ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے وجود میں چلتی جگہ کا اندازہ حیدر شاہ ان کے چہرے سے لگائیں سوہاں سے انہ کو اپنے کمرے میں چلیں گے۔ مستقبل کے فیصلوں کے لیے انہیں خود کو پر سکون کرنا تھا۔



آن پہلا دن تھا۔ یہ سورشی میں ایک ہجوم تھا اور کلاسز بہت کم ہو رہی تھیں۔ سب کا زیادہ وقت گھومنے اور ایک دوسرے سے ملنے ملانتے میں صرف رہا تھا۔ وہ دونوں بھی سارے کلاس فیلو سے مل چکی تھیں اور کافی معلومات حاصل کر لی تھی۔ وقت گزر اری کے لیے وہ دونوں دوسری منزل کی راہداری میں کھڑی یعنی لان کی طرف دیکھتے ہوئے با توں میں گکن ہیں۔

"مجھے تو بھوک لگنے لگی ہے۔" عزت نے من لکھے ہوئے کہا۔

"ابھی تو ناشت کے وقت ہی کتنا گزر رہے؟" وہ بھر کے جیران ہوئی۔

"آن شاید باتیں بہت کریں ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے پیٹ میں کرکٹ کا مقابلہ ہو رہا ہے۔" اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جسے بات کا یقین ولانا چاہتی ہو۔

"عزت..... وہ دیکھو بھائی جان۔" کنزی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

اس نے کنزی کے ہاتھ کی سمت دیکھا۔ حازم شیق ایک گروپ کی ٹکل میں نیچے لان سے گزر رہے تھے۔ انہیں

دیکھ کر اس کے دل میں فخر یہ جذبات پیدا ہوئے لیکن ایک دم ساری کیفیت بدل گئی۔ ان کے قریب اس وقت کوئی لڑکی جس سے وہ پہنچتے ہوئے کوئی بات کر رہے تھے۔

”لڑکی کون ہے؟“ وہ پوچھے بنائیں رہ لگی۔

”کوئی کو لیگ ہو گئی یا رہ۔“ کنزی نے شاید اس کے لمحے کی عینی محسوں نہیں کی تھی۔

”تمہارے سامنے تو سڑی مرچ بننے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ دیکھو کیسے تھے گارہ ہے ہیں۔“ وہ اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکی سوانپا رخ بدل لیا۔

”تو پہنچے۔ آج ویسے ہی تمہارا مراج خراب لگ رہا ہے۔ پہلے بس میں اس لڑکے کو اچھی خاصی نمائی اور اب بھائی چان پر غصہ نہ لگا ہے۔“ کنزی اس کی کیفیت نہیں بحاجت بیان کی تھی۔

”تمہیں وہ لڑکا بڑا ایچارہ لگ رہا ہے، اس کی حرکت نہیں دیکھی تھی؟ یوں پنڈولم کی طرح بس میں گھوم رہا تھا جیسے پہلی بار سفر کیا ہوا اور تناہی ترس آ رہا ہے تاں تو اگلی بارا سے کہوں گی تمہارے اور پرہیز کر رے۔“ اس نے سارا غصہ کنزی پر اتنا را۔

”معاف کرو، مجھ سے غلطی ہو گئی۔“ اس نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ وہ دلوں یہ بھول بیٹھی تھیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔

”اب کہاں جا رہی ہو؟“ کنزی کو آگے پڑھتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

”پچھے کھانے کے لیے اس سے پہلے کہ تمہیں کہا جاؤ۔“ اس کا بگڑا مراج دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے کیفیت میرا کی طرف آئیں۔ اس طرف بھی اچھا خاصارش تھا۔

”تیر سب پڑھنے آئیں ہیں یا کھانے؟“ عزت انفارش دیکھ کر چپ نہیں رہ سکی۔

”ہو سکتا ہے ان سب کا مراج بھی خراب ہوا دران کے مجھ چیزے حصوم دوست اپنی جان بچانے کو نہیں بھاں لے آئے ہوں۔“ کنزی نے موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

”تمہیں میں بعد میں پوچھوں گی۔“ اسے تمہرہ کرتے وہ آگے بڑھی اور چند قدم چلنے کے بعد رک گئی۔

”اب کیا ہوا؟“ کنزی نے پوچھتے ہوئے اسی مست دیکھا جہاں اس کا رخ تھا۔

حازم شفیق ایک میز پر اسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے تھے جو کچھ دیر پہلے ان سے بنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اب ان کے ساتھ دیکھ سکتی نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ کنزی کچھ کہتی ہیت عزت نے ان کی طرف قدم بڑھا دیے۔

”عزت رکھ جاؤ، کیا کر رہی ہو؟ وہی خود وہ یہاں لپک جا رہیں، ہمیں ان سے دور رہنا جا ہے۔“ کنزی اس کے ارادے بھانپ گئی تھی تب ہی اس کے ساتھ تیز قدموں سے چلتے ہوئے منع کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کنزی کی ایک ناسی اور قدم مطلوبیت میز کے سامنے جا رکھ کر رکھنے کے پچھر میں وہ بھی اس کے ساتھ دہاں تک پہنچ گئی تھی۔ ابھی وہ ان دونوں کو دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ عزت ایک کری تھیتی ہوئے ان کے ساتھ بیٹھی گئی۔

کنزی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آنکھیں بند کرے اور یہ مظراں کے سامنے نہ ہو۔

”یہ کیا طریقہ ہے؟“ وہ لڑکی حدود جنگل انداز میں بوی۔ حازم شفیق تو کچھ بول ہی نہیں پائے بلکہ ان کی بحاجت میں ہی نہیں آیا کہ یہا کیا، عزت کے چہرے پر غصے کی واضح جھلک تھی اور اس کے پیچے ہر اسال سی کنزی کھڑی گئی۔

”آپ کون ہیں؟“ عزت نے جواب دیے بنا سے ہی سوال کیا۔ ”اُرے کنزی، آؤ تاں تم بھی نیکھو۔“ اس نے ساتھ میں بھی پکڑ کر بھاگا۔ کنزی اس پل شرمندگی کی اتحاد گہرا نہیں میں ذوبی ہوئی تھی۔

”آئیک کو میری زندگی ہیں؟ آیک تو منہ اخفا کر بیٹھ گئی ہیں اور دوسرا مجھ سے ہی پوچھ رہی ہیں کہ میں کون ہوں۔“ اس لڑکی کا نہیں چل رہا تھا کہ عزت کے ساتھ کچھ برداشت کر دے۔ وہ ابھی میری بھیچ پولنے لگی تھی کہ کہاں مقابل کی خاموشی کا خیال آیا۔ وہ اتنے چپ کیوں تھے؟ یہی دیکھنے کے لیے ان کی طرف دیکھا تو وہاں عجائب لاپرواں کا عالم تھا۔

”مشین..... میری فیصلی سے ہے۔“ انہوں نے نجیدہ لمحے میں کہا تو وہاں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ ”اوکے..... میں چھتی ہوں۔“ وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ وہاں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ سکون کا سانس لیا۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ”بھائی..... میرا قصور نہیں، میں نے اسے بہت منح کیا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔“ کنزی نے اپنی صفائی پیش کی۔

”اب آپ بتائیں گی آپ کو کیا مستلزم تھا؟“ انہوں نے حدود جدیدہ لمحے میں اس سے سوال کیا۔

”مجھے بھوک گئی تھی، یہاں آئی آپ کو دیکھا تو سیدھا اسی طرف چل آئی۔“ اس کے لمحے میں مل بے نیازی تھی۔ ”مجھے اندرازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بے وقوف ہو، یہ یونوری تھی ہے، یہاں مجھے دیگر ہزاروں کام ہوتے ہیں، نہیں بھوک گلی ہے، تمہیں چوٹ لگی ہے، تمہیں کچھ بھی ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں میرے سر پر سوار ہو جاؤ گی۔“ وہ دھمکی آواز اُنگر کرخت لمحے میں بول رہے تھے۔

”حازم بھائی.....“ وہ منہ کھولے ایں کا لچھا اور انداز دیکھ رہی تھی۔

”لیا حازم بھائی؟ وہ میری کو اپنی سی اور تم نے تعمیری کی حد کروئی۔ تم یہاں پڑھنے آئی ہو میری چوکیداری کرنے نہیں۔“ وہ جتنی لمحے میں بات کرتے ہوئے انھوں کھڑے ہوئے اس کے بعد وہ وہاں رکنہیں تھے۔ وہ وہیں ساکتی ہی پڑھی رہ گئی۔ کنزی کو اس وقت خاموشی ہی بہتر تھی۔ عزت کے نثارات سے اسے محسوس ہوا کہ اسے دکھ ہوا یہ لیکن وہ کچھ کہہ کر اپنی شامت نہیں بلانا جا تھی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر کچھ کھانے کے لیے لینے جل دی۔ وہ واپس آئی تو عزت اسی طرح پڑھنی تھی جیسا چھوڑ کر نہیں تھی۔ ”لیو..... کھالو۔“ کنزی نے سموسے کی پلیٹ اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

”تجھے بھوک نہیں ہے۔“ اس نے کنزی کی لائی چیزوں کی طرف دیکھا اسکے نہیں تھا۔

آن خلاف معمول وہ حوصلی میں موجود تھے۔ رات دیر سے واپسی ہوئی تھی، آج آرام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، اسی بہت تاخیر سے بیدار ہوئے۔ رات کا لباس تبدیل کرتے ہوئے نچلے حصے کی طرف آئے تو وہاں اچھی خاصی چہل پہن تھی۔ انہوں نے جرانی سے سب کی مصروفیات دیکھنے ہوئے اندازہ لگایا کہ شاید آج بڑے باہمی حوصلی میں ہی تھے۔ وہ ان ہی سوچوں میں تم چند قدم آگے بڑھتے تو بڑی ای لادخی میں پیشی نظر آئیں۔ انہوں نے اسی طرف قدم بڑھا دیے۔

”ارے ماشاء اللہ..... آج تو چاند بھی زمین پہاڑ آیا ہے۔“ بڑی ای گئی نے سر پر بیمار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ان کی بات سن کر وہ مسکرا دیے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لطیف ساطھیان کی مصروفیات کے باعث کیا گیا ہے۔

”مصروف رہتا تو اچھی بات ہے نااا..... آپ ہی تو کہیں میں خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے اور آپ کی اسی بات نے مجھ میں کوئی تھا۔“ میں یہ ساری چند جگہ شیطان کو خود سے دور کرنے کے لیے کرتا ہوں۔“ ان کے پاس بیٹھے ہلکے لمحے میں باتیں کرتے ہوئے شخص کو دیکھ کر کوئی کہا تھا کہ یہ انسان اپنے

دلال سے دشمنوں کو تکوں نہیں چھوادیتے ہیں۔
”تمہیں بھی عبدالودود کی طرح باقی کرنا آگئی ہیں۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہلکی سی چھت لگائی تو وہ کمل کے مکارے۔

”وکیلوں کی چب زبانی تو مشہور زمانہ ہے اس لیے آپ یہ کہیے کہ عبدالودود میری طرح باقی کرنے لگا ہے۔“
انہوں نے ایک نیا انفصال کالا۔

”یہاں تو بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں۔“ ان کا کامل دھیان بڑی امی کی طرف تھا اس لیے امی کے آنے کا اندازہ نہیں ہوا۔

”امی آپ بھی؟ ٹھیک ہے میں قوڑا مصروف رہتا ہوں، وقت نہیں دے پاتا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تاں کہ آپ لوگ مجھے ہی کہہ رہے میں کھڑا کر دیں۔“ وہ اپنی مصروفیت پر پے در پے ملنے والے ٹکوڈوں کی وضاحت دینے لگے۔

”پیٹا..... تمہاری مصروفیت سے کوئی مسئلہ نہیں، بس تمہارے متعلق گفران مدد رہتے ہیں، اپنا خیال رکھا کرو، اپنے متعلق سوچا کرو تو تمہاری ماں بھی مطمئن رہے گی۔“ بڑی امی نے انہیں سمجھایا تو کچھ کہنے کی بجائے وہ صرف اشبات میں سر ہلاکر رہ گئے۔

”شیماء..... ایسا کرو گل کے ہاتھ تسلی چھوادو۔ آج بچ فارغ ہے تو اس کے سر میں مساج ہو جائے، دیکھو بال کیسے روکھے ہو رہے ہیں۔“ بڑی امی نے ایک دم انہیں پکوک کراپے قدموں میں بھالیا۔

”بڑی امی..... میں اب بچ نہیں رہا۔“ انہوں نے شدید احتجاج کیا جو گسی کھاتے میں نہیں گیا۔

”بس..... خاموش ہو کر بیٹھے رہو۔“ شہر کے شہروں کیلئے دسر پریچت مارکے چب کروادیا گیا اور وہ اس وقت کوؤں رہے تھے جب چھٹی کا ارادہ کیا تھا۔ اسی وقت ان کے موبائل پر تیج نون بھی، دیکھا تو نیل کا منیج تھا۔ وہ ان کی مصروفیت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

انہوں نے بیچارگی والا منہ بتاتے ہوئے تصویر لی اور ”وکیل کی جج کے سامنے پوشتی“ لکھ کر بھیج دی۔ چند لمحوں کے تو قوت سے آنے والے جواب سے اندازہ ہوا کہ انہوں نے نیل درانی کو تصویر بھیج کر غلطی کی تھی۔

”یو راحیں کدر ہے؟“ انہیں ایک دم اس کا خیال آیا تو پوچھا۔

”تین کہیں ہو گی۔“ جواب امی کی طرف سے ملا، وہ ذرا حیران ہوئے کیونکہ بڑی امی کی خاموشی پر اسرار تھی۔
انہوں نے سر پر چلتے ہاتھ روک کر رخ ان کی طرف کیا اور ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معاملہ جانے کی کوشش کی۔

”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں ہوا اور یہ تم نے ہاتھ کیوں روک دیئے۔“ وہ اس پر کچھ خطا ہر نہیں کرنا جا ہتی تھیں۔

”آپ جانتی ہیں تاں کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا لیں سکیں گی۔ آپ نہیں یہ تاں میں کی تو میں خود معلوم کر لوں گا۔“

”کچھ نہیں ہیٹا، بس اس کی طرف سے پریشان رہتی ہوں۔“ وہ جانتی تھیں کہ اب وہ کچھ نہے بنائیاں سے نہیں پلے گا سو بتانا ہی بہتر لگا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، منتظر رہا ہوں سے انہیں ہی دیکھ رہے تھے جیسے مغل بات سننا چاہتے ہوں۔

”تم جانتے ہو وہ بہت نازک ہے، حالات کی تبدیلی برداشت نہیں کر سکائے گی، میری زندگی کا کیا بھروسائیں اس کی فکر مجھے سکون سے مر نہیں دے گی۔“ وہ حدود رج رحیمہ ہوئی۔

”بُری امی..... یہ کسی باتیں کر رہی ہیں۔“ وہ اٹھ کر ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ ان کاٹوٹا ہوا انداز دل کو سخت دکھی کر گیا تھا۔

”اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ بیشہ جہار سے سروں پر قائم رکھیں، میں آئندہ آپ کے منہ سے اسی کوئی بات نہ سنوں۔“ انہوں نے پیار سے بڑی امی کو اپنے ساتھ لے گایا۔

”آپ اس کے متعلق بالکل فرم دنہ ہوا کریں۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ مجھے اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہے، میں بھی شاہ کے سامنے دیوار بن کر کھڑا رہوں گا۔“ ان کا چھرہ اور الفاظ خلوص کی گواہی دے رہے تھے۔

”جیتے رہو بینا، مجھے تم پر یقین ہے اور اسی باعث دل کو ہوشی تسلی رہتی ہے۔“ دل میں پنچتے اندیشہ پھر سے سونے لگے، ان کے دل سے اس پوتے کے لیے ذہیر و دعا میں نکلی تھیں۔



سدیٰ کا حسن رات کے اندر ہے میں مزید کھرنے لگتا تھا۔ سدیٰ کے دیوانے ان راتوں کا حسن محosoں کرنے سے کرتا تھے نہیں تھے۔ اس وقت بھی سرکوں پر اچھا خاصارش تھا۔ جمعہ کا مبارک دن کی چھٹیوں کو رات کے سہانے پن نے مزید خوب صورت بنا دیا تھا۔

وہ دونوں ہمارے بینہ پر خاموشی سے کھڑے تھے۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ لامیہ کی نکاحیں اور پارا پر تھیں لیکن دماغ میں بھیں تھیں جن کا حل دور دوستک ملتا تھا۔ میں لگ رہا تھا۔ اذلان بھی نہیں پارہ تھا کہ ایسا کیا کہے جو اس کے مقابل کھڑی نرم دل لڑکی کو پے فکر کر دے۔ وہ اس کی سب فکریں لے لیتا چاہتا تھا مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

”آج رات نیکی گزارنے کا ارادہ ہے کیا؟“ اس نے بلا خر خاموشی کو توڑا۔

”جھیں پتا ہے اذلان، یہاں کھڑے ہو کر مجھے اپنے وجود میں بہت شبہ لہریں محosoں ہوتی ہیں، اس برج کی اوپنجائی کے سامنے اپنی تکلیف بہت چھوٹی لگتی ہے، اس کے نیچے روائی دیتا کے پانی میں کسی ماہر طبیب کی مرض شناسی محسوس ہوتی ہے، مجھے یوں لگتا ہے یہ پانی میری لگا ہوں کے عکس سے میر اور دھن لیتا ہے، اس پر روائی کروز اور فیرز یہاں سے گزرتے ہوئے میر اور داہنے ساتھ بہت دور لے جاتی ہیں۔..... مجھے یقین ولادی ہیں کہ اس وقت کی کیفیت دوبارہ مجھ تک لوٹ کے نہیں آئے گی اگر بھی لوٹ کھی آئے تو میں ان سے ٹکوٹھیں کرکے بلکہ دوبارہ ان کے پس کر دیتی ہوں۔ ایک نئی کوشش کرنے میں کوئی حرج تو نہیں تاں جیسے اب کر رہی ہوں۔“ وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی کہ پانی کے شور میں وہ مشکل اس کی آواز کوں پارہ تھا۔

”لامیہ، میں تمہارے ساتھ ہوں اور.....“

”پتا ہے اذلان، میں نے کہیں ساتھا کر آپ کا سب سے بڑا ساتھ آپ خود ہوتے ہیں، ہم دوسروں کو اپنا ہمدرد بنتاتے ہیں تو درستہ رہتے ہیں جب ہمدردی کا دائرہ خود تک محدود کر لیں گے تو دناؤں نہیں بنے گا بلکہ آپ کا دجودی اس کا ذہر جھن لے گا۔ ہماری بے وقوفی دیکھو کہ ہم کسی دوسرے کے لگائے رخم کا مر ہم بھی کسی تیرے کے پاس تلاش کرتے ہیں اور میرا زخم دینا ہے تو میرہم کے لیے چوتھے کے پاس جاتے ہیں لیکن دو ہمارے اپنے پاس ہوتی ہے، جب ہم اپنے طبیب بن جاتے ہیں تاں تو کسی درد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ اپنی رومیں بول رہی تھی۔

اس کی پاتوں سے اذلان کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ اس سے دوستی کے سارے حق پھیں رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا آج خود کو اس کے وجود سے باندھ لے گا، اپنی ڈور اس کے ہاتھ میں پکڑا دے گا کہ لو اپنے سگ ہر دلیں لے جاؤ

لیکن یہاں تو رپانی ذور کاٹی جا رہی تھی۔ وہ نیا سبق پڑھا نہیں پایا بلکہ پرانا بھی بھولنے کے لمحے میں داخل ہو رہا تھا۔

”میں مامانی طرف سے سوری کرتا ہوں۔“

”کس بات کے لیے؟ اب کی بارتوں ہوں نے کچھ نہیں کہا۔“

”بکھری بھی کچھ نہ کہنا بھی بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔“ وہ سارے قصورا پر حصے میں لکھ لینا چاہتا تھا۔

”اگر اسی بات ہے تو تم وہ بات بھی سمجھ جاؤ جو میں کہہ نہیں پا رہی۔“ اس نے بہت ہمت سے آنکھوں کا پانی پیچھے دھیکلا۔

”وہ میں سمجھتا نہیں جاتا، میں سارے الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار ہوں، ہر اس جرم کی معافی مانگنے پر آمادہ ہوں جو میں نے کیا ہیں لیکن تم سے فاصلہ قائم نہیں رکھ سکتا۔“ وہ ہر ان کبھی سے منکر ہوا۔

”ہمیں چنانچا ہے۔“ اس نے بات ختم کرنا چاہی۔

”اگر میں کہوں رکنا چاہیے؟“ وہ سایا سوال ہوا۔

”تمہاری خواہ شوون کی سزا، بہت بڑی تھی ہے۔“ اس نے جواب کمل ہونے سے پہلے قدم آس کے بڑھا دیے تھے۔

تم مجھے چھوڑ کے جاؤ گے تو مر جاؤں گا

یوں کرو جانے سے پہلے مجھے پاگل کرو

اس نے دل میں آئے خیال کو زبان تک آنے سے روکا اور خاموشی سے اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے تھے۔



مینگ روم میں مکمل خاموشی تھی۔ سارے نفوں مکمل انہاں کے دیوار گیر اسکرین کی جانب متوجہ تھے۔ وہ بڑے بڑے پہلو میں بیٹھا مسلسل کچھ نوت کرنے میں مصروف تھا۔ چھپنیز کی جانب سے ہر دن ملک کپاس اور چاول برآمد کرنے کا نیا پروجیکٹ شروع کیا جا رہا تھا اور یہ مینگ اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ پروجیکٹ پر مکمل معلومات فراہم کی جا چکیں اور اب چند لمحے کی خاموشی قائم ہو گئی تھی۔

”آپ سب کے سامنے مکمل منصوبہ پیش کیا گیا ہے، کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہے تو پوچھ سکتا ہے۔“ احمد علی کی دہنگ اواز کمرے میں ٹوچی۔

”اس پروجیکٹ کا ہیڈ کون ہو گا؟“ سعد علی کے انداز میں عجیب رعوت اور عجلت تھی۔ اپنی مہرات اور تجربے کے مل بوجتے پر وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ وہاں موجود باقی لوگوں نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ عبدالودود کے وجود میں عجیب بے چینی نے جنم لیا۔

”یجھے چند باتیں پوچھی ہیں؟“ عبدالودود نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے کہا۔ اس کے لمحے میں بلاک پر اعتمادی تھی اور یہ ہی چیز وہاں موجود لوگوں کو متوجہ کر رہی تھی۔

”ہم بے بھی دیگر ماںک کو اشیاء بیچ رہے تھے لیکن یہ دائرہ ایشیاء تک محدود تھا۔ اب ہم اس کو مزید وسعت دے رہے ہیں لیکن میں نے پچھلے چند سالوں کا ریکارڈ چیک کیا ہے۔ اس ریکارڈ کے مطابق ہمارے پاس اشاک ذخیرہ برآمد کیے گئے ذخیرے سے دو فیصد تیزیاہد پچھا جائے تو کیا اتنی تعداد ہے میں اتنا بڑا منصوبہ شروع کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس کے علاوہ پچھلے دو سال کے ذخیرہ زر کے ریکارڈ دیکھتے ہوئے ہمارا سارا سرمایہ مردش میں ہے اور جتنا موجود ہے اس کو لوگ دیجئے کے بعد ہماری بیکٹ میٹی حد سس طی چاہے گی۔“ وہ بہت قسمیں سے بیس سس سی محکمہ تھے۔

”میرے خیال میں اس سلسلے کے لیے ہمیں ہر یہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ مینٹگ رکھی جائے گی۔“ احمد علی فیصلہ کن انداز میں کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالودود جیران سا پانی جگہ پیٹھا رہا۔ اسے جب اس نے پروجیکٹ کا معلوم ہوا تب سے وہ مسلسل ریکارڈ پیچ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس موقع پاپنی ذہانت کی دھاکہ بھانا چاہتا تھا لیکن سب کچھ خلاف تو قع ہوا۔ بڑے بابا کچھ کہے مینٹگ روم چھوڑ گئے تھے۔

”عبدالودود صاحب، آپ کو سننے اپنے آفس میں بلایا ہے۔“ وہ جو ناماہیدی کی ناویں سوار تھا اس کی پیغام کو سن کر دوبارہ پر جوش ہوا اور جگلت میں اپنا سامان سینتا ہوا بڑے بابا کے آفس میں چلا آیا۔ بڑے بابا اپنے آفس میں اکٹے نہیں تھے۔ ببا اور پچھا بھی ان کے آفس میں موجود تھے۔ اس کی زیریک نہیں اتنا تو جان پہنچی تھیں کہ حالات سازگار نہیں ہیں۔

”ہاں عبدالودود تم کیا کہہ رہے ہے تھے؟ مکمل تفصیل سے بتاؤ۔“ وہ ابھی پیٹھا بھی نہیں تھا کہ بڑے بابت لجھے میں اس سے مخاطب ہوئے۔ اس نے دوبارہ ساری بات تفصیل سے بتائی، تھے جانے کیوں اسے یہ سارا معاملہ خود پر الثابت پڑتا ہے۔

”تھی بڑی بات تمہاری نظر میں کیوں نہیں آئی؟“ احمد علی کرخت لمحے میں سعد علی سے مخاطب ہوئے۔
”بما جان..... بھی تو آغاز تھا، آہستہ آہستہ سارے معاملات دیکھ لیے جاتے۔“ انہوں نے ایک بودی سی وضاحت دی۔ سعد علی خاموشی سے دنوں کی گفتگوں رے تھے۔

”تم جانتے ہو آج آفس کے چند لوگوں کے سامنے بچھے کتنی شرمندگی ہوئی؟ اتنا برا پروجیکٹ اور اس پر تمہاری یہ تاہلی اس کا رو بار کوڈیوں کی تھی۔ میں نے ساری ذمہ داری تم پڑا تو اسی کی اور تم نے چند لوگوں میں ہی سکی کروادی۔ ابھی تو میں شکر کر دیا ہوں معاملہ مینٹگ روم سے باہر نہیں نکلا۔“ بڑے بابا کو تا غصہ کم ہی آتا تھا۔

”بما جان..... اس سے پہلے بہت سے بروجیکٹ میں شروع کر چکا ہوں اور کامیابی سے ہمکنار بھی کرواچکا ہوں۔“ کہنی اتنے سالوں سے بلندی کے گراف کو چوری ہے تو اس میں میری بہترین منصوبہ بندی بھی شامل ہے۔ آج آپ ایک چھوٹے سے بچے کے پیچے میری یوں تو یہ نہیں کر سکتے۔“ سعد علی اپنے دفاع میں حل کر دیا۔

”مجھے تمہاری بُلی بُلی وضاحتیں نہیں چاہیے، مجھے اس یہ بتاؤ سارے کامیابی کا نتیجہ تم اتنا برا مشورہ اور اس پر بناؤ۔“ سچے سمجھے پیش رفت کیے کر سکتے ہو؟“ بڑے بابا کا لہجہ جوں کا توہن رہا۔

”مجھے اندازہ تھا لیکن یقین بھی تھا کہ میں سب کروں گا، جب ہم نے پاکستان سے باہر کاروبار کو وسعت دی تب ہمارے پاس پہلے ہی پچت مغلی شرح میں تھی لیکن میں نے سب کروکھایا۔ اب آپ کونہ جانے کیوں میری صلاحیتوں پر یقین نہیں رہا۔“ وہ خود رجرجد خیہدہ ہوئے۔ انہیں اپنے تجربے پس حد تک یقین تھا کہ وہ کوئی بھی منصوبہ کامیاب کرنا جانتے تھا۔ اس پار بھی ایسا ہو سکتا تھا لیکن ان کے مقابل وہ اگھڑا ہوا تھا۔ اس حد تک اپنی بے عزیزی کا انہوں نے سوچا۔ بھی نہیں تھا اور نہ وہ برداشت کر پا رہے تھے۔ اگر اس وقت بما جان موجود تھے تو وہ اس لڑکے کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔

”اس سے پہلے جو بھی کرتے رہے وہ ہمارے انفرادی منصوبے تھے، اب کی باریکی کپنیاں ہمارے ساتھ شامل ہیں، ہم ان کے سامنے ہماری ساکھتم کر دینا چاہتے تھے؟“ وہ کسی طرح مطمئن نہیں ہوا پار رہے تھے۔

”عبدالودود..... یہ منصوبہ تمہارے پر دہنے بچھے مینٹگ سے پہلے تمہاری طرف سے مکمل تیاری کی جنہیں چاہیے۔ ایسا نہ کر سکو تو وقت سے پہلے خبر کر دینا۔“ ان کے نیفلے نے کمرے میں خاموشی طاری کر دی تھی۔

سحد علی نے چند لمحے تا قابل یقین نہ گا ہوں سے انہیں دیکھا اور اپنے دم سے انہی کر کر سے نہ گئے۔ عبدالودود کے دل میں سرت بھرے جذبات بیدار ہوئے، اس نے مسکراتی ہوئی نہ گا ہوں سے بیبا کی طرف دیکھا لیکن وہاں کے مجید ہاتھات اسے بتانے دیئے کوئی کافی تھے کہ وہ اس کے بھی باپ تھے۔ جس ڈگروہ چل رہا تھا اس کی منزل تک وہ پہلے پنج چک تھے۔ اس نے پڑے بابے اجازت لینے اور ان کے آش سے نکلنے میں بالکل تاخیر نہیں کی گئی۔

وہ بڑا مسرور سا پہنچنے آئیں کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے خوشی سے مغلوب ہوتے ہوئے پہلی کالا شاخیں علی کی تھی۔ دوسرا طرف سے فون نہیں اٹھایا گیا تو اس نے بھی کوکال ملائی۔ وہاں سے بھی کوئی جواب موصول نہ ہوا تو خوشی کو دل میں دبانتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ سامنے موجود شخص کو دیکھ کر سن کر پڑا۔

”تمہارے چہرے پر خوشی کی چک ایسے ہی قائم رہے لیکن اس کے لیے تمہیں مجھ سے دور رہنا ہو گا، میرے کام میں ناگز اڑانے سے پرہیز کرنا ہو گا، میں تمہاری ساری چالاکیاں سمجھ رہا ہوں، اس برس میں تمہارا بھی حصہ ہے، تم نے بھی یہاں ہی کام کرنا ہے لیکن میرے معاملات سے دور رہو گے تو یہاں رہ سکو گے ورنہ تمہارا انکنا محل ہو جائے گا۔“ وہ اس کے مقابل کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں مخاطب تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا وہ بابا سے چلتے گئے۔

پڑے بابا کے آش میں ان کی حالت نے اسے وقتی طور پر خوشی دی تھی، اس کی خوشی آہستہ پیشانی میں ڈھل رہی تھی لیکن اب وہ پیشانی پھر کہیں دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جوان کے راستے میں ہریدنہ آنے کا سوچ رہا تھا اس پل اس سوچ کو جھوک کر اپنے نزدیک ارادے مزید پختہ کرنے کا عزم کر بیٹھا۔



وہ عجیب ہے خودی کی کیفیت میں گھر تک پہنچنی تھی۔ ازان ان اس کا ہم قدم ضرور تھا لیکن ہمدر منے کی خواہش اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ رات کی خوب صورتی بھی ان دونوں کے وجود پر چھائے جھوڈ کہیں تو رُسکی گئی۔ دروازے کے پاس وہ کئی پل رکی رہی جیسے اسے بلا نہ یانہ بلانے کی کھلکھل میں بیٹلا ہو۔ ایک دم اتنا شکور ہونا بھی مشکل لگ رہا تھا۔

”پھر ملیں گے۔“ اس کا یوں سوچنا سے سخت تکلیف دے رہا تھا۔ آج پھر ماں کے رو یہ نے ان کی دوستی کو نشانہ بنا لیا تھا۔

”اوے کے..... وہ چاہتے ہوئے بھی مرد نہیں دکھا سکی۔“

اس نے لا اونچ کا دروازہ کھولتے ہوئے خود کو ناریل کیا اور ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ اس کی توقع کے مطابق ماما یادوں لا اونچ میں ہی پیشے تھے۔ وہ اپنے چہرے پر بیاشت بیدار کرتے ہوئے ان کے قریب آگئی۔

”اوے تم آج بھی گئی؟ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتی جلدی آؤ گی۔“ مامانے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”آپ کی فکر تھی مجھے اس لیے جلدی آگئی اور ویسے بھی سب اپنی اپنی مصروفیات چھوڑ کر آئے تھے۔ مجھے ان کی چھیڑا خراب کرنا اچھا نہیں لگا۔“ وہ ان کے ساتھی بیٹھ گئی اور محبت سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔

”میں نے کہا تھا ان کی میں ہوں تمہاری کے ماما پاس، تم بالکل بے فکر ہو جاؤ پھر یوں پریشان رہنا چھی بات نہیں تھی۔“ انہیں اس کی پریشانی کا سن کر اچھا نہیں لگا۔

”پاپا بتایا تو ہے کہ سب نے اپنا شیدول فکس کر کھا تھا۔ میرے کچھ فریزہ ز تو اپنی کشنزی جا رہے تھے سو انہیں

مزید بحث کرنا اچھا نہیں لگا۔ اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

”اچھا یہ تباہ پارٹی تو اچھی رہی تاں؟“

”ہاں ماما، بہت زیادہ مزدہ آیا لیکن آپ دونوں کو بہت مس کیا۔ آپ بھی وہاں ساتھ ہوتے تو خوشی دو بالا ہو جاتی۔“
اس نے مجبت بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔

”بچوں میں ہم بورڈھوں کا کیا کام..... کیوں فاظ میں؟“ انہوں نے سکراتے ان کی طرف دیکھا۔

”ویسے آپ اتنے بھی بوڑھے نہیں ہیں، آج بھی شادی کی کوشش کریں تو دس بارہ لڑکیاں مل جائیں۔“ انہوں نے سامنے میتھے شخص کی خوب صورتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کے جواب پر وہ کھل کر سکراتے اور وہ اسی سکراہٹ میں کھونے لگی تھیں۔ اسی سکراہٹ کے پیچے تو وہ پاکل ہوئی تھیں۔

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ آپ غلط بیانی کر رہی ہیں۔“ انہوں نے شدت سے انکار کیا۔

”کیوں لامی؟ تم بتاؤ..... میں حق کہر رہی ہوں تاں؟“ انہوں نے اپنی بحث میں لامی کر دیتی۔

”بالکل..... آپ کی پرانائی کی تو میری یوں فیلوو یوافی ہیں لیکن مجھے آپ ماما کے ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں۔“ وہ ان دونوں کو الگ تصویر بھی نہیں کر سکتی تھیں جو اپنے دل میں آئے خیالات کا اظہار کرنے میں ورنہ نہیں کھلی۔

”اسی بات پر ہرے کی کافی ہو جائے؟“ وہ اٹھ کر ہرے ہوئے اور سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ دونوں نے ایک ساتھ اثاثات میں سرہلاایا۔

”لا، یہ..... تم فریش ہو کر آؤ میں پکن میں تمہارے پاپا کے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے اس کے گال پر پیارے چکی دیتے ہوئے کہا تو اس نے اثاثات میں سرہلاایا۔

ان کے چانے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ کچھ بھی ظاہر ہونے سے بچا گئی تھی۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے انھی تو موبائل پر میسج ٹوں بھی۔

بہتی ہوئی آنکھوں کی روائی میں مرے ہیں

کچھ خواب مرے ہیں جوانی میں مرے ہیں

کچھ تجھ سے یہ دوری بھی مجھے مار گئی

کچھ جذبے میرے نقل مکانی میں مرے ہیں

قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتا رو

ہم لوگ مجت کی کہانی میں مرے ہیں

اس عشق نے آخر ہمیں برباد کیا ہے

ہم لوگ اسی کھولتے پانی میں مرے ہیں

کچھ حد سے زیادہ تھا ہمیں شوق مجت

اور ہم ہیں مجت کی گرفت میں مرے ہیں

اڑالاں کی طرف سے چند اشعار تھے لیکن دل پر نیزے کی طرح لگے تھے۔ اس نے تم آنکھوں سے میسج ڈیکھ کیا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔



وہ ابھی نیند کی بے رحم وادی میں نہیں اتری تھیں جب انہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ آنے والا یقیناً اذلان تھا۔ وہ اس حد تک جذبات کے بھنوں میں پھنسی ہوئی تھیں کہ دل چاہ رہا تھا منہ زور لہروں کی طرح اس کے وجود کو لے ڈوں میں لیکن خود پر قابو رکھنے میں ہی بہتری تھی۔ ان کے پہلو میں مکمل سکون تھا سو آرام سے انتہے ہوئے کر کے سے باہر آئیں۔

”میں تمہارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تمہیں یقیناً کسی چیز کی ضرورت نہیں ہو گی لیکن اگر پھر بھی کچھ چاہیے تو تباہ دو۔“ ان کا لمحہ اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔ وہ ناہم نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا گھر میں ایک طوفان اس کا منتظر ہو گا لیکن بہاں خوفناک خاموشی کا راجح تھا۔

”آپ وہاں کیوں آئی تھیں؟“ وہ کسی سیاق و بات میں نہیں الجھا۔

”میرا نہیں خیال کر میں تمہاری کسی بھی بات کے لیے جواب دہوں۔“ ان کے انداز میں حدودِ جسمِ دھرمی تھی۔

”یقیناً..... لیکن مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ آپ میرے تعاقب میں رہتی ہیں، ایک چھوٹی سی بات کو آپ اتنا ہائی لایٹ کیوں کر رہی ہیں، اس سب کو بڑھاوا دینا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔“ وہ شاید آج ان سے دلوں بات کرنے کا ارادہ کر کے یا تھا۔

”واہ..... بہت خوب، بجا ہے اس کے کہ تم میری تکلیف کا خیال کرو، میری پسند ناپسند کو اہمیت دو، تم مجھ سے اس کی توقع رکھ رہے ہو۔ یہ سب سوال مجھے کرنے چاہیے لیکن لٹھرے میں مجھے کھڑا کیا جا رہا ہے۔“ ان کی آواز بلند ہوئی۔

”ماما..... آپ بات سمجھنے میں رہیں۔“

”میں سمجھ رہی ہوں اذلان لیکن اس طبقے میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اب اس معاملے کو میں خود دیکھوں گی۔“ انہوں نے اس کی بات سننا پسند نہیں کی۔

”آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟“

”کیا تمہیں بتانے کی پابند ہوں؟“ وہ جاتے ہوئے رُک کر اس کی جانب سوالیں نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

”ماما..... لامیہ اور میری دوستی میں کیا مسئلہ ہے؟“ وہ اب کے ذریعہ جو۔ یہ شاید بھلی یا رھا کہ وہ یوں حل کرنا کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ ان سے جواب طلب کر رہا تھا ورنہ اس سے پہلے معاملاتِ لحاظ کے لبادے میں ملقوف رہے تھے۔

”مجھے مجبور کر رہا تھا کہ اس اقبال تم پر گرا دوں گی جو میرے وجود میں پک رہا ہے۔ جو حقیقت میری زبان کی توک پکی ہے اسے ہونٹوں کی قید میں رہنے دو۔ جس عمارت کے تم دیوانے ہو رہے ہو اس کے کوئی پہنچے ملے کا ذمہ اٹھانے کی سکت تھی میں نہیں رہے گی۔“ ان کے لمحہ میں تھی کے ساتھ کوئی اور جذبہ بھی تھا جسے وہ سمجھنیں پایا۔ وہ ان سے مزید سوال کرنا چاہتا تھا لیکن وہاں رکی تھیں تھیں۔ لاتھاں سوچوں کا سلسہ تھا جس کے حصاء میں وہ تھا۔



کر کے میں ہے پناہ روشنی تھی۔ وہ اپنے وجود کے اندر ہی رے کو ان روشنیوں سے مٹانا چاہتی تھی۔ آج ایک عرصے بعد وہ خود کی چاہ محسوس کر رہی تھیں۔ اس تبدیلی کے محسوس ہوتے ہی انہوں نے بہترین لباس پہننا اور آراش کے لیے قد آؤ رہنے کے سامنے جا بیٹھیں۔ اپنا عکس انہیں ابھی محسوس ہوا تھا۔ ایک وقت تھا جب ان پر پڑنے والی ہر زنگاہ ستائش سے بھر پورہ ہوتی اور آج وہ خود کوئی پیچاگی نہیں پائی تھیں۔ انہوں نے کئی خلوص سے بڑھنے والی تھنکرائے کر دل میں کسی کے لیے کوئی جذبہ نہیں تھا اور جس کے نام پر دھڑکا اب اس کا زندگی میں کوئی درجنیں تھا۔ انہوں نے بھی

ماضی کی طرف پلٹ کرنیں دیکھا کہ خارے کا پہاڑ دیکھ کر پیشانی سے پیشانی عرق آلو دھو جاتی تھی۔ کیا پایا کیا کھویا کا حساب سامس بند کرتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ خود کو تھوڑا انسوار چکی تو احساس ہوا کہ محنت کس کے لیے یہ بجز احسن کس نگاہ کے لیے، یہ بھرا وجود کن بانہوں کے لیے؟ اس سے پہلے کہ وہ خود کو توجہ دلتیں ایک چھوڑ ہنگوں کے پردے پر نمودار ہوا۔

”ہاں.....“ ان کی اخنوں کا نور تھا جو ان کی زندگی کو اپاٹ دی گر پ لاسکتا تھا۔ انہوں نے نامیدی کو پرے دھکیلا اور سیقت سے چادر و جود کے گرد لپیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ قدموں کا رخ موز قمی گوئی کرے کا دروازہ وہاڑ سے کھولتا ہوا اندر واصل ہوا۔

”تم.....؟“ ایک لمحہ کا اور مسکراتے چہرے پر زہر کا نیلارنگ چھانے لگا تھا۔ ان کی نگاہ میں ہفتی خارت تھی مقابل کی طرف بھی معاملہ و سماں تھا۔ وہ چند قدم بڑھتے ہوئے ان کی سمت آئے تھے۔

”تمہیں پتا ہے کہ مجھی میں سوچتا ہوں یہ حسن مجھے باندھ کیوں نہیں سکا، یہ نگاہیں میرے پاؤں کی زنجیر کیوں نہیں بی۔ یہ بی آفسیں میرے جذبیوں کو اپنا مقید کیوں نہیں کر سکیں؟“ وہ ان کے حدود رج قریب آگئے تھے۔

آج ایک عرصے بعد تمگر کایروپ مقابل کے لیے جیران کن تھا۔ اب تو یہ تیور، انداز بھولے ہوئے بھی زمانہ گزر چکا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہ سب دوبارہ کیوں، اب ایک عرصے بعد یہ قربت کیوں، ان کے ذات بے معنی بنانے کے بعد واپسی کیوں؟..... دلوں طرف سوال ہی سوال تھے۔

”اب لگتا ہے یہ سب ظاہری ہے۔ تمہارے حسن میں وہ بات ہی نہیں جو کسی مرد کو باندھ دے، یہ نگاہیں اس مقابل میں نہیں کوئی عکس ان پر پھیپھکے، یہ نگاہیں اب بہت بیلی ہیں، ان کے بیل وزن اٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔“ ایک تیغ مسکراہٹ کے ساتھ زور دار پھٹرائیں کے من پر پڑا تھا۔

وہ اس جملے کے لیے تیار نہیں تھیں تب ہی تو ازن قائم شرکتے ہوئے پیچھے دیوار کے ساتھ جال گئیں۔ کچھ میل لگے تھے انہیں سچلنے میں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اور پھر ایک دم سے مسکرانے لگیں۔ مسکراہٹ بڑھتے بڑھتے پیچھے ہوئے تھے۔

”میں بھی اکثر سوچتی ہوں کہ میری زندگی میں یہ بے کوئی کیوں، سہاگن ہوتے ہوئے یہ وہی زندگی کیوں، جانتے ہو کیوں؟“ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے دوبارہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

”کیونکہ میں نے ہیروں کو چھوڑ کر کوئی چون لیا تھا، اس کو ملے نے میرے ہاتھ ہی نہیں زندگی تک کو کا لک سے بھر دیا۔ میری سانسوں میں دھواں بھر دیا، میرے سر پر دا کھڑا دی، میرے اجلن پن کو داغ دار کر دیا۔“ وہ ان کو دھکا تو نکل دے کے تھیں لیکن لفظوں کا تما نجی خوب مارا تھا۔

”تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو۔“ مقابل کی باتیں برداشت سے باہر تھیں۔

”یعنی حمال اس طرف بھی ہے۔“ دو بدود جواب دینے میں ان دونوں کا ہاتھ کوئی نہیں تھا۔

”یہ بدقی کی مشکل لے کر میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔“ وہ انہیں سامنے سے ہٹاتے ہوئے واش روم میں گھس گئے۔

وہ چند لمحے دیہیں ساکت کھڑی رہیں۔ چند لمحے پہلے وہ زندگی دوبارہ جینے کی کوشش کرنا چاہ رہی تھیں، ایک مشکل لیکن نیا قدم اٹھانا چاہ رہی تھیں لیکن وہ یہ کیوں بھول گئی تھیں کہ ان کی زندگی میں ایک کالا دھمہ بھی تھا جو ان کے وجود نہ مدد اٹھونے والی ہر فنی کرن کو لگ لیتا تھا۔ آج کی کوشش پھرنا کام رہی تھی۔

”رسکنے والوں نے نہ جانے کیا سوچ کر میرا نام حورا یعنی رکھا تھا؟“ وہ خود اور اپنی قسمت پر مسکرائیں۔
 ”جب آپ تمباں جا کو تو خود پہنچ کے لیے پہل کرو کیونکہ اس طرح تکلیف کم ہوتی ہے۔“ وہ مرے قدموں سے واپس پیش اور خود کو سجا نے والا سارا آرائشی سامان افوج کر سامنے رکھے میز پر قائم ہواں کو پیٹ کر دو بارہ تے سر کے اوپر کالیے، ہوتوں تک لگی سرخی ہاتھوں سے ہی صاف کر لی جو چہرہ مزید گندہ کر گئی تھی۔ وہ عجب کہماںی کا احساس لیے آئینے میں خود کو کیدھی تھیں۔

وہ وہیں کھڑی تھیں کہ واش روم کا دروازہ ہکھول کر وہ کرے میں آئے۔ ان کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالنا گوارانیں کی اور ستر پیش گئے۔ وہی روزمرہ کا معمول شروع ہو چکا تھا وہ مکمل نظر انداز کر دیتیں اگر بات چونکا نے والی نہ ہوتی۔ ”میں اس آفس میں صرف میں تھا لیکن اب تمہیں خیال رکھنا ہو گا۔ اب وہاں وہ انسان بھی ہے اور آج جتنی بے عزتی تھی اس کی وجہ سے اٹھائی پڑی ہے میں بھی نہیں بھولوں گا۔“ وہ اپنے سیکرٹری سے مخونٹکو تھے۔ وہ ایک پل میں موضوع گفتگو جان گئی تھیں اور نہ جانے کیوں سکون محسوس ہوا تھا۔ کوئی تو تھا جو اس شخص کو کمزور کر سکتا تھا۔ یا احساس ہی اتنا طیباں بخش تھا کہ بول پڑکاہستہ آگئی۔

”اتی مخنوں عورت ہے کہ میرے برے دن کو مزید براہنے کی کوئی کھنہیں چھوڑتی۔“ ان کی مسکراہٹ دسری طرف آگ کا گئی تھی۔
 وہ مسلسل بول رہے تھے لیکن وہاں کے اڑھا۔ ان کے ذہن میں نئے خیال جنم لے رہے تھے اور وہ اس وقت بھول چکی تھیں کہ نورا یعنی پچھر دیر پہلے انہیں چائے محسوس ہو رہی تھی اور اب اسی چائے پاپنے بد لے کی آگ کو مزید حرارت دینے کا سوچ رہی تھیں۔

* * * * *

وہ عقیل باغ میں اپنی ہی سوچوں میں مکن بیٹھی تھی، دو ختوں پر چکتے پرندے اس کی توجہ کا مرکز تھے، چھوڑی دیر پہلے اس نے منٹی کے بڑے کٹورے پانی سے بھر کر مختلف گوشوں میں رکھ دی کے پرندے اپنی بیاس بھاکیں۔ عقیل باغ کے ایک کونے میں پانی کا فوارہ بناؤا تھا جس کے بالائی حصوں پر کثیر پرندوں کا ہجکھا ہوتا تھا۔ ”تو روی بی بی..... آپ بیہاں ایکی کیوں بیٹھی ہیں؟“ نہ جانے کب کل اس کے پیچے آ کھڑی ہوئی۔

”اکیلے بیٹھے اگر سکون میں رہا تھا۔“ اس نے مدھ لمبجھ میں جواب دیا۔
 ”آپ اب بہت خاموش رہنے لگی ہیں، مجھے ایسے بالائی اچھی نہیں لکھتیں۔ کچھ عرصہ پہلے اس حوالی میں آپ کا شور کو جنتا تھا لیکن اب نی جان بھی آپ کی خاموشی سے خائف رہنے لگی ہیں۔“ وہ اس سے کچھ فاصلے پر پاس ہی بیٹھ گئی۔

”پہنیں ایسی کیوں ہو گئی ہوں؟ میں بولنا پاہتی ہوں گل لیکن زبان ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ ایک گھر اخاموشی کا حصار اپنے گر جھوں کرتی ہوں۔“ وہ اس وقت ایک بہن اور دوست کی کی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔
 ”آپ بہت بھادر ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ کوش کریں گی تو اس حصار کو توڑ دیں گی۔“ گل کو یہ من مونتی صورت والی لڑکی بہت عزیز بھی۔

نورا یعنی کو دیکھتے ہوئے اسے ماضی کی ایک حسین یاد بہت شدت سے آئی تھی لیکن اس یاد کا انجمام بھی بہت خطرناک ہوا تھا۔ وہ ماضی کو حال میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کہنے کو اس حوالی کے نسل درسل سے ملازم تھے لیکن اس حوالی کے کلیں اسے بہت عزیز تھے۔ اس کا بہت دل چاہتا تھا اگر رے وقت کی یاد میں اس سے باٹنے لیکن ایک تو وقت

کی کمی اور دوسرا حوصلی میں ان بیانوں کو ہرانا اک گناہ سمجھا جاتا تھا۔

”میں بالکل بہادر نہیں ہوں اور اب تو مجھے یوں لگنے لگا ہے جیسے یہ خاموشی، ادا کی میرے وجود میں بنتے گئی ہے۔“
وہ کافی دیر بعد یوں تو گل اپنی سوچوں سے چوکی۔

”آپ پریشان نہ ہوں بس تمہارا عرصہ باقی ہے۔ اس کے بعد آپ کے لیے خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔“ وہ صدق دل سے اس کے لیے دعا گھوڑی۔

”کیوں..... پچھلے حصے بعد کیابدل چائے گا؟“ وہ تلفخ سما سکرتے ہوئے یوں۔

”میتھی صاحب کی تعلیم مکمل ہو جائے گی اور آپ یہاں سے دور چلی جائیں گی۔ وہاں خوشیاں ہی خوشیاں آپ کی منتظر ہوں گی۔“ گل اپنی روشنی وہ اکشاف کرنے جوابی دلوں کے نہاں خانوں میں قید گئی۔

”لیاں مطلب..... ایسا کس نے کہا تم سے؟“ وہ تھی کے ذکر پر چوکی۔

”وہ چھوٹیں جی آپ..... اس ایسے ہی کہہ دیا۔“ وہ اب گزیر ہوئی۔

”گل..... مجھے بتاؤ۔“ اس نے اصرار کیا۔

”میں نے لی جان سے نہ تھا۔ وہ چاہتی ہیں آپ کو تھی احمد کے ساتھ ایک پاسیدار شستے میں باندھ دیا جائے۔“
اس نے اگر دو سیکھتے ہوئے دھرم لیجھ میں جواب دیا جسے کسی کے سن لینے کا خطہ ہو۔

”ایسا۔ بھی ممکن نہیں ہوگا۔ اس اکیلے کے آنے سے بڑی ایسی یہ خوشی ہی بالتے گئی ہیں۔ مجھے ان کی توقعات ٹوٹنے کا دکھ ہوگا۔“ وہ صاف گو لیجھ میں بولی۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دل میں تھی کے لیے کوئی جذبات نہیں اور یہ بات گل کوایا انہوں نے۔

”وہ بہت جلد بڑے صاحب سے بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ آپ کی حالت پر کہوتی رہتی ہیں اس لیے بہت جلد آپ کے لیے کوئی ناکوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہیں۔“ وہ نہ جانے اس سے کیا سنا جاتی تھی۔

”تم اور بی جان دونوں بہت بھوپولی ہو، تھی کے خاندان کا ہمارے خاندان سے علقہ۔ بہت انہوں باتیں ہے اور ویے بھی مجھے خوشیاں راس نہیں آتیں۔ میرا مقدر مجھے اس حوالی کی اوپری دیواریں ہی لگتی ہیں۔“ اس نے فوارے کے عقب کی جانب دیکھا جان ایک کتبے پر کندہ نام اس حوالی کی بنیادوں کو درست بھر گیا تھا۔ اس نہ جانے کیوں لگتا تھا کہ اسی کتبے کے بالکل ساتھا اس کے نام کا کتبہ بھی لگ جانا تھا۔

”تو ری بی بی..... اللہ کا نام لیں، یہ خطرناک باتیں آپ نے کیا کریں۔ لی جان اور حربی بی جیتے جی۔ مر جائیں گی۔“
وہ اس کی نظر وہ کاز اویہ دیکھتے ہوئے دل انہیں۔ اس کے ہاتھ بخانے میں دل پر جاپنے تھے۔

اے آج بھی وہ خوفناک رات یاد تھی جب بادل ٹوٹ کر بر ساتھ۔ دونوں پر گلکلی اس شدت سے ٹوٹی کہ ایک جودرات کے اندر ہیرے میں اس مٹی کا لکین بن گیا۔ خوب صورتی منون مٹی تسلی جا سوئی کروئے والے روئے گئے تھے۔

”کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا گل..... دیکھو تین سال پہلے ایک وجود یہاں خاموشی سے آن بسا لکین کوئی تہذیب نہیں آئی، اس حوالی کی دیواریں جوانی تک گلکن لکن آج وہ دیواریں پہلے سے مزید اوپری ہیں۔“ وہ حدید نہ خیڈہ ہوئی۔

”کے لئے باتیں ہیں، تم نے پہلا وقت دیکھا نہیں ہے، تب بڑے صاحب بہت بخت ہوتے تھے۔ اپنے سے ایک اچھی بنتے کو تیار نہیں..... اب تو ان میں زیادتی آگئی ہے۔“ وہ نہ جانے کیوں اسے وضاحت دینے لگی، شاید

گزرا وقت اس کے لیے امتحان تھا۔

”ایسا بالکل نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مجھ سے نسلک دور شستہ میری وجہ سے عذاب زندگی نہیں گزار رہے ہوتے۔ میرے وجود کی پاداش میں اپنی زندگیاں ضائع نہ کرتے بلکہ بہت پہلے میرے بوجھ سے جان چھڑا کر اپنی زندگیوں میں مکن ہو جاتے۔“ اس کا لمحہ بھیکنے لگا۔

”رسحد صاحب کا تو پہنچنیں کہہ سکتی ہیں کہ حوری بی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ اس کی نگاہوں میں کل کامنٹر آن سیما جب وہ اس کے لیے تربیت رہی تھیں۔

”مگل.....“ وہ آپس میں اس درجہ تھوڑی تھیں کہ یوسف کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ دونوں نے چوک کر اس جانب دیکھا تو یوسف کسی مرد کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس بات سے انجان تھا کہ نور احمدیں وہاں موجود ہے تب ہی ایک دم گھبرا گیا۔ وہاں عجب سماحول بن گیا کہ سب اپنی اپنی جگہ شرمند ہونے لگے۔ نور احمدیں کی ایک نگاہ آنے والے پر ہری اور اس لمحے اس نے کندھے پر کلے ڈوبے لوٹھیتے ہوئے چہرے کو ٹھہر لیا تھا۔ وہ فوراً اٹھی اور وہاں سے چھپے کی طرف چلتی ہوئی حوری کے اندر ورنی حصے میں داخل ہوئی۔

”یوسف تمہارا دھیان آج کل کہاں ہوتا ہے؟“ مگل نے اسے کھاجا نے والی نگاہوں سے دیکھا۔

”مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ چھوٹی بی بی یہاں ہوں گی۔ وہ اس پودے کی اوڑھ میں تھیں تو نظر نہیں آئیں، میں تمہیں اکیلا سمجھتا ہوا اس طرف چلا آیا۔“ مگل وضاحت دے رہا تھا۔

”آپ یہاں آئے۔ خیریت ہے؟“ وہ آنے والے کو جانتی تھی۔ ٹھیم عباس کا اس حوری میں بھی کھار آنا ہوتا تھا لیکن وہ آخر مردانہ جملہ سمجھ دہوتی ہے۔ اس طرف آتا چھپھ کا یا عاش تھا۔

”تھیں بڑے صاحب نے ہی بیچا ہے۔“ یوسف نے جلدی سے وضاحت دی۔

”کیوں؟“ وہ پھر سر اپا سوال ہوئی۔

”حوری میں لگے درخت اور پودے مر جھانے لگے ہیں۔ ان کی رنگت مر نے لگی ہے تو بڑے صاحب نے مجھے جائزہ لئنے کے لیے بیچا ہے۔“ وہ جان چکا تھا اسے جان چھوٹنے والی نہیں سوکھل جواب دیا۔ وہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تو کل یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔

”پہ کیوں جائزہ لے گا، حوری کامالی تو ہے پھر اس کے آنے کی وجہ؟“ مگل کسی طرح مطمئن نہیں ہو چکری تھی۔

”مگل..... مجھے تو بلا جڈا نٹ پڑتی ہے جب کہ زبان تمہاری نہیں رکتی۔ بی جان نہ جانے کیسے تمہیں برداشت کرتی ہیں۔“ وہ حدود رجڑ پچ آیا ہوا تھا۔

”باتیں سن بھارو... سیدھی طرح بتاؤ۔“ وہ کن اکھیوں سے اسے باغ میں گھومتے دیکھ رہی تھی۔

”ٹھیم صاحب کی تعلیم یہ ہی ہے، انہوں نے یہ درختوں، پودوں کے تعلق ہی پڑھا ہے۔ پر اعلاق ان کی ذہانت کی تعریف کرتا ہے، اسی وجہ سے بڑے صاحب نے انہیں یہاں بیچا ہے۔“ اس نے جان چھڑانے کی غرض سے سب کچھ بتادیا۔

”تو اتنے مل ڈالنے ضروری تھے؟ پہلے ہی آرام سے بتادیتے۔“ مگل اسے گھورتے ہوئے اندر کی جانب چل گئی۔

”کون ہے؟“ وہ رہبر اری میں ہی کھڑی تھی اور اس بات پر پریشان کہ اندر ورنی حصے میں کون آ گیا۔

”ٹھیم صاحب ہیں۔ عبد الودود صاحب کے دوست ہیں۔ بڑے صاحب نے حوری کے پوپوں، درختوں کو دیکھنے کے لیے بیچا ہے۔ انہوں نے شہر سے اسی کی تعلیم حاصل کی ہے۔“ وہ اسے یوسف سے تالی ساری معلومات

دینے لگی۔

پہنچا اس نے کئی پارسا تھا سو حیرانی بالکل نہیں ہوئی لیکن اس شخص کی دیدہ دلیری عجیب تھی۔ آج تک جو حلی میں آیا کوئی انسان انہیں دیکھنے کا اور اگر سامنا ہوا بھی تو نہ گاہیں تھا۔ تھا کہ ایک اس میں ذرا برخوف نور اعین کو دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ پورے اعتاد سے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کی نگاہوں کے گمراہ نے بھی اسے نگاہیں چڑھانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

وہ لا دن بھی میں رکھے صوفے پر نیم دراز تھا۔ چکن سے سلسل آوازیں آرہی تھیں جو ماما کی مصروفیت کی غماز تھیں۔ پاپا شاید گھر نہیں تھے جب ہی گھر میں خاموش تھی۔ یونیورسٹی کا آغاز تھا سودان کافی تیز رفتار تھے۔ وہ اکثر چاہتے ہوئے بھی گھر والوں کے ساتھ وقت نہیں گزار پا رہا تھا۔ آج وقت طالوتا دن بھی میں ہی ایتھر گیا کہ ماما کے آس پاس رہے۔

”صیحہ..... تم ذرا چکن دیکھ لو۔“ اس نے پاس سے گزر قریبی کو کہا۔ وہ اپناتھ میں سر ہلاکی جعلی تھی۔ ”ایک تو تم بھی نا زار سکون نہیں لیتے، میں نے کہا بھی تھا تھوڑی دیر میں آتی ہوں، تمہارے پاپا کو کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آتا۔“ وہ چکن سے بلوٹی ہوئی آئیں اور اس کے پاس ہی بیٹھیں۔

”ختہ دن ہو گئے آپ کی گود میں سر نہیں رکھا اس لیے آج کا دن میرے نام.....“ وہ ان کے بیٹھتے ہی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ اس کی اس عادت سے واقف تھیں تو فقط سکرا کر رہا تھا۔

”تم ساؤ..... کیسی گز روہی ہے یوں لائف؟“

”بہت مصروف۔“ اس نے مختصر ساجد دیا۔

”اتنا چھوٹا جو باعث تھا؟ تم تو اپنے دن کی ساری روادشان لئنے کے بعد سکون سے بیٹھتے تھے۔“ انہیں حیرانی ہوئی۔

”ناما..... جس ساتھ پرانے دوست تھے، آپ سب کے متعلق جانتی تھیں تو اتنی سنا تارہ تھا۔ میرے سارے دوست پاڑا بجکش کے لیے باہر چلے گئے، اب کوئی ساتھ رہا ہی نہیں۔“ اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا لیکن وہ مزید پریشان ہو گئیں۔

”بھی..... میرے لیے سب سے قیمتی انسان تم ہو، میں تمہیں خود سے دور کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“ تمہارا کسی دوسرے ملک پڑھنے کے لیے جانے کا ذکر ہی میرے لیے تکلیف دھھا لیکن شاید اپنی ضرورت کے لیے میں تمہارے ساتھ زیادتی کر گئی۔ تمہاری بارکش شیٹ کے باعث تمہیں کسی بھی اچھی سے اچھی اوارے میں داخلہ مل سکتا تھا میری خدمت نے تمہاری خواہشوں کا راستہ روک لیا۔“ انہیں احساس ہوا کہ شاید وہ اپنے اکلوتے بیٹھ کے ساتھ زیادتی کر گئی ہیں۔

”ناما..... آپ ایسی بات نہیں کیجھ گا۔“ وہ ان سے تارض ہوا۔

آپ کبھی ایسی بات نہیں کیجھ گا۔“

”اچھا بابا..... نہیں کروں گی۔“ انہیں اس پر بے حد پیار آیا۔

”اچھا آپ کو ایک مرے کی بات بتاتا ہوں۔ آپ کو یاد ہے جب جو میں گیا تو بتایا تھا کہ میرا چھوٹا سا ایک شیڈ تھا ہو گیا تھا۔“ انہوں نے اپناتھ میں سر ہلاکیا۔

”وہ دوڑ کیاں تھیں، میں نے ان سے اتنی مذہرات کی لیکن ایک لڑکی اتنی غصیل تھی کہ مجھے لگا کہیں یہاں ہی عوام کے ہاتھوں ادھیڑنا جاؤں۔ اللہ اللہ کر کے جان چھڑائی اور بھی دوبارہ سامنا نہ ہونے کی دعا مانگی لیکن پتا ہے کیا ہوا؟“

اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

”کیا ہوا؟“ وہ اس کی جانب مفلت توجہ تھیں۔

”وہ مجھے یونی کے پہلے دن ہی بس میں مل گئی، میری قسمت خراب کہ میں بس میں اسی سے جانکرایا۔“

”ارے وہ..... یہ تو بڑا خوبگوار حادثہ تھا۔“ وہ بڑے دھمکیاں سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

”ناما..... آپ کے بیٹے کی جان بچنے میں گئی اور آپ کو خوبگوار حادثہ لگ رہا ہے؟“ وہ لگوہ کنال ہوا۔

”آپ کوچھ ہے اس نے مجھے کیا کہا؟ آپ ایک نہایت بدحواس انسان ہیں۔“ اتنے دنوں بعد بھی اس کے الفاظ مجھی کے دل نقش تھے۔

”میں..... کبھی تھیں بدحواس کہہ گئی؟“ انہیں وہ لڑکی پناخ ہی محسوس ہوئی۔

”یہاں بس تینیں کی پلک کہا آپ کو گرنے، مارنے، ہکرانے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔“ وہ اسی کے انداز کی نقل کرتے ہوئے بولا تو وہ پشتے لگیں۔

”ایک لڑکا ہمدرد بنتا ہوا آگے آیا تو اسے کہتی ہے تم تھانیدار ہو یا صلح کمیٹی میں کام کرتے ہو؟“ وہ منہ کے زاویے پدل پدل کر بول رہا تھا اور وہ نہ رہی تھیں۔

”اس لڑکی کا نام عزت ہی، میرے ساتھ جو لڑکا تھا کہتا ہے نام عزت ہے میں بے عزتی کرنے میں ماشرگتی ہے۔“ اب کہوہ بھی ان کی بھی میں شریک ہوا۔

”تو پہ ہے بھی..... کیا پناخ لڑکی ہی تم کی نقل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ وہ نہ رہی تھیں۔

آنکھوں میں یانی جمع ہونے لگا تھا۔ انہیں اس لڑکی میں کچھ خاص لگاتا ہی تو وہ اس کا ایک ایک لفظ یاد رکھئے تھا بلکہ اس کے چہرے کا انداز بھی نہیں پھولتا تھا۔

”سب سے مزے کی بات تو بھی باقی ہے؟“

”کیا.....؟“ وہ مفلت توجہ سے اسے سن رہی تھیں۔

”وہ پہلے دن کسی اور ڈیپارٹمنٹ کے سامنے اتری تھی میکن اگلے دن اندازہ ہووا وہ آفت ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ کا حصہ ہے، آپ یقین کریں سب لڑکوں کو ڈرائیور کے رکھا ہوا ہے۔“ بھی کا انداز انہیں پڑھائے جا رہا تھا۔

اسی وقت لاونچ کا دروازہ کھلا۔ ان دو نوں کی نگاہیں بیک وقت اٹھیں۔ بھی نے پریشان نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا کیونکہ وہاں نگاہوں کے ساتھ ساتھ سکراہٹ بھی ساکت ہو گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)



میری مٹھیں گلاب

نر ہست جسین ضیاء

پرانے طرز کی حویلی نہابدے سے گھر میں آج خوب
چھل چھل اور رونق ہو رہی تھی۔ اس حویلی کو ”قصرویم“ کے
رنگ کے گاؤں عکیے کا دیے گئے تھے، ایک طرف عقیدی دیوار
نام سے پکارا جاتا تھا۔
آج پارسہ کی رسم مایوس تھی۔ اس حوالے سے روایتی
جوش و خوش عروج پر تھا۔ بڑے سے بآمدے کے کونے
میں لال، ہر اور پیلے جمال والاؤ گلوٹے کناری اور کرن سے
بنا ہوا خوب صورت جمللاتا منڈپ بنایا گیا تھا۔ جہاں
پارسہ کو مایوس کے لیے بیٹھا کر رسم ادا کی جانے والی تھی۔
بآمدے سے مقبرے سے صحن میں عشقی ایشی اور گی
دیواروں پر نہیں جمال والوں والی لائیں لائی گئی میں جبکہ
چھتی دتی جمنڈیوں اور جمال والوں سے پر آنکھ میں کوچیا



بھی تھے۔ کسی کا دو پہنچ کر کواکر لانا تھا تو کسی کے کپڑے بھروسہ ان کو مطمئن بھی کر دیتا تھا۔

درزی کی دکان سے لانے تھے ساتھ پھولوں، مٹھائی اور گجرے ہار کے ذمے داریاں بھی انہی کے سر تھیں۔ وہ بیچارے بھاگ بھاگ سارے کام پیٹا رہے تھے۔ انہیں بھی تیار ہونا تھا مگر گھروں کے دھندے ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔
مشیرہ بیگم بڑے سے تسلی میں اپنی گھول رہی تھیں، رات کو اپنی بھی تو کھلنا تھا جبکہ کاظم بیگم کے ذمے رات کے کھانے کی ذمے داری تھی، اسے بیگم بھی اس کرے تو کبھی اس کرے میں تو بھی پن میں چکر لگا رہی تھیں، کہیں بھی ضرورت ہوئی فوراً وہ حاضر ہو جاتیں، وہن کی ماں ہونے کی مشیت سے وہ بہت پریشان تھیں کہ کہیں کوئی کی نہ رہ جائے۔ کوئی بدتری نہ ہوتی ہی مکن چکرنی ہوئی تھیں۔

”لماں..... پلیز گھری بھر کوہ لے لیں آپ۔“
ابھی سے تحکم جائیں گی تو شادی تک کیا حال ہوا؟ آپ کا، اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں آپ؟“ جب تیری باروں منت کے دروان کرے کا چکر لگایا تو تباہی چپ شدہ کی۔ ”ہالی ہاں..... ٹھیک ہوں میں، بس منیرہ بھائی کو دیکھتا تھی تھی۔“ اسے بیگم نے جلدی سے کہا اور کرے سے دوبارہ باہر نکل آئیں، اب وہ کیسے تباہی کشہ جانے کیوں ان کا دل اس قدر پریشان ہے، مال تھیں ایک تو بھی کی شادی اوپر سے خاندان سے باہر غیر لوگ دل خداش سے بھرا ہوا تھا حالانکہ تم اور میدات خودا چھا اور تمہیں بیٹھ لڑکا تھا۔ فیصلی بھی پڑھی لکھی تھی، اچھی جا ب، اچھا گھر اور اچھے لوگ تھے۔ پارسکی خدا اور پندت کے گے مجور ہو کر یہ رشتہ طے کر دیا گیا تھا لیکن رشتہ طے ہونے کے بعد گھر والے جو سبزادوں اس کی میلی کو لے کر شاکی تھے خاصے مطمئن ہو چکے تھے کہ لوگ اچھے ہیں، ایک اسماء بیگم نہ جانے کیوں پر ظاہر مطمئن نظر آنے کے باوجود عجیب سے خداشات اور واهمات کا ڈکار تھیں لیکن پارسکا طلبیان اور اس کے چہرے سے چھلتی خوشی اور اس کے لبجھ کا اعتماد و

کاظم بیگم کے شوہر شادی کے کچھ عرصے بعد ملازمت کے سلسلے میں یہ وہن ملک گئے تو کاظم بیگم اپنے سے گھر میں تباہی میں تھیں تھیں ایک تو بھی کی عبدالمعیدی اجازت سے ناظم بیگم کو اپنے گھر لاتے۔ اس طرح شادی کے بعد بھی تینوں بھائی بہن ساتھ ہی رہے۔ اتنے بڑے گھر میں سب آرام سے رہتے، مزے کی پاتتھی کہ یہاں پر روایت دیواریں، جھانی اور زندگی کوئی بدتری و چاقٹاں یا سرد جنگ بھی نہیں تھیں، بڑا ہی قابل رنجک اور قابل تعریف گھر ان تھا، جہاں پر اتنی محبت، خلوص اور شتوں کا تقدس بیان جاتا تھا۔ ویسے احمد کے والدین ان کی اور شتوں کا تقدس بیان جاتا تھا۔ ویسے احمد کے والدین ان کی شادی سے بہت پہلے انی انتقال کر گئے تھے۔ ویسے احمد گھر کے بڑے بیٹے تھے۔ چھوٹے بھائی نیم اور کاظمہ کی ذمہ داری بھی ان پر اپڑی۔ اپنا کاروبار تھا۔ کاظمہ اس وقت اثر کر رہی تھیں جب سلے والد اور پھر چند ماہ بعد والدہ بھی داشت مفارقت دے لئیں۔ والدہ کی اچاک موت سے کاظمہ تو پاگل ہی ہو گئی تھیں، ایسے میں ویسے احمد اور سیم احمد کا خلائق اور اس کا طلبیان اور کے لیے ان کو سنبھالنا شکل ہو گیا تھا۔ والدہ کا خیال تھا کہ

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے
لئے بھی قریبی بک اسٹال میں طلب فرازیں



ملک کی مشہور معروف فلم کاروں کے سلسلے وار ناول ناول اس اور افسانوں سے آ راستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنجل۔ آج ہی اپنی کالپی بک کر لیں۔

سانسوں کے اس سفیں

محبت میں باری محورت، بہت خطرناک ہوتی ہے، وہی کسی حد تک جا سکتی ہے، ام ایمان کی خوبصورت کہانی

اکائی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازماں ناول
جس کا لفظ انہیں نتوش چھوڑ دیا گی

ہمارا آنچپل

قارئین کے تعارف پر بنی سلسہ جس میں بہنسیں
سوالوں کے جواب دے کر شرکت کر سکتی ہیں

Info@naeyufaq.com

پہنچنے والی صورت میں جو گی توں (03008264242)

منیرہ بیگم کو بڑی بہو بنا کیں ایسے وقت میں حیدہ خالہ، فیروزہ چھی اور دیگر رشتے داروں نے بہت ساتھ دیا۔ کاظمہ کی حالت دیکھ کر سب نے بھی مشورہ دیا کہ گھر میں عورت میں ہونا ضروری ہے۔ رشتے دار خواتین بھی بھلاکتے دن بیہاں رہ سکتی تھیں۔ سب کے گھر تھے، ذمے داریاں تھیں تو طے پہ پایا کہ چند ماہ کے اندر ہی ویم احمد سادگی سے منیرہ کو بیہاں کر لے آئیں گو کہ ان کے خاندان میں شادیوں میں بڑا ہوم دھر کا ہوتا اور عین روایتی طور پر یقون کی پاسداری کی جاتی تھیں وقت کا تقاضا بھی تھا۔ بھی وہم دھر کا اور شور شراب کے تحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ یوں منیرہ بیگم ویم احمد کی زبان بن کر گئیں۔

”منیرہ میں بہت شرمدہ ہوں..... جن حالات میں چاری شادی ہوئی، میری وجہ سے تم نے اور فیروزہ خالہ نے اپنے ارمان بھی پس پشت ڈال دیئے، یوں سادگی سے تم میری دیباں میں حل آئیں۔“ شادی والی رات ویم احمد نے کہا تو منیرہ بیگم نے آگے پڑھ کر ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ویم..... آپ کیسی باتیں کر دے ہیں؟ امی کی باتیں کر کے مجھے شرمدہ نہ کریں، حلیمه خالہ آپ کی ماں ہی نہیں میری بھی ماں تھیں، ہمیشہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہی سمجھا، بھتادھی آپ ہیں اتنی ہی میں بھی ہوں، میرے لیے ارمان ہا رزو اور رسمات اتنی اہم نہیں ہیں بلکہ آپ، یہ گھر، کاظمہ اور یہم ہیں۔“ منیرہ کی بات پر ویم احمد نے محبت اور پر تکریز طریقوں سے منیرہ بیگم کو دیکھا ان کی آنکھوں میں نی گئی تھی۔

”ویم آپ پاکل فخرت کریں، نہ ہی کوئی ایسی ایسی بات سوچیں میرے لیے آپ کا ساتھ ہی سب سے ایہم ہے..... کاظمہ کی حالت دیکھ کر میں خود بہت پریشان تھی اور میں پوری کوشش کروں گی کہ بہت جلد کاظمہ کو ناول روشن پر لے آؤں، ان شاء اللہ وہ بالکل ملیک ہو جائے گی۔“ منیرہ کے پر عزم اور محبت بھرے اندازے نے ویم احمد کے بے جان وجود میں گویا جان بھردی تھی۔

”ان شاء اللہ.....“ ان کے چھرے پر محبت بھری
بچوں کی طرح مخصوص اور بھروسی بھائی کا ظلمہ منیرہ کو اس پر
ٹوٹ کر پیدا آ جاتا، گھر کا ماحول بہت اچھا تھا۔ وقت
دھیر سے دھیرے غزر رہا تھا۔

پھر ان سب کی زندگی میں زیان آ گیا ”زیان و سیم
احمد“ نخوازیان کیا آیا۔ سیم احمد اور کاظمہ ہر وقت ہی
لڑتے نظر آتے، منیرہ کہتا کہ زیان میری طرح ہے جبکہ
کاظمہ بعذر رہتی کہ زیان کی آنکھیں اور سرخ و سفید
رُنگت بالکل اس جیسی ہے۔ منیرہ اور سیم احمد ان کی
لڑائیوں پر مہنتے رہتے۔

”اے بھی تم دونوں کا مکصر ہے..... تھوڑا بڑا
ہو جائے تو خود کی نظر آ جائے گا کہ کس پر گیا ہے۔“ جب
لڑائی حد سے بڑھتی تو سیم احمد صلح کرتے ہوئے ملاخت
سے کہتے۔

کاظمہ نے گرجیوشن کیا تب زیان بھی تین سال کا
ہو گیا تھا، اب منیرہ کو کاظمہ کی شادی کی فکر رہی۔ وہ اس کے
فرض کو جلد ادا کرنا چاہ رہی تھیں رشتہ تو طے ہی تھا لیکن
کاظمہ نے ساتھ تو شور چاہ دیا کہ پہلے نسیم بھائی کی دہن آئے
گی پھر میں چاؤں کی ورنہ منیرہ بھائی ایلی ہو جائیں گی
بات بھی ٹھیک تھی۔

”بھائی یہ سب ملائکت ہے تند بھادج کی، سیمی
مخصوص یہو کو ستائیں گی دونوں مل کر۔“ سیم احمد نے منہ
لٹکا کر بھائی کے سامنے فریاد کی۔

”ماں تو اور کیا..... جھٹاٹی ہوں تو جھٹاٹی بن کر بھی تو
وکھاؤں گی تاں۔“

”اور نہ تو دیسے بھی بھاد جوں کی دشون ہوتی ہیں، کیوں
بھائی؟“ کاظمہ نے درمیان سے منیرہ کی بات اچک لی اور
لتمسیا۔

”ہاں ہاں بالکل..... ہم دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔“
منیرہ نے جملہ حل کیا اور دونوں نے بھرپور قہقہہ لگایا، وسیم
احم بھی نفس دیئے۔

”ہائے ہائے! کیا ظلم ہے بھائی..... دیکھ رہے ہیں،

منیرہ بیگم نے صرف یہ سب کہا بلکہ اس پر عمل بھی
کر کے دیکھا دیا۔ نہیں بھی بھی کی طرح کاظمہ کا تاختا خال
رکھتی جیسے ایک ماں اپنی بیٹی کا خال رہتی ہے، سائے کی
طرح اس کے ساتھ ساتھ لگی رہیں، اس کی پسند کے
کھانے پاکائیں، اور اہر کے قصے کہا بیان اور لطفی
ساتھیں، کاظمہ بے دلی کے ساتھ سنتی، بھی جب رہتی بھی
بے دلی سے مکار دیتی..... پچھلی بے جان بھی، آہستہ
آہستہ منیرہ نے کاظمہ کو پڑھائی کی طرف بھی راغب کر لیا
۔ مسلسل سخت اور گاہا کار کوششوں سے آخر کار کاظمہ
زندگی کی طرف ادھر آتی تھی۔

یہ اذال سے ہوتا آیا ہے بھلامرنے والے کے ساتھ
کون ہرتا ہے، جیسے والوں کو بھی لگتا ہے کہ جیسے وہ جی بھی
بیٹیں گے اور ایک لمحے گزار ناامکن سالگرتا ہے عیسے سب
چیز ختم ہو گیا ہو، جیسے کہ کوئی جواز، کوئی مقصد، کوئی ضرورت
محسوں بھیں رہتی..... سارے اسے بند نظر آتے ہیں لیکن
یہ ہمارے رب کی ہمہ بانی ہی تو ہے کہ بے لفظی، نامیدی
کے باوجود ایک لفظ ”صبر“، بھی تو ہے جو حیر مرے رب کی عطا
ہے۔ وہ رب صبر بھی تو عطا کرتا ہے، جیسے کی راہ و دھلاتا
ہے، نامیدی کو میری اور بے لفظی کو لیقین میں بدلتے
والا..... وہ دیتا بھی اور لیتا بھی ہے..... کچھ اپنے بھیز
جاتے ہیں تو کچھ زندگی میں آ جاتے ہیں۔

کاظمہ نے بھی صر کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا، نظر وں
سے اچھل ہونے والوں میں تو تھے ہی میش، میش کے
لیے اب اسے ساتھ دینا تھا ان کا جو نظر وں کے سامنے
تھے، محبت کرنے والے رشتہ جو کاظمہ کو پہنچا دیکھنا تھا جسے
تھے، اسے زندگی کی طرف واپس لانا تھا جسے تھے وہ بھی تو
اپنے تھے، خون کا رشتہ تھا ان سب سے..... رفتہ رفتہ وہ
زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ اس نے بڑھائی سے ٹوٹا ہوا
رشتہ دوبارہ جوڑ لیا۔ منیرہ کے ساتھ تکمیل کر گھر کے کام پنپالی،
ان سے ایک ایک بات شیز کرتی، کالج کی باتیں کرتی،

آپ؟“ ویم احمد نے سر کھج� کر مسکین سی شکل بنا کر بھائی
سے فریدا کی۔

رشتے کی تلاش کا مرحلہ تھا تا کوئی اور مسئلے یوں جھٹ
پٹ اسماء اور ویم احمد کی شادی کی تاریخ ملے ہو گئی اور
تیاریاں ہوتے لگیں، اور شادی کی تیاریاں عروج پر
سمیں تب ہی منیرہ بیکم کو احساس ہوا کہ وہ ایک بار پھر
ماں بننے والی ہیں۔

”ہائے اللہ یہ کیا ہو گیا ویم احمد؟ اب شادی کے
انقلامات کیے سنبھال پاؤں گی میں، کاظمہ بھی پچھے
ہے وہ بھلا کیسے سب کر پائے گی؟“ وہ حکم جمع بے حد
پریشان ہو گی۔

”اللہ ہتر کرنے والا میں نہیں، ان شاء اللہ سب کچھ
بہتر طریقے سے ہو جائے گا۔ فرمات کرو..... اللہ پاک کی
نعمت کو لے کر یوں واڈیا ملت کو بلکہ اللہ پاک پر مکمل
بھروسہ رکھو۔“ ویم احمد نے پڑے پیارا دلماجمت سے ان کو
سمجھا، کاظمہ تو بہت خوش تھی کہ ایک اور سماں آئے والا
بے نیزہ نے خود کو بہت بہت سے سنبھالا اور اللہ تو کل
شادی کی تیاریوں میں لگ گئیں۔ اس بار شادی پر خاندانی
رسومات اور سارے ارمان نکالے جا رہے تھے۔ بہت
شروع سے ہی ان کے خاندان میں شادی بڑی اہتمام
سے کی جاتی، رسومات اور روایات کو برقرار رکھا جاتا سواں
پار بھی خاندان کے کچھ لوگ اہر سے اور کچھ لوگ ان کی طرف
سے بھر پور انداز میں شریک ہو رہے تھے۔ خوب و ہموم
دھام سے اسماء بیگم بین بن کر آئیں، کاظمہ اور منیرہ نے
سارے شوق پورے کیے۔ اسماء بھی بہت اچھی فطرت کی
لڑکی تھی سوہنہ منیرہ کو بڑی بہن کی طرح عزت دیتی تو
کاظمہ کا چھوٹی بہن کی طرح خیال رکھتی۔

شم کو زیان کا نخاماً تباہی آگیا۔ سارے گھر میں ایک
پار بھر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اسماء بھپل میں منیرہ کے ساتھ
تھیں تو کاظمہ نے بڑے احس طریقے سے گھر کو سنبھالا
جیکہ نخازیاں باب پسے زیادہ پچا کے پاس رہتا۔ ہر ایک
اس گھر نے کوئی تک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ پیار محبت،
خلوص، ایثار اور ایک دوسرے پر جان چھڑ کن� ان سب کی
سمیتی میں تھا۔ لوگ ان کی مثالیں دیتے کہ حالانکہ گھر میں
کوئی بزرگ خاتون نہیں تھیں اس کے باوجود بہت اسن
طریقے سے گھر کا نظام چلتا۔ دن ماہ و سال میں بدلتے
حلے گئے اور گزرتے ماہ و سال میں کاظمہ کی شادی بھی
ہوئی وہ دوبارہ سے واپس بھی آگئی اور شوہر کی سال سے
باہر تھے۔ اچانک انہیں ہارت ایک ہوا تو وہ چانبر نہ
ہو سکے اور کاظمہ مستقل بیانی پر نہیں رہنے لگیں۔ منیرہ اور
ویم احمد کے ہاں زیان، ایمان اور علویت نہ آئے تو ویم اور اسماء
احمد پارسا اور رہبائی کے والدین بن گئے۔ کاظمہ کا ایک ہی
میٹاحدا تھا، پچھے اپنی اپنی مرضی سے تعلیم حاصل کر رہے
تھے گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کو دے کر بڑے
ہوتے والے بچوں میں آپس میں بہت محبت تھی وہ اس
طریق پر اسے رکھتے۔

گھر کا وہی ماحول تھا جو کبھی برس سے چل رہا تھا۔ کبھی
بھی کسی نے بچوں میں کوئی تفریق نہیں کی۔ بچوں کی
ترتیب میں سب سے بڑا ہاتھ والدین کے آپس کے
تلقات اور گھر کے ماحول کا ہوتا ہے ہر بچہ وہی سمجھتا ہے
جو وہ آنکھ کھولتے ہی دیکھتا ہے۔ یہاں بڑی بچوں کی
ترتیب اور تکمیل داشت میں کوئی تفریق نہ تھی، گھر کے بڑے
کسی بھی بچے میں کوئی تفریق نہ کرتے تھے۔ یوں بھر پور
انداز میں زندگی گزارتے گزارتے سارے بچے بچپن کی
مشیرہ اور کاظمہ کے لاکھنخ تھے کے باوجود اسامانے
حدود سے نکل آئے تھے۔ خاندانی روایات برقرار رکھتے
ہوئے رشتے بھی آپس میں ہی ملے ہوئے تھے۔ یہ بات
اب جلدی حلکنے لگی تھیں، کسی وقت بھی ہاپل جانے کی
شدودت جیش آسکتی تھی۔ نخازیاں چاچا اور پھوپو کے
ستھن ساتھ اسحاب پچی کی بھی جان بن گیا تھا پھر ایک خونگوار
بچوں کے ذہن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ایمان اور پارسہ، ایمان اور

انابیہ، حارث اور علویہ پر فیکٹ جوڑیاں بننے والے تھے۔ زیان پڑھائی کے بعد کارپار میں ایسا اور چاکا کا لیتھ بنا لے گا تھا ایمان ابھی پڑھ رہا تھا پارس قرڈا ایز میں تھی انابیہ کیلئے ایز میں حارث انجینر نگ کر رہا تھا جبکہ علویہ میزک میں تھی۔ منیرہ اور اسماء کا خیال تھا کہ گھر میں کوئی چہل پہل کوئی پلاچل ہوئی چاہیے۔

”بہش، یہ کیا بکواس ہے یار..... تم تو ہمیشہ اپنا ہی سوچ، کبھی دوسروں کے لیے بھی اچھا سوچ لیا کرو۔“

علویہ ترے سے بولی۔

”لو..... اچھا ہی تو سوچ رہا ہوں تمہارے لیے..... اتنا اچھا اور خوبصورت اسرارِ لائیں لے کر ڈھونڈنے پڑھی نہیں ملے گا ہمیں تو یہ سوچ رہا ہوں تاں۔“ وہ بھی کہاں پاڑ آئے والا تھا۔

”اڑے بھی دنوں چب کر علویہ یا رقم بتاؤ کیا سن کہا رہی ہو تم؟“ زیان بھنجلا کر بولا۔ انابیہ اور پارس بھی منتظر تھے۔

”یاں، چجی جان اور پکوپول کرباتیں کر رہی تھیں کہ زیان بھائی اور پارس آپی کی ملتی کروی جائے شادی پارس آپی کی پڑھائی رقم ہونے کے بعد ہوئی۔ ہے چجی کتنا مرا آئے گا تاں انابیہ۔“ علویہ پکوپول کی طرح خوش ہو کرتا یاں بجا کر بولی۔

”اڑے واہ بھی زبردست، گذ نیوز..... واو.....“

حارت، انابیہ اور زیان ایک ساتھ بولے، پارس کے چہرے کارگ کا ایک دمپی پیچکا گیا تھا، حاروں اتنے خوش تھے کہ وہ پارس کے چہرے کی بدلتی رنگت گھوموں نہ کر سکی کیونکہ پارس نے سر جھکایا تھا۔ انی کیفیت چھپانے کی کوشش میں وہ دہاں سے اٹھنی۔

”واہ بھی واہ..... بھائی جی کو شرم بھی آتی ہے یارا۔“

”خبر ہی نہیں بلکہ خوشی کی اور بہت خوشی کی خبر.....“

سب نہ دیے اور زیان بھی مسکرا دیا تھا اسے پارس پسند

بہت تھی۔

”بول دیں محترم۔“ چاروں ہمدرن گوش تھے۔ حارت

اپنے خاتمن آپیں میں باتمیں کر رہی تھیں، ادھر جوان

وہ ملتی کی خبر ہے۔“ علویہ مسکرا اپنی اور پارس کی پارس روگرام بنا رہی تھی اور پارس..... پارس اپنے کمرہ میں

جانب دیکھا۔

”کیوں تاں زیان اور پارس کی ملتی کی رسم ادا کر دی جائے، کاظمہ بھی بھاد جوں کی ہم خیال تھیں کہ اب ماشاء اللہ زیان کماؤ پوت ہو گیا ہے۔ کم از کم رشتہ ہی فائل کر دیا جائے پارس کے گرجیوں کرنے کے بعد شادی کر دی جائے۔ پہلے تو تیوں خواتین نے آپیں میں یہ بات طے ہی ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ علویہ کی کام سے منیرہ کے کمرہ میں آپی گفتگوں کر کان کھڑے ہو گئے..... جتنی تیزی سے آپی تھی اسی رفتار سے باہر کی جانب بھائی ساتھ ہی چلا بھی رہی تھی۔

”اڑے..... یہ کیا ہو گیا علویہ کو؟“ منیرہ ہیکم بری طرح چوکیں۔

”پکھیوں بھائی، دراصل اس نے ہماری باتمیں انہی ہیں خوشی سے چلا رہی ہے وہ۔“ کاظمہ نے ہستے ہوئے بھادوں کی طرف دیکھا۔

”ہے اپنی بھیں کی، میں تو ڈر رہی تھی۔“ منیرہ نے سر پیٹ لایا تو اسماء بھی مسکرا دیں۔

”سنونہ سونو.....“ ہیکم بری کے باسیوں ایک اہم خبر سنو۔ تیز گام کی طرح بھاگتی ہوئی سیدھی پارس، انابیہ، حارت اور زیان کے درمیان پھیک کر ہاتھ کا مایک بنا کر باآواز بلند کہا۔

”خبر ہی نہیں بلکہ خوشی کی اور بہت خوشی کی خبر.....“

بات میں گردھاکی۔

”بول دیں محترم۔“ چاروں ہمدرن گوش تھے۔ حارت

بول پڑا۔

”ملتی کی خبر ہے۔“ علویہ مسکرا اپنی اور پارس کی پارس روگرام بنا رہی تھی اور پارس..... پارس اپنے کمرہ میں

جانب دیکھا۔

تھے۔ پارسہ کے لیے خطرے کی علامت تھی۔ اسے تو پورا یقین تھا کہ گرجیوشن کر لئے تک تو وہ محفوظ رہے گی مگر یہ اچانک سے پڑنے والی اتفادے وہ برشاں ہو گئی تھی۔ وہ تو ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح اسے بھیم سے بات کرے اور بہزاد کے بارے میں بتائے۔

”اُرے بھی دہن بیکم، ایسا بھی کیا شرما، ہم کون سا غیر ہیں۔“ انا بیبے نے کمرے میں آ کر شوخ لمحے میں کہا لیکن جیسے ہی اس کی نظر پارسہ کے فتح پر چہرے پر پڑی وہ بڑی طرح چوکی، اس کی سوچ اور موقع کے بالکل برخلاف پارسہ کے چہرے پر خوشی، شرم اور مشینی مسکان کی بجائے، بے حصی اور اخطراب کی کیفیت تھی، اس کے کچھ چہرے پر پرشانی کا تارہ میاں تھا۔ لب بھینپ وہ خالی خالی نظر دیں سامانیہ کو دیکھ رہی تھی۔

”یہ کون آ گیا ہے آپا ہمارے درمیان؟ ہمارے رشتوں میں دراز ڈالنے اچانک سے آ یا اور..... اور تم اپنی تربیت، گھر، رشتوں اور ولایات کو بھول گئی ہو، تمہیں اندازہ نہیں ہے کتم..... کیا کہہ رہی ہو.... کیا کہہ رہی ہو؟ اس، پایا، تایا الی، تائی ای اور پچھوپ کے ساتھ ساتھ زیان بھائی..... زیان بھائی کا پکھا حساس نہیں تھا کو۔“ انا بیبے غصے سے مل کھا رہی تھی، اس کے لیے یہ بات بہت بڑا وجہ کا ثابت ہوئی تھی۔ اس کے دم و گمان میں نہ تھا کہ پارسائی چھپی ترست لکھ لی، اسی دیدے دیری دھکا لکھتی ہے۔

”سنوتو انا بیبے وہ بہزاد اریشہ کا کزن ہے، بہت اچھے نے صاف گوئی سے کہا۔

”آ..... آ..... پاگل ہو گئی ہو کیا؟ یہ کیا فضول اور بے عکی بات کر رہی ہوا پ، یہ کیا مذاق ہے؟“ انا بیبے کو اس کی بات پر بالکل یقین نہیں کیا بس پہنچیں کیے، کب یہ سب ہو گیا، انہوں نے مجھے بات کی اور وہ مجھے پسند کرنے لگے ہیں اور نہ جانتے کیسے اور کب سے

میرے دل میں ان کے لیے کچھ تو تھا کہ میں انکار نہیں کر سکی..... انا بیبے تم سے میں نے جان بوجھ کر پکھنیں کیا لیکن اب..... اب..... میں بہزاد کے علاوہ کسی اور کے رجحت دیکھ کر انا بیبے چکرا گئی، اس نے بے قیمتی کی کیفیت میں آنکھیں بھاڑکر بن کو دیکھا۔

”یہ..... یہ..... کیا کہہ رہی ہو آپا؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، پس طرح ممکن ہے..... ہمارے کی بات اتنا اثر کر گئی تھی پر..... تم اتنی بے بس ہو گئی ہو کہ خاندان میں بھی ایسا نہیں ہوا اور..... اور یہ بات مجھ سے بہتر آچھی طرح سے جانتی ہو..... تم کو اندازہ بھی ہے کتم میں جھوک دی..... وہ بھی وہ..... آچھی بے بی ہے۔“

ایک بار پھر انابیہ اس کا یاتھ جھٹک کر طغیرے لجھے میں بولی۔ ”میری بیٹی، تمہاری کچھ نہیں لگتی کیا؟“ اسماء بنگم انابیہ کے وہ اسے کیسے بتائی کہ میں نے بھی زیان کو اس نظر منہ سے بھی بار اتنی بدتری سے کہے گئے الفاظ ان کر نہیں دیکھا تھا، نہ زیان نے بھی پارسے سے محبت کا غصے سے بولی۔

”امام سوری مگر.....“ انابیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو ماں کے گلے سے لگ کر سرک پڑی۔

”اڑے اڑے..... کیا ہو گیا ہے؟“ انابیہ کیوں تماشہ بنارتی ہو، پارسے تم کیوں ایسے خاموش کھڑی ہو۔ بولو ہوا کیا ہے؟“

”امام..... امام..... آپا..... زیان بھائی سے شادی نہیں کرتا یا حقیقی بلکہ کسی اور کو پسند کرنی ہیں۔“ انابیہ نے ہی پارسکی مشکل آسان کر دی۔

”ہیں..... ہائیں..... یا کیا..... پاگل پن ہے؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا..... یہ کیا بکاں گرفتی ہے پارسے بولو، یہ کیا بے غیرتی ہے؟“ انابیہ کو دھکا دے کر خود سے الگ کر کے اسماء بنگم پارسی حاتب پشتیں۔

”مجی امام..... انابیہ کی کہہ رہی ہے۔“ پارسے نے سر جھکا کر کاپنے ہوئے لجھے میں دھیر ہے سے کہا اس کا سارا وجہ نہ رہا، تھا وہ پینے سے شراب ہو رہی تھی۔

”کہ..... کیا؟“ اسماء بنگم کی آنکھیں پھیل گئیں، ان کے چہرے کارنگ بدل گیا اور وہ غصے سے لے قابو ہو کر تیزی سے آگے بڑھیں، ان کو اپنی ساعت پر یقین نہیں آ رہا تھا..... انہیں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔

بھیا نک اور زار و آنابا خواب۔

”پارسہم“ وہ پوری قوت سے چلا گئی۔ اس گھر میں تو بھی کوئی ذرا سی اوپنی آواز میں نہ بولا تھا مگر اسماء بنگم کا ضبط متوڑ گیا تھا۔

”ڈیل،“ بے غیرت، بے شرم، اتنی ہمت کیسے ہوئی تمہاری..... اتنی بے شرم کب سے ہوئی ہوتم، کیا سوچ کر یہ بکاں کر رہی ہو..... تم ایسا بخچ اور مکھیا فیصلہ کرنے والی کون ہوئی ہو..... اتنی گری ہوئی حرکت کرنے سے پہلے مرکوں نہیں گئے تم، نہ جانے کس خاندان سے ہے، جس کے لیے تم میرے سامنے کھڑی ہو۔“

بھی ویم احمد اور نسیم احمد اور زیان کا آفس سے آنے میں کافی وقت تھا۔ تینوں خواتین مل کر بھی صرف پروگرام ترتیب دے رہی تھیں کہ علویہ کے میں وقت کے چھاپے اور پھر پارس اور انابیہ کی بات چیت اور پھر رہی وقت علویہ کے شوٹر بھی آگئے تھے اور حارث اور زیان بھی آئندی چل گئے تھے۔ تب ہی انابیہ اور پارسکی اتنی بات چیت ہوئی۔ اسماء بنگم بات ختم کر کے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیں میری اور کاظمہ شام کے کھانے کی تیاری کرنے کی کمی کی سمتا تھی تھیں۔

”آپ..... میں..... امام سے سب کہنے چاہی ہوں وہاں پر وہ تینوں خوشی خوشی پلان بنارہ ہیں اور یہاں..... یہاں پر یہ سب۔“ انابیہ نے کمرے نکلتے ہوئے پلٹ کر بہن کی طرف دیکھا اور تیکھے لجھے میں کہا، اسماء بنگم جاتے ہوئے جھٹک گئیں اور رخ پارسے کے کمرہ کی طرف موڑا۔ پارس اور انابیہ اون کو دروازے میں دیکھ کر جو بک گئیں۔ انابیہ کا غصے سے تتماتا ہوا چہرہ پارسے کے چہرے پر ہوا یہاں اڑنے لگی تھیں..... وہ بوکھلائی کہ کیا ہوگا۔

”انابیہ کیا کہتا ہے مجھے سے؟“ انہوں نے پارسی پارسی دونوں بیٹیوں کو دیکھا پھر انابیہ سے مخاطب ہوئیں وہ خود بھی اس وقت مذبذب کا ہوا کھنچی ان کے چہرے پر بھی سوال تھے۔

”وہ..... وہ.....“ انابیہ ہکلانے لگی۔ اتنی بڑی بات کہتے ہوئے وہ خود بکھار چکی تھی۔

”پوچھیں آپ اپنی اس بیٹی سے۔“ انابیہ زہر آلوو نظر س پارسے پر ڈالتے ہوئے بدتری سے بولی۔

”انابیہ..... یہ کیا بدتری ہے؟ پکون سالاندازہ ہے، کس لجھے میں بات کر رہی ہو، ہوش میں تو ہوتم.....“

”امال وہ اچھے خاندان کا ہے.....“

”بکواس بند کرو بے شرم نہ کی۔“ اسماء نے در میان سے بات کاٹ کر چلا کر کہا۔

”تمہارے خاندان سے اچھا خاندان ہو سکتا ہے کیا.....اس کھر جیسے لوگ نہیں ملتے ہیں کہا، تمہیں کیا پچھاں ہے اچھے اور برے کی اگر پچھاں ہوں تو یہ گردی ہوئی حرکت نہیں کرتی منہوں لڑکی.....تمہیں پاٹھیں کیا کہ جان سے مار دیں۔“

”آخ ریسا کیا ہو گیا ہے اسماء؟ آج تک کسی لڑکے کو بھی ہم نے ایک پھر تک نہ مارا اور تم.....اتی جھالت پر اتر آتی ہو۔“ منیرہ نے دونوں ہاتھوں سے متھیم کو پکڑ کر با قاعدہ دھکا دیا، کاظمہ بھی ہونق نی کھڑی تھیں۔

”بھائی.....حریت تو سیکی ہے کہ ہمارے ہاں کے کسی لڑکے نے آج تک اتنی دیدہ دیلی نہ دکھائی۔ بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کی اور آج یہ..... یہ لڑکی ہو گرہ صفا چاڑا کرے غیری سے کہہ دیتی یہ اے زین سے شادی میں کرنی بلکہ کسی اور کو پسند کرنی ہے۔ بھائی.....میں.....کیسے برداشت کروں یہ بات، اس نے ہمیں دلیں وخار کرنے کا فیصلہ کیسے کریا؟“ اسماء بیگم کی بات پر منیرہ بیگم کے ساتھ کاظمہ بھی بوجوچکارہ گئیں۔ جیسے پچھونے ڈکھا کرے غیری سے کہہ دیتی ہے۔

”ہا میں.....!“ کاظمہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے غیری تینی انداز میں پہلے اسماء بیگم کو اور پھر پارس کو دیکھا۔ منیرہ بیگم سے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا.....وہ تو منہ پر ہاتھ رکھ کر پیدا ڈھنے کی گئی، پارس بدستور مت چھپائے سر جھکا کر کھڑی سک رہی گئی۔ اتنا ہیہ اور اسماء بیگم کی روئے لگیں، چند کھول بھدھی منیرہ بیگم سچل گئیں انہوں نے اسماء بیگم کو دیکھا جو بدستور غیری سے لال بھوکا کھاجانے والی نظروں سے پارس کو دیکھ دی تھیں۔

”اسماء.....اس طرح نہیں کرتے، تم یوں واڈیا نہ کرو کچھ سوچتے ہیں، ابھی سے تماشہ نہ بناؤ اور یہ کوئی اتنی

”تمہارے خاندان سے اچھا خاندان ہو سکتا ہے کیا.....اس کھر جیسے لوگ نہیں ملتے ہیں کہا، تمہیں کیا پچھاں ہے اچھے اور برے کی اگر پچھاں ہوں تو یہ گردی ہوئی حرکت نہیں کرتی منہوں لڑکی.....تمہیں پاٹھیں کیا کہ ہمارے یہاں شادیاں خاندان میں ہوئی ہیں، پچھن سے آج تک پچھر پچھر یہ بات جانتا ہے.....اپنے اپنے رشتے اور رشتتوں کے احراام سے واقف ہے، ہماری روایات، ہماری رسم وہب کچھ یہی بھول سکتی ہوئی؟“

”امال کوں سامنے بہ کہتا ہے کہ رشتہ خاندان میں ہی ہو؟“ پارسکی بات را اسماء بیگم کی رویت بھی جواب دے لئی، وہ بھی اپنی تیزی سے آگے بڑھیں اور پھر پور طمانچہ پارس کے منہ کو الاں کر کیا تھا۔

”امال.....!“ اتنا بیز زور سے چلانی بھر اسماء بیگم غصہ سے کھسپدی تھیں۔

”نمہب.....نمہب کی پرواہے جھیں، مال بات کا کوئی حق نہیں جانتی.....ڈھیر سارے دل توڑنے کا نمہب میں کوئی گناہ نہیں ہے کیا؟“

”امال چلیز۔“ پارس کے لمحے میں اکھاری، عاجزی نہیں بلکہ اچھی خاصی تیزی اور آنکھوں میں بھی نہامت کی چکڑ ٹھنڈائی کی، اسماء بیگم اس کے انداز پر اپے سے باہر ہو میں اور ترا ترا بس کے چہرے پر تھپٹر بر سانے لگیں۔

”امال.....!“ اتنا بیز پہلے ہی حواس پاختہ ہو رہی تھی کہ شور کچکیں سچنگی گیا تھا تب ہی منزہ بیگم اور کاظمہ دوزی چلی آئی تھیں۔

”اسماء باگل ہو گئی ہو.....یہ.....کیا کہہ ہو تو؟“ منیرہ بیگم اور کاظمہ کے اس منظر کو دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے، ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے تب ہی منیرہ نے اسماء بیگم کو کھینچتے ہوئے خاصی بڑھی سے کہا۔

خطراں کا بات بھی نہیں ہے کہ تم جان سے مار دو۔”
محاذ، بکرار، محبت، فقرے بازیاں تو کبھی کھیل کی بازیاں
لئیں، کبھی لڑکیاں فیشن کو لے کر مختلف میگزین کھولے
عید، بقر عید کے کپڑوں کا انتخاب کر رہی ہوتی تو لڑکے بھی
جی میں نت نے شو شے چھوڑ رہے ہوتے۔ بھی بھی تو
کیرم اور لودھو کی بازیاں لگتی تو مگر کے پڑے بھی شامل
ہو جاتے تھے۔ یونی ہمیشہ سے نہتا، سکرتا اور زندگی سے
بھر پور، زندگی کو انجوئے کرنے والا یہ گھرانہ۔۔۔ یونہی
اچاک ہی اس قدر سوکوار ہو گیا۔۔۔ نہ جانے کیا طوفان
مل کر بہت پیار سے جیا ہے، اس کو آگ لگا رہی ہے
آنے والا تھا۔

”بھائی..... ہم لوگ بکھر جائیں گے..... دیکھ لینا۔“
ہوتے دوں گی..... میں اپنے ہاتھوں سے اس کو جان سے
اماء بیگم کے بھیجی میں دکھ بول رہے تھے۔ وہ خوف زدہ
تھیں۔ آنے والے حالات کو لے کر خدشات انہیں پل
پل ڈس رہے تھے۔

یہ بات معمولی نہ تھی۔۔۔ نہ ہی چھپانے والی..... رات

ہوتے ہوئے مگر میں اچھا خاصہ بن گاہہ ٹھرا ہو گیا۔۔۔ سوائے
زیان کے سب لوگ اس بات سے باخبر ہو چکے تھے تھیاں
تین دن کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا تب ہی تینوں
خواتین پہاڑ پلان بیماری تھیں کہاں کے والپس لوٹنے پر مخفی
کی چھوٹی سی رسم ادا کرس گئے تاکہ مگر میں کچھ ہلا کلا
بہت خراب تھی۔۔۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پارسے ایسا
بھی کر سکتی ہے۔۔۔

”کاظمہ تم خود سوچو یہ بات سن کر میں کیسے برداشت
کر سکتی ہوں۔۔۔ اماء بیگم بے چارگی سے کاظمہ کی جانب
دیکھتے ہوئے بولیں۔۔۔

”جی بھائی و بے شک ہم سب کے لیے یہ بات غیر
لائقی اور شاکنڈ کر دینے والی ہے مگر ذرا ساحصلہ ریلیں۔۔۔“
پارسے سے بات نہیں کی سوائے منیرہ بیگم اور کاظمہ کے
صرف یہ دلوں نے انہی پارسے کو تھی بھی دی اور اس سے
ناریل بات بھی کی۔۔۔ پارسے نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے
کے لیے باہر آئی، ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس نے کوئی
بہت بڑا گناہ کر دیا ہو، منیرہ بیگم نے اماء بیگم کو تھی سے
اتار چڑھاؤ سے ان کی اندروں کی کیفیت کا جنوبی اندازہ لگایا
تھیں کہ کھانا ہو جائے پھر کوئی بیات کرنا، وہم احمد
چاہکتا تھا۔ وہ کس اذیت اور زہقی بیات کا شکار ہیں، اس
کیفیت سے جھٹائی اور زندوتوں والق تھیں۔ وہ ٹھر جس
میں خوگلوار فضا قائم رہتی تھی، بچوں کی آپس میں چھیڑ
”کیا ہوا بھی۔۔۔ سب کی خاموشی حکل رہی تھی۔۔۔“

خاموشی اور سب سنجیدگی کا باداہ اوڑھے ہوئے ہے۔
”کوئی مسلم ہے کیا؟“ آخ کارکھانے سے فارغ ہو کر
نیمِ احمد نے چائے لے کر آتی ہوئی اسماء بن یحییٰ کی طرف دیکھ
کر قدرے جیرانی سے پوچھا۔

”بالکل..... میں تمپی ابھی بھی بات کرنے والا
تھا..... سب نے مل کر کوئی پلان تو نہیں بنارکھایا یافتہ

خاموشی میا یا جارہا ہے جو کہ نہایت سخت اور غیر لقینی کام
ہے۔“ ویسیم احمد نے بھائی کی تائید کرتے ہوئے بات کو
مزاح کا رنگ دے کر لقہ دیا، اسماء بن یحییٰ نے مگر اکر چور
نظر وہ سے جھٹائی کی طرف دیکھا، بچے بھی چوکے۔

نیمِ احمد نے آنکھ کے اشارے سے اسماء بن یحییٰ کی یہ مت
وہیں دیکھا۔ یہیں طوفان تو آتا ہی تھا۔ ”قصرویم“ میں جہاں بھی
کسی نے اپنی آوازیں بات نہیں کی تھی۔ وہاں نیمِ احمد کی
چلکھڑائی آواز سے سارے مکان ٹھرٹھر کا تپ رہے تھے۔
اپنے کمرہ میں پار سے بے تحاش روپی گئی۔

”نیم..... بھی تم نہیں بیٹھو ہم آتے ہیں، تب تک
کہیں شجانا۔“ نیمِ احمد نے جاتے ہوئے کہا۔
”کاظم..... جاؤ اس نامنجار کو بلا کر لاو۔“ میں خود
چل کر اس کے کرے میں بھی نہیں جانا چاہتا۔“ نیمِ احمد کا
لہجہ ہر خند تھا۔

”بھائی..... پلیز دس منٹ انتظار کر لیں، ابھی
بڑے بھائی، بھائی آجائے ہیں پھر پارس سے ہمیں کر
بات کریں گے، اسے سمجھا میں گے، یوں جذبات سے
کام نہیں چلتا بھائی، ایسے موقعوں پر برداشت سے کام
لینا پڑتا ہے۔“

”کاظم..... ہمارے ساتھ ہی یہ منحوس وقت آتا تھا،
ہمارے گھر کی بیٹی کو بھی اسکی غلط حرکت کرنی تھی،
ہمارے نصیب میں ہی یہ ذلت لکھی تھی۔“ نیمِ احمد
کاظم کی بات کاٹ کر غصے سے بولے، تب ہی ویسیم احمد
اور نیمِ احمد نے بھی آگئے۔

”میں..... میں..... اے گولی باروں گا لیکن اس کھر
پر کوئی آج نہیں آنے دوں گا..... دراز نہیں آسکتی میرے
ہوتے ہوئے بھی بھی ہمارے دلوں میں..... ہمارے
دریمان اور ہمارے گھروں میں۔“ نیمِ احمد حدود جذباتی
چاہتا ہوں۔“ نیمِ احمد اور اقدرے میں بھی تھی مگر مجھ میں

سب کچھ ختم ہو جائے گا بھائی۔ ” نیم احمد شدت جذبات انگارے بول رہے تھے۔

” ایک منٹ روکنیم۔ ” نیم احمد نے نیم احمد کے سے روپڑے کا نندھے پر با تھر کر ملا جنت سے لہا۔

” دیکھو نیم، اسہاہم اچھی طرح سے تمہاری حالت کا نیم احمد کو گلے سے لگایا۔ یہ کیاے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے یا۔۔۔ بھلا کیوں ختم ہو گیا یہ سب کچھ۔۔۔ کیسے رشتوں میں دوازیں آئیں گی یا روتھی بھی بخوبی کی طرح سوچنے لگا۔ اسے یارہم پھرورہو کر اسی باتیں کیے سوچ کتے ہیں۔۔۔ جوابی تک کھڑی تھیں منیرہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا تو آگر کربولیں۔

” آگر پارسا یا چاہتی ہے تو یہ اس کا حقیقی ہے میرے بھائی۔۔۔ ہم زبردستیں کر سکتے، رشتے بھی بھی زور زبردستی سے طنبیں کئے جاتے، جرأتی کے جانے والے رشتے ہمیشہ بودے اور ٹھوکلے ثابت ہوتے ہیں، ” جی بھائی۔ ” نیم احمد نے کہا۔

” نیم۔۔۔ جذبات سے بالاتر ہو کر کوئی بھی فصلہ کرنا چاہیے، صرف اپنا مریض، اپنا رشتہ نظر میں مت رکھنا بلکہ دوسروں کے جذبات، احساسات کے بارے میں بھی ضرور سوچنا، جذبات میں آ کر کیے جانے والے فیلے ہمیشہ غلط ہوتے ہیں۔ بھی ہم جو سوچتے اور سمجھتے ہیں وہ غلط بھی ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ عمر اور رہبے کے حوالے سے کئے جانے والے فصلے بھی درست ثابت ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جو باتیں بھی ہو وہ سمجھداری سے، صبر اور سلسلے سے ہی ہو، جذبات سے قطعی ہٹ کر ہو۔ ”

” لیکن وہ لڑکی۔۔۔ ”

” نیم۔ ” دیکھ احمد نے ان کی بات کاٹی اور تنہیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔ ” وہ لڑکی نہیں۔۔۔ وہ ہماری بیٹی۔۔۔ تمہاری بیٹی ” پارسہ ” ہے، اس لیے اس کا نام لے کر بات کرو۔ ”

” اف۔۔۔ ” نیم احمد نے سرخاہم لیا۔ ” بھائی کس قدر برداشت اور نرمی ہے آپ کے اندر اس کے لیے آپ کو میرا کوئی احساس نہیں، اسماء اور منیرہ بھائی کے جذبات کی پروانیں آپ کو اپنا بھی خیال نہیں بھائی۔۔۔ یہ رشتہ، یہ محبت، یہ تعلقات، یہ زدیکیاں، احترام، یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ”

تحا۔ اساءہ بیکم بولیں۔ ”تھارے وہم وگان میں بھی ایسا نہیں تھا کہ تھارے گھر کی بیٹی گھر سے باہر چاہئے۔“

”اوہ.....“ منیرہ بیکم نے اپنے سر پر ہاتھہ مارا۔ ”اساءہ یہ کون سی انہوںی اور دیتا سے الگ بات ہے، فرض یا سنت ہے کہ شادی خاندان میں ہو، یہ رعایج اور ستم سب ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں، ہمارے نہ ہب میں اس کا کوئی تصور نہیں بلکہ نہ ہب میں تو لاکی کی مرضی اور پسند کا بھی حکم دیا گیا ہے اور ہر ہی بات رشتؤں میں درازیں آنے کی، تعلقات میں برائی آئے کی یا ہماری تاریخی کی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ پارساں گھر کی بیٹی ہے، ہم سب کی بیٹی، اس لیے ہم سب اس کے اپنے کے مطابق رخصت کریں گے۔ تم دونوں اس بات کو دل پر لے کر اتنی سیدھی باتیں بالکل مت سوچو۔“ وہ کھو دیر کے لیے چپ ہوئیں پھر دونوں کی طرف دیکھ کر بولیں۔ ”ہم یہ نہیں کہتے کہ پارسا نے کوئی بہت اچھا کام کیا ہے اس کو زرا ہو یا اس کی حوصلہ افزائی کرو لیں فی زمانہ اگر اس نے اپنی پسند کی شادی کرنے کے لیے قدم اھیا ہے تو یہ کوئی بڑی بات بھی تو نہیں۔ اس بارے میں سوچا جاستا ہے، بڑے والوں سے مل کر خاندان اور لڑکے کو دیکھ کر تسلی کی جا سکتی ہے اگر سمجھتا جائے تو بسم اللہ اور اگر سب کو مناسب نہ لگے تو پھر پارسا کو پابند کرنے کے لیے تم دونوں سے پہلے ہم دونوں آگے رہیں گے۔“ اتنی محبت، اسی ہرگز اور پیار گھر سے اناہاز سے منیرہ نے بات کی کہ نیکم احمد اور اساءہ بیکم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”بھائی آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر لیکن.....“ نیکم سامنے بات کرتے ہیں تاکہ سب کے دلوں سے بوجھا تر جائے..... سب ہی سوگ کے عالم میں ہیں۔“ ویکم احمد نے کہا۔

”بھائی آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر لیکن.....“ نیکم احمد ایک لمحے کو کہ کے اور بھائی کی طرف دیکھا۔

”کیا.....؟“ ویکم احمد نے سوال کیا۔

”میں..... میں..... فی الحال پارسا سے شاید نہ اڑ اشناز میں بات نہ کر سکوں کیونکہ میرے لیے پر مشکل ہو گا چلیز.....“ نیکم احمد نے عاجزی سے بھائی کی جانب دیکھا، منیرہ بیکم نے آنکھ کے کاشارے سے شوہر کو سمجھایا۔

”نمیک ہے..... یہ فطری امر ہے تم بآپ ہو اپنی کیفیت بھی سکتے ہو۔“

”میں اس معاملے میں فی الحال چپ ہی رہوں گا۔“ ویکم احمد نے کہا۔ کاظمہ بڑی گھویت سے سب کچھ عن رہی تھیں۔ کتنے پیارے بھائی تھے اور اللہ پاک نے بھاوجیں بھی مثالی وی تھیں..... بیوگی کے اتنے بڑے دکھ کے بعد بھی جس طرح سے اس بھاوجیوں اور بھاوجوں نے سنبلاتھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی، کسی موقع پر بھی بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ حارث تیم ہے یا وہ خود بیوہ ہیں۔ اپنے بچوں سے پہلے حارث کی ضرورت پوری کرتے، کاظمہ پلو اٹھا اٹھا کر بھاجوں، بھاوجوں اور بھیجا بھیجیوں کو دعا میں دیتیں کہ کبھی کسی بچے نے بھی کھیل، کھیل میں حارث کو اس بات کا احساس دلایا ہو کہ یہ حارث کا گھر نہیں ہے، اتنا اچھا ماحول، اتنے اچھے لوگ، نیکم احمد بھائی کے لگلے کرتاب بدیدہ ہوئے۔

”بھائی..... بھائی بہت خوش نصیب ہیں، ہم لوگ کر اتنے پر غلوں رشتؤں کے ساتھ رہنا بھی پوئے نصیبوں کی بات ہے ورنہ تو ڈراموں، فلموں سے ہٹ کر بھی حقیقی آپ ہمارے بڑے ہیں۔ مجھاں جان اپنے چھوٹے ہونے

زندگیوں میں بھی کہیں اگر کوئی لڑکہ یا مطلقة ہو کر میکے
ہے۔ اپنے دل میں کوئی دوسرا اور پریشانی مت رکھنا تم
آتی ہے تو بھاگ جوں کا رویہ ایسی عروتوں اور بچوں کے
دلوں میاں بیوی یا لکل ریلیکس ہو کر سب کچھ کرتا۔ ”اک
ساتھ بہت ہجک آمیز ہوتا، قدم قدم پران لوگوں کو یہ
بار پھر وہم احمد نے نرم خونی سے اپنا موقف بیان کیا تو یہم
احساس دلایا جاتا کہ وہ لوگ گمراہ والوں پر یو جھ ہیں۔
کاظمہ سجدہ تکریب جالا تین کوہ ایسے گھر میں تھیں جہاں
چھوڑ پر شکر کا حساس تھا۔

کچھ دیر بعد ہی گھر کے سب سے بڑے کمرے میں
جو کہ لاڈنخ تھا سارے افراد ہیں جمع تھے۔ لاڈنخ میں
ایک جانب تخت بچا تھا جس پر سارے بڑے بیٹھے تھے
جبکہ نیچے فل کار پہٹ تھا دیواروں سے فلور کشن اور گاؤں کیے
رکھے ہوئے تھے۔ وہاں پر ایک ایک کر کے سارے بچے¹
آ کر بیٹھتے گئے۔ پارس سب سے آخر میں آئی۔ اس وقت
بہتر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں اس حالت اور اس طرح
کے ماحول میں نہ تو یہم اور اسماء سکون سے رہ پائیں گے
اور نہ ہی بچے۔ بچے بھی بے چین اور مضطرب رہیں
گے پارس بھی ذہنی اذیت کا ڈکارہنگی میں انساں ہیں
ہے کہ ابھی بات ہو جائے۔ ثبت انداز میں اس
حکایتے کو ختم ہو جانا چاہیے۔ ایک بار پھر کہوں گا یہم۔
پہلے یہم کی طرف دیکھتے ہوئے یہم احمد کی طرف دیکھا
یہم احمد نے کہا۔

”اپنی مرضی اور پنڈ کا جائز حق پارس استعمال کر رہی
ہے اس لیے اپنادل بڑا کر کے بات کرنا کیونکہ زمانہ بہت
بدل چکا ہے۔ یہ ہمارا والا زمانہ نہیں ہے، آج کل کے
بچے بہت بد تذیر اور مدد پھٹ ہو گئے ہیں پھر بھی الحمد للہ
ہمارے بچے ماہت فریباں بردار اور نیک ہیں ورنہ خدا نو خواستہ
غلط راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اگر پارس کی شادی
خاندان سے باہر ہو جائے تو یہ کوئی طوفان کھڑا ہونے کی
بات نہیں، کوئی اچھا نہیں اور جہاں تک بات ہے زیان
کی تو تمہاری بھائی نے زیان سے بچنے بات کر لی ہے۔
وہ بھی بالکل مطمئن ہے، اسے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔
بھی کوئی اعتراض، کوئی گلہ یا کسی حرم کی کوئی رخص نہیں
ہے۔ ہمارے رشتے، ہمارے تعلقات پر کوئی فرق نہیں
آئے گا۔ سب کچھ اسی طرح سے ہو گا جیسے جل رہا
رہی تھی، ناگلیں لرز رہی تھیں، وہم احمد کی نرم اور محبت کی

"پارسیہ بیٹی، ہم سب تمہارے اپنے ہیں.....
تمہارے متن نہیں نہیں زبردست کرنی ہے لیکن جب
تک ہم مطمئن نہیں ہو جاتے ظاہر ہے بات آگے نہیں
بڑھ سکتی، تم نے اپنی خواہش ظاہر کی ہے آگے ہماری مرضی
بھی شامل ہو گی، تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گئی تھیں
اس صورت میں بات آگے بڑھ سکتی ہے جب اپنے منہ
سے ساری بات کرو..... اس وقت یہاں پر کوئی غیر تھیں،
کسی سے کوئی بات چھپانے والی نہیں، ہر بات صاف
ہوئی چاہیے۔" نمیرہ نیم نے بھی بات آگے بڑھائی جبکہ
شکر احمد، اسماعیل گلزار کاظم بدستور چھپ تھے۔

"تالی ای، بہزاد مری دوست ارشید کا کزن ہے،
وہیں سرماں سے ملاقات ہوئی..... وہ اکثر وہاں آتے ہیں،
بھی بھی کافی بھی آجاتے تھے ارشید کو لینے کے لیے
انہوں نے مجھے پر پوز کیاتا میں بھی آہستا ہستان کے
لیے تجوید ہو گئی۔"

"کوئی..... کیوں، تم سمجھدے ہوئے؟ تمہیں پانہ نہیں
خدا کرم تھی شدہ ہو..... ہمارے ہاں لڑکیاں خاندان سے
باہر نہیں جاتیں۔" اسماعیل گلزار سے رہاست گایا تھا یہی حق میں
بول پڑیں ان کے لمحے میں سرنش اور کڑواہت تھی۔
"سوری اماں پانہ نہیں لیتے..... میں انکا کنڈس کر سکی۔"
وہ جایت سے بولی۔

"اسماء بھائی پلیز تھوڑا اصل بر کرو۔" اس بار کاظم نے
اماء نیک کے کاندھ سے پر اپنے گرد کر رہتے بھیں کیا۔

ارشید پارسی کاچھی دوست تھی، وہ واحد لڑکی تھی جس سے
سے پارسہ بہت قریب تھی۔ فیلی میں یوہ ماں اور وہ خود تھی،
والد کا انتقال ارشید کے پیچن میں ہی ہو گا تھا، سرکاری
ملازم تھا اس لیے انتقال کے بعد خاصی رقم تھی کچھ پیش
بھی تھی جس سے ماں بیٹی کا اچھا گزارا ہو جاتا تھا اس کے
حالات سن کر پارسہ کو اس سے ہمدردی بھی ہو گئی تھی۔
پر زبان پھیر کر چاروں طرف دیکھا اور پہلو بدلہ، پہکچا پہٹ
محسوں کر دی تھی، اس کے اندر خود اعتمادی شہر میں رہتا تھا
برادر تھی۔ کس طرح سے بات شروع کرے، کیسا پہنچ
کچھ ماہ پہلے ارشید اپنی بیٹی کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتا تھا۔
سے ساری بات کہے؟ فطری حیا اور شرم مان تھی۔

چاشنی میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر بے اختیار اس کا دل بھرا ہے،
انتہی پیدا ہے لوگوں کے درمیان رہ کر وہ بناوت کرتے
چلی ہے، یہ ساری محبتیں کھو دے گی، بے مشکل زنگاہ اٹھا کر
سامنے دیکھاتا تھا اسی کا شفق چڑھا، کاظم پھوپکا محبت اور
خلوص میں ڈوبا ہوا چود، تیالا بوکا فیض اندماز بس..... ابوحی
کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی، اس کا دل چاہا دوڑ کرتا تھا
ابو سے پہنچ چاہے، اپنی غلطی کی معافی مانگ لے، بے
شک بہزاد اس کی محبت ہے، چاہت ہے لیکن یہ گھر اور گھر
والے ان کے بغیر کیے رہے گی وہ..... اس کا دل چاہا کہہ
دے کرتا یا ابو..... ابوحی مجھے لہنگی نہیں جانا..... لہنگی رہتا

ہے آپ سب کے ساتھ اسی گھر میں، ایک کمرے سے
دوسرے کمرے میں بیٹا کر جاتا ہے، دل بہی طرح ہڑک
رہا تھا، اس کے لب کہہ کیا رہے تھے وہ ان سب کو کھونا نہیں
چاہی تھی وہ دو نہیں جانا چاہتی تھی۔

"پارسیہ بیٹی..... گھبرا نہیں ہے اس اپنے تالا بو کے
پاس بیٹھو اور تسلی سے بات کرو۔" کاظم نے آگر اس کا
بازو تھا، ان کے ہاتھ میں پانی کا گلاں تھا، کاظم کے
ہاتھ کے لس سے اس کے اندر جیسے تو اتنا اسی آگئی، دھیما
لچھ، پیار بھر انداز سے ہمت دے رہا تھا، وہ آہستا ہستہ
چلتی ہوئی آگے بڑی اور دسم احمد کے سامنے رکھی کر کی پر
لکھ لئی، کاظم نے پانی کا گلاں بڑھایا۔

"یہ لو پانی پی لو۔" ہاتھ آگے بڑھا کر گلاں ہاتھ میں
لے کر دو گھونٹ پانی ملن سے اتارتے۔
"پارسہ..... جو ہم نے تمہاری تالی ای اور تمہاری ای
سے نا ہے کیا وہ حق ہے؟ اور اگر حق ہے تو وہ کون ہے، کس
خاندان سے ہے، کہاں رہتا ہے اور یہ سلسلہ کب سے چل
رہا ہے؟ بغیر پریشان ہوئے یا ذرے سب کچھ حق تھے اور
آرام سے چتا تو۔" سیم احمد نے کہا، پارسہ نے سوکھ لیوں
پر زبان پھیر کر چاروں طرف دیکھا اور پہلو بدلہ، پہکچا پہٹ
محسوں کر دی تھی، اس کے اندر خود اعتمادی شہر میں رہتا تھا
برادر تھی۔ کس طرح سے بات شروع کرے، کیسا پہنچ
کچھ ماہ پہلے ارشید اپنے کاٹ شادی ملے ہو گئی تو اس دوسرانے

گھر والوں کی اجازت سے پارسے نے کافی وقت اڑیشہ کے گھر میں گزارا تھا، شادی میں شرکت کے سلسلے میں بہزادی کی اپنی فیملی کے ساتھ کوئی نہ سے آتا یا ہوا تھا۔ اسی دو روز ان اس جیلی ملاقات میں بہزاد نے اسے جب گلاب کا پھول پیش کیا تو وہ پیار کا پہلا تھنہ پا کر سرشار ہو گئی۔ شادی خیر سے انعام پائی، ساتھ ہی پارسے اور بہزاد کی پسند آگے بڑھ کر محبت تک جا چکی اڑیشہ کا شوہر شادی کے بعد وہ ہی واپس چلا گیا تو اڑیشہ نے کافی جانا شروع کر دیا۔ بہزاد نے کوشش کر کے اپنا ناشر کرچکی کرایا تھا باتفاق بہزاد کے پارسے سے دونوں نیز رہ سکتا، پارسے پہلے پہل تو گھر اور رشتے کو لے کر تھوڑی سی پریشان رہی پھر بہزاد کے ہمت دلانے اور ساتھ دینے کے وعدے پر اس نے بھی وحدہ کر لیا۔ اہم بہزادی والدہ نے پارسے کو اڑیشہ کی شادی میں دیکھا تھا، اس لیے بقول بہزاد کی اسی شادی کے لیے تیار ہیں جبکہ والدشادی پر آئے نہیں تھے اور دو شادی شدہ بہنیں بھی نہیں آئیں، ایک بہن کے ہاں اسی دو روز ان بھی کی پیدائش ہوئی تھی جبکہ دوسری بہن جو کہ شادی کا سامنہ چوڑی گفتگو میں پہلی پارسے کی احمد کی بھاری اور اسی آواز سال بعد اولادی نعمت سے محروم ہیں اس کے سرال میں بھی کسی کی شادی تھی اس لیے وہ بھی شریک نہ ہو گئی۔ پارسے نے کوشش کی کہنا اغا کرا یک بار والدین کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کر لیکن وہ اپنی اس کوشش پکے چکے یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اڑیشہ کو بھی خبر نہ ہوئی۔ اڑیشہ بھی کچھ عرصے بعد شوہر کے یاں دوپتی چلی گئی بہزاد کو بھی کافی بھی آجاتا گرست متعلق رابطے میں رہتا۔ تقریباً اڑیشہ سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس دو روز اڑیشہ نے اپنی بار بہزاد کی بہنوں توین اور افشنین سے بھی فون پر بات کی پارسے نے کہہ دیا تھا کہ وہ پہلے اپنی فیملی کو منائے گی اس دو روز ان گریجوشن بھی ہو جائے گا۔ تب شادی کے چالے سے بات ہوئی، شادی کی جلدی بہزاد کو بھی نہیں تھی شادی معاملہ اسی طرح چلتا رہتا اگر کھر میں پارسے اور زیان کی ملنی کا شور نہ امتحنا۔ پارسے نے بتایا تھا کہ بہزاد کسی میڈیسین کپٹی میں معقول جاب کرتا ہے۔ فی الحال اکیا قلیٹ میں رہتا ہے لیکن شادی کے وقت اس کی فیملی اثبات میں سر ہلا گرہ گئی اور تیا کے پیچھے وہ بھی کمرے

پارسے کے چبھے ہو جائے پہنچا۔

”بھی تایا ابو“ پارسے بھی سے بولی۔

”بہتر یہ ہے کہ اب بات آپس کی بجائے بڑوں کے درمیان ہو“، میرہ بیکم نے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بالکل، ٹھک کہہ رہی ہیں آپ بھائی۔“ چلی بار اسامہ بیکم نے زبان کھوئی لیکن لجر سپاٹ تھی رہا تھا۔

”بھی۔“ پارسے نے بس اتنا تھی کہا۔

”جتنی جلد ہو سکے بات ہو جانی چاہیے“ اتنی لمبی کی پیدائش ہوئی تھی جبکہ دوسری بہن جو کہ شادی کا سامنہ چوڑی گفتگو میں پہلی پارسے کی احمد کی بھاری اور اسی آواز سال بعد اولادی نعمت سے محروم ہیں اس کے سرال میں بھی کسی کی شادی تھی اس لیے وہ بھی شریک نہ ہو گئی۔ پارسے نے کوشش کی کوشش کر لیکن وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہی۔

”بھی ابو“ پارسے نے کمزوری آواز میں کہا۔

”پہلے ہم لڑکے اور اس کے والدین سے مل لیں اس کے بعد مزید آگے بات ہوگی۔“ جب تک آپس کے تعلقات میں کسی قسم کی رخشی یا بدھی نہیں ہوئی چاہیے۔ یہ میرا حکم ہے۔“ ویم احمد نے اٹھتے ہوئے گویا آخری جملہ کہا۔

”پارسے بیٹی، تم اپنے کمرے میں جاؤ اور چلی فرست میں ہما را بیٹاں لوں کوں سے کرواؤ۔“ ویم احمد نے کمرے سے نکلتے ہوئے پارسے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو پارسے اکیا قلیٹ میں رہتا ہے لیکن شادی کے وقت اس کی فیملی

تھے اس لیے کا ظلمہ کی تحریفی میں خصوصی صفاتیاں اور منیرہ بیگم اور اس امامہ بیگم کچن میں صروف عمل تھیں گو کہ اس امامہ بیگم پارسہ سے ڈھنگ سے بات چیت نہیں کر رہی تھیں اور بدستور غصہ تھیں۔

سے نکل گئی۔ پیچھے نیم احمد اور اس امامہ بیگم بھی انھوں کر باہر کی طرف چل دیئے۔ اب پارسہ میں اتنا بیرونی، علویت، ریان اور حارث چنگ گئے ساتھ کا ظلم اور منیرہ بیگم بھی۔

"زیکھو، پچھم، تم لوگوں کی اس وقت کیا کیا کیفیت ہے ہم اچھی طرح سے سمجھتے ہیں مگر یہ کوئی انہوں نہیں ہے جو پارسہ نے کیا، آج کے دور میں عامہ کی بات ہے بے شک ہم سب کے لیے عجیب و غریب یقینی ضرور ہے لیکن اسی بات بھی نہیں کر رہی بہت سی غلط یا انونکی بات ہونے جا رہی ہے اس لیے تم لوگ پارسہ کے ساتھ انتیازی سلوک رواست رکھنا..... آپس کے تعلقات میں کوئی دراز نہیں آئی جائیے، سب لوگ یہ بات کان کھول کر من لوگوں کا ماحول قطعی مکدر نہ ہو۔" سب کے جانے کے بعد کاظمہ نے بچوں کو احاطہ کر کے تینیں والے انداز میں کہا۔

"جی پچھو پڑھیک ہے۔" سب نے کہا۔

"گدھ۔" نیزہ بیگم مسکرا میں اور محفل برخاست ہوئی۔ سوائے نیم احمد اور اس امامہ بیگم کے باقی تمام افراد کا راویہ پارسہ سے نازل ہو گیا تھا شاید کسی کو بھی امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی یہ معاشرے پر جائے گا۔

دو دن بعد ہی پارسہ نے اتنا بیوی کو بتایا کہ بہزاد کے والدین دو دن بعد ارپے ہیں، ساتھ ہی بہزاد اور اس کی والدہ کا سیل غیر بھی اتنا بیوی کو دے دیا کتا گے ماں، تاتائی ایسی خود ہی بات کر لیں گھر میں تھوڑی سی پاچل ضرور ہوئی تھی یا ایک فطری بات ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں خاص طور پر جب کسی لڑکے کھڑی رشتے کے حوالے سے لڑکے والے آتے ہیں گھر میں خاصی پاچل بھی جاتی ہے۔ مگر کوئے کوئے کونے کی صفائی ہوتی ہے۔ سلیقہ اور کھڑا کھڑا کی خیال رکھا جانا چاہیے۔ اچھے برتن اور پر کلفٹ لوازمات میں گھر کی چیزوں ایشیاء خاص طور پر قابل توجہ ہوتی ہیں اس سے لڑکی کی گھرداری کا اندازہ لکایا جاتا ہے۔ کوئے کوئے خاندان اس طرح کی رکی کارروائیوں سے اب تک محفوظ تھی رہاتھا کیونکہ خاندان میں سب ایک روسرے کی دو قوں بہنوں کی کال بھی اس امامہ بیگم کے پاس آئی، بہت اچھی طرح سے بات کی، ساتھ ہی پارسہ سے بھی بات کی واقف تھے۔ اس بار رشتے والے باہر سے آرہے

مکن ناصل ہو چکی تھی۔ اماں اور ابواس سے مکمل راضی نہ
تھے، چب چپ اور لیے دیئے سے تھے، جس بات کا سے
قلق تھا۔

”السلام علیکم“، اچاک نی زیان آ گیا تھا۔

”اے وادا.....! اچک السلام! تم کب آئے، اچاک
تھے تم آگئے؟“ سب نے مختلف سوال کیے۔

”جی ابو، کام ختم ہوتے ہی آ گیا..... کہاں رہا جاتا ہے
مگر کے علاوہ نہیں اور..... آپ سب کیے ہیں؟“ زیان
نے جواب دے کر جاروں طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
پارسہ بھی اچھی نظر ڈالی۔ پارسہ جو نظر سے جھکائے
خاموش بھی بھی۔

”الحمد للہ تم کیسے ہو؟“ منیرہ بیکم نے پغور بیٹے کے
چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے نگاہوں سے کھوئتے کی
کوشش کی۔

”ایک مفائن۔“ وہ مسکرا لیا۔

”زیان بھائی فریش ہو کر آ جائیں تو آپ کے لیے
چائے اور کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔“ اتنا بیٹے نے بھی غور سے
زیان کے چہرے نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... ابھی آیا۔“ وہ اندر کی طرف مڑا تو زیان
نے اس کا یہ اٹھایا اور اس کے پیچے پیچھے چل دیا۔

اماء بیکم اور نیم احمد بھی ایک لمحے کر لیے گز بڑائے
تھے روؤون کو بھی فکر تھی کہ نہ جانے زیان کا کیا عمل ہو مگر
زیان کو فریش اور مطہن دیکھ کر قدرے سکون تو ہوا پھر بھی
نیم احمد نے ایک بار زیان سے خود بات کرنے کا فیصلہ
کیا۔ ان کے دل میں کھنکا ضرور تھا کہ شاید زیان کو اس
فیصلے سے کوئی وچکا رکھا ہو، ہو سکتا ہے وہ اس وجہ سے اپ
سیٹ ہو۔ رات کے کھانے کے بعد حسب معمول چائے
پینے کے بعد سب اپنے کروں میں چلے گئے تو نیم
امہ زیان کے کمرے کی طرف بڑھے۔

”جی جی آئیے چاچو..... خیریت؟“ دروازے پر بلکا
ساتھا کر کے کھکھلے، زیان جو ابھی واٹ روم سے لکلا
تحاب بوقت نیم احمد کو دیکھ کر حرمت سے بولا۔

یعنی وہ لوگ بے ظاہر خوش تھے۔ سب کا بھی اندازہ تھا یہ کہ
امتناسب کچھ ہونے پر بھی سب کا دل زیان کے لیے بھی
وکھی تھا۔ حالانکہ گھر میں روؤون کے درمیان اسی باتیں بھی
ہوئی تھیں..... آپس میں پیار بھت جاتے تھیں تھے، جس
طرح رشتے طے ہونے کے بعد ایک دھرم سے حق
جھلایا جاتا ہے ایسا کچھ نہیں ہوا تھا..... عہد و بیان، وحدہ و عہد
اور چاندنی کی راتوں میں ایک ساتھ بیٹھ کر مستقبل کے
ہبھانے پسند نہیں دیکھتے تھے، بھی سمندر کے کنارے
ہبھوں میں با تھڈاں اور چیل قدر نہیں کی تھی، بس ایک
بات سب کے ذہنوں میں ہی ہے با قاعدہ کسی رسم کے
ذریعے اعلان کرنا تھا مگر انیسٹ تو وجہتی ہے ایک ساتھ
رہتے ہوئے، آپس میں نزدیکیاں بڑھ جاتی ہیں، حالانکہ
پارسہ بہت کہرباٹ کرتی تھی اور زیان بھی سجدہ اور کرم کو تھا۔
بہر حال رشتے زبردست کی شیاد پر قائم نہیں کیے جاسکتے۔
باہمی رضامندی اور پسندیدگی ضروری ہے۔

انہیں جو کہ بڑی بہن بھی شادی کے نوسال بعد اس
کے مگر خوشخبری آنے والی بھی اس لیے فی الحال اس کا آنا
ہمکن تھا۔ دیے بھی آج کل تو اتنا ترقی پسند دور ہے کہ
ان کی بیگم و اپس چلے گئے تاکہ یہاں شفت ہونے کی
تیاری شروع کر سکیں۔ یہاں بہزادے بہترین توکری تھی اور
ساری سہولیات موجود تھیں، اب کامل صاحب بھی بڑھے
ہو گئے تھے ان کو بھی بہزادے کے ساتھ کی ضرورت تھی۔ شادی
کا بھی کوئی تذکرہ نہ تھا۔

تمن دن بعد زیان بھی آگیا غلاف توقع بنتا، مسکراتا
اور ایک دم فریش، اتنا بیٹے نے غور سے اسے دیکھا کیونکہ وہ
جانشی تھی کہ تباہی ایسی نے سب کو کھنکھان کو بتا دیا ہے، پارسہ
غم برہبھت کا فکار تھی۔ دل کے کسی کوشے میں غامت و
شرمندگی کا معمولی سہی مگر عسر موجود تھا۔ شام کا وقت تھا
حسب معمول عمر کے بعد سب لوگ بڑے سے محن میں
کھلتا سماں تلتے تھجھ بکرشام کی چائے پی رہتے تھے، مگر
والوں کے مناسب روئے کی وجہ سے پارسہ بھی کسی حد

”تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی..... سوچا ہیں“
وقت مناب ہے۔“ نیم احمد نے اندر واصل ہوتے
ہوئے کہا۔

”بھی جی آئیے بیٹھئے۔“ زیان نے ایک طرف میں
ہو کر بینڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو نیم احمد بینڈ پر
بیٹھ گئے جب تک اسے بیگم بھی آگئیں۔

”زیان..... تم میاں یوہی بہت اذیت میں میں جیسے
کہ کوئی جرم کرنے جا رہے ہوں..... نہ جانے کیوں دل
بے چین ہے جیسے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے اور ہم اپنی
کیفیت شاید الفاظ میں ہان نہیں کر سکتے۔“ اس بار اسہاء
بیگم بھی لگرفتہ بیجھ میں بوئیں۔
بعد نیم احمد بولے۔

”زیان، تمہیں پتا ہے تاک کہ پارس کا پروپوزل آیا ہے
اور پارس بھی اس میں اترنے نہ ہے۔“

”بھی..... اماں نے مجھ سب کچھ بتادیا ہے چاچو۔“
زیان کی بات پر اسماء بیگم نے کھڑی نظر سے اسے دیکھا۔
تاریں چہرہ سادہ نہداز۔

”مطلوب تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟“ نیم احمد
نے پوچھا۔

”دیکھو بیٹا..... یہ بات تو سب کو تھی معلوم ہے کہ ہم
نے تمہاری اور پارس کی شادی کے بارے میں سوچ رکھا
تھا یقیناً اب پیخر تمہارے لیے چونکا دینے والی ہوگی، ہو
بھی سکتا ہے کہ اس بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو۔ ہم
نے تو خوب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ہماری بیٹی اور اس
گھر کی بیٹی ایسی حرکت بھی کر سکتی ہے۔“ ہمیں اس بات کا
دل افسوس ہے، بہت شرمندہ ہیں ہم لوگ اور شاید مجھ کو
اکلے فیصلہ کرنا ہوتا تو شاید۔ شاید میں بھی بھی پارس کی

بات نہیں مانتا چاہے وہ ساری عمر اسی دلیل پر بیٹھی رہتی،
تھکی اور کسے ساتھ رخصت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا
تھا مگر بھائی اور بھانی نے جس طرح سے فراخندی کا
منظار ہر کیا اللہ کی قسم میں مرکبی اس کا بدال نہیں اتنا سکتا۔“

نیم احمد شدت جذبات سے مغلوب ہو کر بھاری ہوئی
پارس کے اس فیصلے پر کوئی اعتراض، کوئی غصہ یا میں اس
فیصلے سے قطعی دل برداشت نہیں ہوں، اس لیے اپنے دل
آواز میں بولے۔

میں کسی قسم کی کوئی سکن نہ رکھیں..... شرمندگی کی بات کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں اور بالکل مطمئن ہو جاؤ میں، خوش خوشی پارسے کی شادی کی تیاری کریں پارسے میری کزن بھی ہے اور میں اسی بات پر خوش اور مطمئن ہوں کہ میری وجہ سے اسے زبردستی شادی نہیں کرنی بلکہ وہ اپنا حق استعمال کر رہی ہے اور یہ اس کا شرعی حق ہے۔ اپنے دلوں پر آپ دونوں بالکل بوجوہ رکھیں جیسے اماں اور ابا کی طرف سے مطمئن ہو گئے اسی طرح میری طرف سے نبھی بالکل مطمئن ہو کر باقاعدہ رشتہ پا کر کے فائل کر دیں۔ ”زیان نے دلائل اور دعویٰ لجھ میں سمجھا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں خلوص، محنت اور اعتقاد تھا۔ یہم احمد اور اسماء یتیم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”خوش رو زینا، تم نے ہمیں آج بہت بیکا چھلکا کر دیا۔“ یہم احمد نے آگے بڑھ کر بھتھی کو گلے لگایا اسماء روکر صدمے سے بر حال تھا۔ سب لوگ ہی مغموم تھے۔ فشن کے شوہر کو بھی بتا دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے سب کے لیے ہی اپنے افسوس ناک بھی۔ اسماء بھکر میزہ و بیکم اور کاظمہ بھی اپنے کھلی ٹھیکیں۔ اپنے طور سے تسلی بھی دی، بہر حال ہونی کوکون بیال ملتا ہے۔ الشپاک اپنے ہر قیصلے پر قرار ہے وہ چاہے تو کسی کو اولادی حصی نعمت سے مالامال کر دے تو کسی کو ترےئے، ترےئے کے باوجود بھی اس نعمت سے محروم رکھتے کسی کو شادی کے کئی سال بعد یہ خوش خبری دے اور پھر والپس لے لے۔۔۔ بھی تو قدرت اور آزمائش ہے۔۔۔ رب کے قیصلے ہیں وہی بہتر جانتا ہے۔ ہم انسانوں کے لیے اس کے ہر قیصلے پر سر جھکا کر اسی کی رضا بھکھ کر قبول کیں۔ ارشید سے بھی بات ہوئی اس نے پارسے کو بتایا کہ بہردار کی بات سے اس کی والدہ نے بھیں اور چالائی تھی لیکن جلد ہی قسم ہوئی۔ وہ بات باقاعدہ رشتہ طے ہوئے تک بھیں بچکی تھی۔۔۔ یہ کوئی قابل اعتماد بات نہیں تھی اس طرح تو لڑکیوں اور لڑکوں کے کئی جگہ رشتہ دیکھتے جاتے ہیں اور پاپی سچھل تک نہیں بچتے۔۔۔

وقت کا پہر پکھا گے بڑھا اس دوران زیان کی دونوں

کے چکر لگائے تھے۔ ایک بار پھر سے بھول کے درمیان وہی ما جول بن گیا تھا۔ زیان تو ایسے بھی کم کم شامل ہوتا کیونکہ فس کی مصروفیات، بہت زیاد تھیں لیکن اس کی کوشش ہوتی کہ وہ اس ما جول کا حصہ بننے تاکہ کوئی یہ نسبتی کوہا الگ رہتا چاہتا ہے۔

ایک بار پھر شادی کے حوالے سے باتیں ہوتے لگیں۔ ویم احمد نے کامل صاحب سے فون پر بات کی کہ وہ شادی کے فرض کی ادائیگی چاہتے ہیں۔ آپ لوگ آجائیں تو مل بیٹھ کر پروگرام طے کر لیں۔ کامل صاحب نے جلد اُن کی ہاتھی بھری دو ماہ پہلے بھی جس دن آنا تھا ان کو بہت ہمت اور حوصلہ لاتھا۔

”اس شادی میں کوئی کمی نہیں رہتی چاہیے سبکم خاصی احمد یہ ہمارے گھر کی پہلی شادی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہ یادگار شادی ہو، اس شادی میں ہر شخص مشورہ دے سکتا ہے، اپنی خواہش بتا سکتا ہے، جس نے جو کرنا ہے اپنی خوشی کرے، میری طرف سے اجازت ہے کہ کسی قسم کی کوئی کمی پاٹی نہ رہے۔ اپنے خاندانی رسم و رواج کے ساتھ چھپیاں اور منجھے اپنے طور سے انجوائے کر سکتے ہیں۔“ ویم احمد کی جانب سے محلی آفرینشی اور سب لاڑ کے لڑکیاں تھے فیشن کے مطابق لباس کا اختیار کرنے لگے۔ خواتین کی تیاری وہیں کی تیاری سے کم طور پر کم تھیں مگر ابھی شادی میں دو ماہ تھے مگر بقول ان سب کے وقت کے گزرنے کا پتا ہی کب چلا ہے۔ پارس کے فرنچیز، ہال، پاراد غیرہ کی یہنگ ہو چکی تھی۔ سارے جوڑے تیار تھے۔ جیزیز کی دیگر خریداری کرنے آج سبکم خاصی احمد، پارس، اسماعیل یغم اور منیرہ نیکم بارکیٹ گئے ہوئے تھے، گھر میں اتنا بیسا اور علویہ مایوں کے کپڑے پر گھونٹ ناٹک بھی تھیں تو کاغذی مایوں میں مٹھائی دینے کے لیے مٹھائی کے ڈبے خود بنا رہی تھیں، برلن اور دیگر ضروری چیزوں کو بک کر کے یہم احمد کو کام سے مددور کے ذریعے گاڑی میں رکھا رہے تھے۔ شام کو کامل صاحب نے ہمدردی کی وادی کو گھر پر بولایا کہ جیزیز کے حوالے ہماری روایات ہیں، ہمارے گھر انہوں میں رہتا ہے جس سے جو چلا آ رہا ہے وہی سب کریں گے۔“ منیرہ یغم نے غصے سے کہا۔

”تو اور کیا چاچی۔۔۔ ہم اپنے سارے امران نکالیں گے، سارا کچھ کریں گے جو جو ہمارے ہاں ہوتا ہے۔“ علویہ نے بھی اس کی تائید میں کہا۔

”بانکل۔“ اتنا یہ بھی بولی، اسماعیل یغم سر ہلا کر رہا گھنیں۔

پارس خوش تھی..... حارت، ریان، اتنا یہ، علویہ اور زیان بھی بھر پور طریقے سے شادی کے کاموں میں حصہ لے رہے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ یہم احمد کے روئے میں بھی پہنچ آ گئی تھی۔ باپ تھے پھر بیٹھ ہو کر گھر سے جانے والی تھی۔ گھر کے ما جول، سب کے روئے نے ان کو بہت ہمت اور حوصلہ لاتھا۔

اس دن فیشن کے ساتھ حادثہ ہوا تھا۔ ایک بار پھر تیراں یا ہوئے تھیں یہاں پر سب کا مشترکہ ارادہ تھا کہ ریج لاول کے ٹیکنیکی کوئی تاریخ رکھی جائے اب۔ بہزاد کے گھر والوں سے بات کر کے فائل کرنا پاٹی تھا۔۔۔ اسماعیل یغم خاصی فکر مند تھیں کہ خیر سے یہ مرحلہ ہو جائے کوئی بدیہی سہ ہو چکلی پار کے تیکنے تھے جو بھرپور تھے کافی خوف زدہ تھیں۔ منیرہ یغم اور کاظمہ سمجھاری تھیں کہ خواجہ احمد ہر ہیات کی ٹیکنیک میں مت لیا کر دے۔۔۔ اللہ پاک سب بہتر کرے گا، بہزاد کے والدین، والد کے بڑے بھائی بجاوں، والدہ کی ایک بہن بہنوں، دونوں بیٹیاں، داماد آئے اور شادی کے حوالے سے ساری تیاری وہیں کی تیاری سے کم مہر، نکاح، جیزیز، رسومات اور میتیں ملے ہوئیں جس میں مہر، نکاح، جیزیز، رسومات اور دیگر ضروری باتیں تھیں سب کچھ خوش اسلوبی سے ملے پایا اور تین ماہ بعد کی تاریخ ملے ہو گئی۔۔۔ تیاریوں کے لیے وقت بہت کم تھا۔ سب سے بڑی فکر اسماعیل یغم کو بھی تھی کہ رشتہ غیروں میں ہو رہا ہے تا جانے کون سے روان، رسوم اور مطالبات ہو، پہنچیں ہمارے رسم و رواج پسند آئیں یا نہیں ان کے خدوں کوں کر منیرہ یغم بولیں۔

”انوہ اسماعیل یغم بالکل ہی رہو گی۔۔۔ بھلا یہ کون سی بات ہے جس کی ٹیکنیک ملی جائے، ہم وہی کریں گے جو ہماری روایات ہیں، ہمارے گھر انہوں میں رہتا ہے جس سے جو چلا آ رہا ہے وہی سب کریں گے۔“ منیرہ یغم نے غصے سے کہا۔

بیگم، پارسہ اور منیرہ بیگم گزاری میں بیٹھنے لگے تب ہی اسماء
بیگم کا فون بتئے گا۔

بیگم، پارسہ اور منیرہ بیگم گزاری میں بیٹھنے لگے تب ہی اسماء
بیگم کا فون بتئے گا۔

”بیلو... السلام علیکم؟“ دوسری جانب فشن تھی۔
”جی بیٹا بیلو... جیریت؟ کب تک آ رہے ہیں بھائی
صاحب اور بھائیں؟“ اسماء بیگم نے کہا۔

”وہ... آئنی ابوکی طبیعت خراب ہے بھائی۔ بہزاد
ہاپل لے کر گیا ہے شاید آج نہ کہیں۔ سبی باتانے کے
لیے کال کی تھی۔“

”اُرے خیریت... کیا ہوا... کون سے ہاپل؟“
اسماء بیگم نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

”کارڈک ہاپل لے کر گئے ہیں۔“ فشن نے
عجلت میں جواب دے کر کال کاٹ دی۔ منیرہ بیگم، پارسہ
اور منیرہ جو کہ اسماء بیگم کے پریشان چہرے اور لفظ
”ہاپل“ کو سن کر پریشانی کے انداز میں اسماء بیگم کو دیکھ
رہے تھے۔

”کیا ہوا؟“ نہیں نے پوچھا۔

”بہزاد کے والد صاحب کی طبیعت اچا ٹک خراب
ہو گئی ہے اور وہ ہاپل میں ہیں۔ آج ہمیں آئکے
نشین کی کال آئی تھی۔“

”اللہرحم، کون سے ہاپل میں ہیں اور کیا طبیعت
خراب ہے، زیادہ خراب تو تمہیں؟“ نہیں نے پریشانی کے
علم میں سوالات کیے۔

”کارڈک ہاپل میں ہیں۔ کافی پریشان تھی
نشین اللہ پاک اپنا حرم و کرم فرمائے۔“ ہم چل کر سامان
اور پارسہ کو پھوڑ دیتے ہیں اور پھر ہاپل جلتے ہیں کیوں
بھائی؟“ اسماء بیگم نے منیرہ بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے کہ
احمد سے کہا۔

”یاں بالکل، اللہرحم فرمائے۔“ منیرہ بیگم نے بھی
پریشان کن لے جائیں کہتے ہوئے دیواری کی بائیں ہاں
ملائی، پارسہ بھی پریشان ہو گئی تھی، اسے کال صاحب بہت
اچھے لگے تھے۔ ماڑن، سور، اور شفیق بالکل تیا ابوکی طرح
بات کرتے تھے۔

گوئے اور پول کی جیولری کے ساتھ دونوں پیچیاں خاصی
بیماری الگ دیتی تھیں۔

آج مایوس کی رسم تھی اور بہزاد کے گھر والے ہندی
لے کر آنے والے تھے۔ اتناس پکھے ہونے کے باوجود
بھی خاندانی روایت اور رسم کے مطابق مایوس کی تیاریاں

ہورہی تھیں، سب کچھ گھر میں بھی تیار ہو رہا تھا بقول ویم
احمد کے کہ کوئی کمی نہ ہو، دل کھول کر اسman نکالے جائیں
اور وہی ہو رہا تھا، مغرب کی نماز کے بعد پارسہ کو پھولوں
کے منڈپ پر لا کر خدا دیا گیا تھا۔
”ماشاء اللہ“ بے ساختہ سب کے لبوں سے بے
اختیار لگلا۔

پارسہ بہت حسین لگ رہی تھی، منیرہ بیگم نے فوراً ہی
اس کی نظر اتار کر صدقہ دیا۔ امامہ بیگم نے بھی اس پر آتی
اکبری پڑھ کر دم کیا، مایوس کی رسم گھر والوں نے ادا کی
مہمان بھی آرہے تھے، عشاء کے بعد بہزاد کے گھر والوں
نے آنا تھا، تک مایوس کی رسم ہو جاتی، موسوی مسکر بڑی
پھرتی اور مہارت سے اپنا کام کر رہا تھا، ویم احمد، نیم احمد،
منیرہ بیگم، امامہ بیگم، کاظمہ سب ہی رسم کرتے وقت افرادہ
ہو رہے تھے۔ بیٹی کو پال پوس کے اغابڑا کر کے کسی کے
حوالے کر دینا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ ایسے وقت
بیٹی کے والدین صبر کے جس انتخاب سے گزر رہے ہوتے
ہیں یہ صرف وہی جانتے ہیں۔ ایک تو بیٹی کی جدائی اور پر
سے اس کے اچھے اور نیک نصیب کے لیے دعا میں لمحہ لجھے
ان کے لبوں پر مچلتی رہتی ہیں۔ ماوں کے دل میں طرح
طرح کے خدشات، واہمات اور فکر ہوتی ہیں تاجانے آئے
والی زندگی میں بیٹی کو کون حالات سے گزرا پڑے، سرال
والوں کا رویہ کیسا ہو گا؟ ذریثیوں سے نہیں لگتا بلکہ روان
کے مقدر اور تصیب سے لگتا ہے۔ فکر ہوتی ہے تو ان کے
مستقبل کی، اللہ پاک ہر بیٹی کا نصیب بلند کرے، آباد
رکے اور ہر ماں کے دل کو خشندا اور پر سکون رکھے، آمین۔

”ارے بھی اب بس بھی کرو۔... چائے پلانے کا
پروگرام ہے کہ نہیں؟“ آخراً نظار کر کے ویم احمد بول
پڑے ساتھ گھڑی پر نظر ڈالی، اس دھماچوڑی میں وقت کا
پہاڑی نہیں چلا کر دات کے سماڑھ تین بچے تھے۔
”ہاں بھی، چلواب قصہ ختم کرو، بہت ہو گیا۔“ علویہ
نے بھی بارماں لی۔

”بھی تیالا الوا بھی نہیا کر چائے بناتی ہوں۔“ اتابیہ نے
جو بیبا کہا اور سب بچے واش رومزی طرف چلے گئے۔

پارسہ بھی اپنے کمرے میں آگئی تاکہ نہیا کر کیجئے جنچ
کر لے، پارسہ زیان کو دیکھ کر خاصی مطہن ہو گئی تھی کیونکہ
اسے بھی کہیں نہیں یہ خیال ضرور تھا کہ زیان کہیں ادا س تو
نہیں، شکر الحمد للہ گھر کی ایک تقریب روایتی جوش و خروش
اور اہتمام کے ساتھ اختتام پذیر ہو گئی تھی، درمیان میں دو
ایک پل بیٹا تھا۔ گزرے ماہ و سال خوب صورت یاد ہیں کہ
دن کا وقته تھا پھر شادی کا دن آ جانا تھا۔

ہورہی تھیں، سب کچھ گھر میں بھی تیار ہو رہا تھا بقول ویم
احمد کے کہ کوئی کمی نہ ہو، دل کھول کر اسman نکالے جائیں
اور وہی ہو رہا تھا، مغرب کی نماز کے بعد پارسہ کو پھولوں
کے منڈپ پر لا کر خدا دیا گیا تھا۔

”ماشاء اللہ“ بے ساختہ سب کے لبوں سے بے
اختیار لگلا۔

دوسرے دن رت جگے کا اہتمام تھا جس میں کاظمہ اور علیینہ نے مل کر رات کو گلے ہے بناۓ اور وہ سید احمد سے نیک کے طور پر دونوں کو بہترین تھے سوت کی صورت میں لے۔

”کیا کروں؟ جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے ہم اور مسلسل مسائل سے دوچار ہے۔“

”اسکی باتیں تو نہیں سمجھ سکتے، اب آپ اور ہم الگ نہیں، آپ کی پریشانی اور مسائل چارے اپنے ہیں پہنچ آپ بتا میں تو ہم دو خاندان ایک ہونے جا رہے ہیں، رشتہ قائم ہونے والا.....“

”بس.....بس..... مجھ نہیں لگتا کہ یہ رشتہ اب برقرار رہ سکتا ہے، ہم یہ رشتہ بنانے سے قاصر ہیں۔“ بہزادی کی والدہ تیرنگجھ میں اسماء بیگم کی بات کا شکر ایک لفظ چاکر بولیں تو اسماء بیگم کے پیروں میں زمین نکل گئی۔ سب لوگ آنکھیں پھاڑے دم بخوبی پیٹھے سن رہے تھے۔ اسماء بیگم کی حالت غیر ہونے لگی تو آگے بڑھ کر منیرہ بیگم نے موپاک ہقام لیا۔ بہزادی ایک مسلسل بول بول رہی تھیں۔

”دیکھیں بی بی صاف بات کر رہی ہوں آج بہزادی شادی سے ایک دن پہلے زیان نے اپنی جانب سے سب کو لج کروانے کی آفریدی اور یہ بھی کہ ہر ایک اپنی مرضی اور پسند کا لچ آرڈر کر سکتا ہے۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا آرڈر کیا۔ سب مل کر خوشنگوار موسٹ سے قارغ ہو کر چائے پی رہے تھے۔ اسماء بیگم کا موپاک بجا اور اسکرین پر بہزادی والدہ کا نبڑ دیکھ کر جلدی سے کال رسیوکی۔“

”اف میر سے اللہ..... منیرہ بیگم نے سرچاہم لیا۔

”ٹھیک ہے، ہم بہت افسوس کی بات ہے، اللہ پاک بہزادی کو جلد از جلد ٹھیک کروے کوئی بات نہیں، ہم انتقال کر لیں گے، بہزاد کے ٹھیک ہونے پر خصی کی رسم ہو جائے گی۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں..... آپ خدا ما رو پریشان مت ہوں۔“ ایک لمحے میں سمجھ کر منیرہ بیگم نے ٹھیک رہنے دیں تو ٹھیک رہیں گے تاں کچھ بھی ٹھیک نہیں، ہم تو ٹھیک ہو گئے ہیں..... پہنچیں کیسی خوست لگ گئی ہے، میں کہ سکوں، جیں ہی ختم ہو گیا ہے، صیحت نے گویا ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔“ وہ سلام کا جواب دیئے بغیر تیر دنہنگھ میں مخاطب ہوئیں۔

”اللی خیر..... اب کیا ہو گیا، ہم..... خیر یہ کیسی کوکی جان بھی گنوادے روزاول سے ہی یہ سلسلہ چل رہا مظنو نہیں..... ابھی تک تو پیدا ہوں پر بلاٹی ایسا نہ ہو کہ

اور علیینہ کا کیا مطلب ہے؟“ اسماء بیگم نے گھبرا کر جواب دیا۔ ساتھ ہی اپنی کام کر دیا تاکہ سب کن سکیں۔

”ارے واہ..... یہ کیا بات ہوئی تایا اب؟ مجھے پہلے بتا دیتے تو میں بھی ایک دلگھے فرائی کر کے شہیدوں میں نام لکھوا کر ایک سوت کی حق دار بن جاتی۔“ انا بیہ نے علویہ کے ہاتھ میں خوب صورت سوت دیکھا تو معنوی خفی سے بولی۔

”ارے بیٹا..... تم بنا کچھ کے سوت لے لینا شادی کے بعد ادھار رہا۔“ وہ سید احمد نے ستراتے ہوئے اس کے سر کپڑے پیدا سے چوت لگائی تو وہ خوش ہو گئی، اسی طرح خوشنگوار بیادیں لیے پیدا جگے والی رات بھی ختم ہوئی۔ اس رات کو بھی سب نے بھرپور طریقے سے انجوائے کیا دوسری صبح محلے میں گلے گلے باختے گئے۔ یہ رسم پرسوں سے ان کے ہاں چلی آ رہی تھی۔

شادی سے ایک دن پہلے زیان نے اپنی جانب سے سب کو لج کروانے کی آفریدی اور یہ بھی کہ ہر ایک اپنی مرضی اور پسند کا لچ آرڈر کر سکتا ہے۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا آرڈر کیا۔ سب مل کر خوشنگوار موسٹ سے قارغ ہو کر چائے پی رہے تھے۔ اسماء بیگم کا موپاک بجا اور اسکرین پر بہزادی والدہ کا نبڑ دیکھ کر جلدی سے کال رسیوکی۔“

”السلام علیکم! کیسی ہیں ہم..... بھائی صاحب

کیسے ہیں سب ٹھیک ہیں ناا؟“ عادتاً پہلے سلام کر کے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسماء بیگم نے دو تین سوال پھیل کر دیئے۔

”ٹھیک رہنے دیں تو ٹھیک رہیں گے تاں کچھ بھی ٹھیک نہیں، ہم تو ٹھیک ہو گئے ہیں..... پہنچیں کیسی خوست لگ گئی ہے، میں کہ سکوں، جیں ہی ختم ہو گیا ہے، صیحت نے گویا ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔“ وہ سلام کا جواب دیئے بغیر ”اللی خیر..... اب کیا ہو گیا، ہم..... خیر یہ کیسی

ہے، ایک تو نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے بہزاد کی مرضی سے رشتہ طے کیا جس دن میں اور بہزاد کے بیان کراچی انجامی محترم انداز میں اپنے غصے پر مکمل کنٹول کرتے ہوئے ہمدردانسلجھ میں بات کی۔

”بہت شکریہ جانب آپ کا، فی الحال آپ کانتہ ناہی بہتر ہے۔“ دوسری جانب سے انجامی روکے انداز میں جواب آیا۔ ویم احمد نے جواب کہا۔

”درصل ابھی آپ کی زوج محترمہ کی کال آئی تھی نہیں تو اتنا کچھ ہو گیا۔ کرتو تباہ و بریاد کردے گی ہمارے ہستے بیتے گھرانے کو، آگ لگادے گی۔ نہ جانے کس کی بدعا لگ گئی ہے۔ رشی ختم سمجھو بس۔“ وہ بھی سے کہہ دی تھیں۔ منیرہ بیکم کو بہت غصایا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔۔۔ یہی ضفول اور جاہلانہ لختکو کر رہی ہیں، اس طرح کیے کر سکتے ہیں آپ لوگ۔۔۔ پھوں کا کیلیں نہیں ہے یہ شادی ہے جتنی جاتی دو انسانوں کی یا ہمیں رضا مندی سے طے ہوئی ہے۔ آپ اکیلے کس طرح سے کوئی فیصلہ کرتی ہیں اور آپ کے خیال میں ہم چبڑیں گے آپ کی بکواس سن کر۔“ منیرہ بیکم کی برداشت ختم ہوئی تھی۔ انہوں نے بھائو کی سازدی اور کال کاٹ دی۔ ان کا سر گھوم رہا تھا بھائی حال وہاں پر موجود تمام لوگوں کا تھا۔ یم احمد، زین اور حارث غصے سے کانپ رہے تھے۔ امامہ بیکم اور کاظمہ آنکھیں پھاڑے جیران و پریشان بیٹھی تھیں۔ انا بیبی اور علویہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کتے کے عالم میں تھیں۔ مارسہ دنوں ہاتھوں سے سر تھا سے ہے حسی و حرکت بیٹھی تھی، اس کی آنکھیں خلک اور چہرہ غصے اور عمر کی ملی جلی کیقیت سے سرخ انگارہ تھیں، ویم احمد نے بھی ساسی لی ایک نظر کر کے میں بگڑا ہوا ہے۔ اتنی تو ہم پرستی، اتنی ضعیف الاعقادی آج موجود تمام افراد پر ڈالی سب ہی عم و غصے، بے بھی کی تصویر بنے پیشے تھے۔ انہوں نے اپنا میل فون نکالا اور کال صاحب کو کال ملا۔

”اسلام علیکم! بھائی صاحب سنا ہے برخودار بہزاد میاں کا ایکیڈرٹ ہو گیا ہے، بہت افسوس اور پریشانی والی بات ہے، ہم ابھی ہاپٹل آنا چاہتے ہیں۔ آپ پریشان چاچو۔۔۔ دماغ درست کرتے ہیں ان پاگلوں

کا..... کیا بکواس لگا کہی ہے؟ کیا سوچ کر بک بک کے
جاءے ہیں وہ..... کوئی لا اور اس یا اگر پڑی لڑکی کے
ہماری بہن کہ یوں اپنی مرضی سے میں شادی کے موقع پر
انکار کر رہے ہیں۔“ حارت بولا۔

”ہم چھوڑیں گے نہیں ان لوگوں کو بھی چل کر بات
کرتے ہیں۔“ زیان غصے سے جوچ و تاب کھارہا تھا وہ
شدت جذبات سے اٹھ کر ہے ہوئے، اس کی نظر پارس
کے چہرے پر تھی..... چند لوگوں میں وہ رسول کی پیاراں
رہی تھیں جیکا اور بے بسی بھرا چہرہ، روتوی ہوئی آنکھیں کس
قدر مغمونی کی وہ..... ظاہر ہے بات ہی ایسی تھی۔

”امام..... میں منوں تو نہیں۔“ پارس نے اتنے دکھ
سارے راستے مسدود ہو چکے تھے۔

اور کرب سے کہا کہ امامہ ترتب اُٹھیں۔

”نہیں میری بیگنی..... لوگوں کو درہ ہیں وہ سب۔“
وہ ترتب کر بولیں۔ منیرہ بیگم بھی آگے بڑھیں اور اس کے
سر پر ہاتھ رکھا۔

”پاکل ہو گئی ہوتی بھی پارس۔۔۔ یہ کیا بکواس کر رہی
ہو، دماغ خراب ہو گیا ہے ان جاہل لوگوں کا جو اسی
ضفایات سوچ رہے ہیں۔۔۔ مجھے لگتا ہے اب وہ یہ شادی
کرنا ہی نہیں چاہتے تو ان باقتوں کو مر رینا کروہ اپنی جاہل
چل رہے ہیں۔۔۔ کہے عقیدہ اور فرقہ بننے والے لوگ
ہیں..... اللہ پر تو کل کرنے کی بجائے تو ہم پرستی کے پیچے
بجاگ رہے ہیں۔۔۔ جہالت کی بدترین مثال ہیں یہ

لوگ..... اللہ کے فضلوں کو کسی انسان کی خوش اور بدھی
سے جو زیل اور پھر کسی انسان کو موردا الزام تھہرانا گھٹیا تین
عمل ہے، یہ لوگ کیے مسلمان ہیں جو اللہ کے فضلوں سے

نفعوں بال اللہ جنگ کرتے ہیں..... اللہ پاک کی مرضی اور رضا
کے بغیر ایک چاہی بھی نہیں مل سکتا۔ وہ جو پتھر میں کیڑوں کو
رزق فراہم کرتا ہے ہر شے پر قادر ہے۔۔۔ ہر شے کا حاکم
ہے۔۔۔ وہ جو چاہے اور جب چاہے کرتا ہے۔۔۔ ان سب کا
کرنے والا ہی ماں لک ہے۔۔۔ بھلا انسان کی کیا جاہل کر
آئد مکمل تھا۔ ساری تیاری ایک دم تکمیل تھیں کہ اچاک

سے یہ سب کچھ ہو گیا۔۔۔ اس کا تو تصور بھی نہیں تھا کہ یوں
عین وقت پڑا کہ رشتہ ختم ہو سکتا ہے۔۔۔ اتنا ہے اپنے طور
سے بات کرنے کے لیے ارشد کے موقع پر
زبانی پا چلا کہ بہزادا بالکل معمولی ایک یہی ثابت ہوا ہے۔۔۔

”پاکل مت بنو زیان..... کوئی فائدہ نہیں ہے ان
باٹوں کا جب ان لوگوں کے دل میں اتنی غلاظت بھر چکی

ہے، اگر زبردستی شادی کر جسی دی جائے تو پھر ہر قدم پر
پارس کو ڈر کر زندگی گزارنی ہو گی۔ کی بھی بات کو اس کے
سر پر ڈال کر اسے ذہنی اذیت دیتے رہیں گے۔۔۔ اسی تو

یہاں پر ہے پھر مجبور ہو جائے کی۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب
چچھے ہو سکتا ہے وہ لوگ بہت پست ذہنیت والے ہیں۔
ان کی سوچوں، ان کے ذہن اور ان کے خیالات کو نہیں
بدل سکتے۔۔۔ ویم احمد گویا ہر چکے تھے۔۔۔

”مطلوب.....“ اسماء بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر جیٹھی کی
جانب دیکھا۔

”مطلوب یہ ہے کہ ہماری بیٹی کی بارات نہیں آئے
گی۔“ لمحے میں انتار دردناک تھا اور آواز میں کپکاہٹ و
آن سوچوں کی نئی واضح تھی۔۔۔ تب ہی اسماء بیگم آگے بڑھیں
اور پارس کو سینے سے بھیجن لیا۔

”یا اللہ..... یہ سب کیا ہو گیا میرے مولا، ہم نے کون
سا گناہ کیا کہ اتنی بھیاںک سزا مل رہی ہے۔“ ماں بیٹی
دھواں دھوار رہیں تو سب ہی ترتب اٹھے۔ حوصلے اور
برداشت جواب دینے لگیوں گھر میں جیسے قیامت کا منظر
پا ہو گیا۔۔۔ معمولی بات تھی، رشتہ داروں، محفلے والوں
میں سب جگہ کارڈ پاکچ کچے تھے۔۔۔ بال کے تھا۔۔۔ کھانے کا
آئد مکمل تھا۔ ساری تیاری ایک دم تکمیل تھیں کہ اچاک

ہونے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس وقت پروہ کام ہوتا ہے۔ وقت اچھا یا برا یا رب کی مرضی ہے، ہم کون ہوتے ہیں۔ بے سر و پا تین کرنے اور سننے والے۔ آئندہ اگر ایسا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ ”منیرہ نجم پارس پر سخن پا ہوئیں۔

”بھائی..... مگر ہمارے منہ پر تو کلکٹ لگ گیا ہے تاں،“ ہمارے لئے تو ذوب نہ کام مقام ہے۔ کس طرح..... کس طرح لوگوں کو بتا کیں کہ ہماری بیٹی.....“

”اف..... اسہابِ نعم پا نہ سر تھام کر بری طرح روپڑیں، الفاظ ان کے حلق میں دم توڑ گئے، بے بی سے اسماء نیم نہیں جتنا۔ با تھمیں پڑی کا تجھ کی چوریوں کو زور زور سے ڈریں گے تیل پر مار رہی تھی۔ پہنچانی انداز میں، اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کی کلامی رُنگ ہو چکی ہے۔ نازک کا یوں سے خون کے نخنے نخنے قطرے ڈریں گے تیل کے شنے پر نقش دیگار بنا رہے تھے۔

”پاگل ہو گئی ہو پارسے..... ہوش میں آؤ۔“ دم ضبوط ہاتھوں نے اسے کاندھ سے کپڑے کر چھوڑا۔

”ہاں پاگل ہی ہوں..... خواخواہ سب کو پریشان کر لیں گے اور رخصتی تھی ہو گی، فرق صرف اتنا ہو گا کہ بیٹی ہاں سے رخصت ہو کر واپس ائے ہی گھر میں آئے گی۔ اچاک بی ویس احمد اٹھائے اور ان کی نیمہ را وزار میں لے لایا۔

”مرجانا چاہتی ہو..... یا پارلوگوں کو مارا چاہتی ہو؟“ پر بے ساختہ سارے لوگ چوکے۔

”بھی ہاں لکل، ان شاء اللہ کل پارس زیان کی لہن بن کر رخصت ہو گی۔“ منیرہ نجم نے کہا۔

”کیا کہہ رہی ہیں بجا..... لی.....؟“ اسماء نیم ہی نہیں کفرے میں موجود سارے لوگ غیرِ عینی کیفیت میں تھے، آئیں جہرت سے پہنچی ہوئی تھیں، پارس نے ایک جھٹکے سے سراخایا، بے ساختہ لگاہ زیان کی جاتی اٹھی، زیان منہ کھولے جہرت کی حالت میں تھا۔ اس کے پھرے پر کی قسم کے کوئی جذبات نہ تھے شاید بے یقینی تھی..... وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔

”ن..... نہیں.....“ پارس نے بے مشکل کہا اور اٹھ کر تیزی سے اپنے کرہ کی جانب بھاگی، کمرے میں آ کر بیٹھ زبردستی یہ دشت کیوں مسلط کیا جا رہا ہے، آپ کی سزا ملے، آپ پر

کی کسی کو فکر کیوں نہیں، یہ بھلا کیا یات ہوئی؟“ زیان نے اس کے رخساروں سے آنسو پوچھے اور کہا۔

”تم واقعی پاگل ہو پارسے... کیا زبردستی، زبردستی کی بک بک لگا رکھی ہے تم نے؟ کس نے کہا کہمیں میری پسند اور میری رضامندی نہیں... کس نے کہا کہ میں مجبور ہوں،“ کس نے کہا کہ میں اس رشتے پر ناخوش ہوں؟“ پیارے اسے سمجھایا تکروہ سکتی ہوئی بولی۔

آپ... آپ... بہت اچھے اور فرمائیں بودار بیٹے ہیں زیان، آپ میری طرح نہیں ہیں... آپ اپنے والدین کی بات سے انکا نہیں کر سکتے تاں؟“

”بے شک! میں فرمائیں بودار ہوں... اماں، بابا کو انکا بھی نہیں کر سکتا مگر باگل لڑکی کیا تم نے بھی مجھے پڑھنے کی کوشش کی؟ تم سداقی لایا بیلی اور اپنے آپ میں گمن رہنے والی لڑکی رہیں تم کیا جاؤ کہ جس رشتے کی بھنک بچپن میں ہی میرے کان میں پڑی تھی، میں نے اس رشتے کو بھاشی، ہی اپنے اندر پیٹا دیکھا ہے ایسے ہی جیسے ایک خمساٹی، آہستا ہستہ پوڈے سے درخت بن جاتا ہے بالکل اسی طرح بچپن سے لے کر جوانی تک تمہیں اپنا سمجھا، اپنا جانا اور تھاہر ساتھ ہی زندگی گزارنے کا یقین رہا...“ مجہت کا اظہار مجھے آتا نہیں تھا اور تم کچھ زیادہ ہی لایا تھس،“ جانے تم کیا تھسی؟ تھہاری شادی کی بجزر کر میں توڑھتی طور پر اسافہ ہو چکا تھا... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تھہاری شادی نہیں اور ہوتی ہے اگر اس وقت میں تھوڑا سا بھی لڑکہ رجاہتا کوئی میری جالت کا ایک فصل بھی اندازہ لگالیتا تو گھر میں کلدورت پھیل جاتی، یاد ہو گا تمہیں جب یہ بات ہوئی میں کراچی میں نہیں تھا اور اس حالت میں بیہاں آ کرس کے لیے اور خاص طور پر تھہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بے قوف لڑکی یہ تم پر ترس کھا کر کیا گیا فیصلہ نہیں ہے بلکہ شاید اللہ پاک کو مجھ پر ترس آ گیا... تم تو انجان ھیں لیکن وہ تو سب کچھ جانتا ہے تاں، ہم لاکھ دوسروں سے اپنے اندر اٹھتے ہوئے طوفان، اذیت، کرب، دل میں پل پل اٹھتے ہوئے درد کی شیزوں پوپٹے، بھرے بالوں کی گالوں سے ھلیتی نہیں، بے دردی

”زیان... آئیں سوڑی...“ میں تجھیں میں بہت برقی ہوں،“ بہت برقی... میں نے بھی بھی آپ کے حوالے سے سوچنے کی کوشش نہیں کی آپ... آپ بہت اچھے اور بہت قلیل ہیں... میں حقیقت میں آپ کے قابل نہیں۔“ پارسے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی، اس کی خوب صورت کوٹوا جیسی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑکی اس کے لیچ گالوں پر تیزی سے بہر رہی تھیں، پھرے پر نہ است، شرمساری، پچھتا وہ جانے کیا کچھ تھا۔

”بس اب مزید دوڑاۓ کی کوئی ضرورت نہیں،“ بہت ہو چکا۔“ زیان نے ہاتھا خاکر تھوڑے تیکھے لبھ میں کہا۔“ تھیک ہے تم خود کو اس قابل نہیں سمجھتیں تو کوئی بات نہیں... میں ابھی جا کر اماں ابا سے کہہ دیتا ہوں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔“

”ارے... ارے میں نے یہ کہ کہا؟“ وہ روائی میں کہہ گئی۔ پارسے کی بے ساختی پر زیان اونٹی آگئی اور وہ ضبط کر گیا، غور سے پارسے کے ہونق چرے کی جانب دیکھا، آنسوؤں سے بھری آنکھیں، سرخ تاک، متور پوپٹے، بھرے بالوں کی گالوں سے ھلیتی نہیں، بے دردی

کو چھپا لیں لیکن وہ ہمارا رب جو دلوں کے بھید جاتا ہے، جوست ماؤں کی محبت رکھتا ہے... وہ تو پل پل کی خبر رکھتا ہے... میں، میں تم سے محبت کرتا ہوں پارسے...“ مجہت کا رکھنا ہے تم نے؟ کس نے کہا کہمیں میری پسند اور میری رضامندی نہیں... کس نے کہا کہ میں مجبور ہوں،“ پیارے اسے سمجھایا تکروہ سکتی ہوئی بولی۔

آپ... آپ... بہت اچھے اور فرمائیں بودار بیٹے ہیں زیان، آپ میری طرح نہیں ہیں... آپ اپنے والدین کی بات سے انکا نہیں کر سکتے تاں؟“

”بے شک! میں فرمائیں بودار ہوں... اماں، بابا کو انکا بھی نہیں کر سکتا مگر باگل لڑکی کیا تم نے بھی مجھے پڑھنے کی کوشش کی؟ تم سداقی لایا بیلی اور اپنے آپ میں گمن رہنے والی لڑکی رہیں تم کیا جاؤ کہ جس رشتے کی بھنک بچپن میں ہی میرے کان میں پڑی تھی، میں نے اس رشتے کو بھاشی، ہی اپنے اندر پیٹا دیکھا ہے ایسے ہی جیسے ایک خمساٹی، آہستا ہستہ پوڈے سے درخت بن جاتا ہے بالکل اسی طرح بچپن سے لے کر جوانی تک تمہیں اپنا سمجھا، اپنا جانا اور تھاہر ساتھ ہی زندگی گزارنے کا یقین رہا...“ مجہت کا اظہار مجھے آتا نہیں تھا اور تم کچھ زیادہ ہی لایا تھس،“ جانے تم کیا تھسی؟ تھہاری شادی کی بجزر کر میں توڑھتی طور پر اسافہ ہو چکا تھا... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تھہاری شادی نہیں اور ہوتی ہے اگر اس وقت میں تھوڑا سا بھی لڑکہ رجاہتا کوئی میری جالت کا ایک فصل بھی اندازہ لگالیتا تو گھر میں کلدورت پھیل جاتی، یاد ہو گا تمہیں جب یہ بات ہوئی میں کراچی میں نہیں تھا اور اس حالت میں بیہاں آ کرس کے لیے اور خاص طور پر تھہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بے قوف لڑکی یہ تم پر ترس کھا کر کیا گیا فیصلہ نہیں ہے بلکہ شاید اللہ پاک کو مجھ پر ترس آ گیا... تم تو انجان ھیں لیکن وہ تو سب کچھ جانتا ہے تاں، ہم لاکھ دوسروں سے اپنے اندر اٹھتے ہوئے طوفان، اذیت، کرب، دل میں پل پل اٹھتے ہوئے درد کی شیزوں

سے ہوٹ کاٹی ہوئی۔
”چھر.....“ زیان نے اپر اٹھا کر سنجیدگی سے پوچھا۔
”چھر..... میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی کیا بات ہو گی کہ مجھے آپ جیسا شریک حیات ملے۔“ مخصوصیت اور سادگی سے کیے گئے افرار پر زیان کو پیارا گیا۔
”چھی.....“ وہ ایک قدم آگے بڑھا اور واڑی سے دیکھتے ہوئے جھکا۔

”جی..... جی۔“ پارسہ گھبرا کر ایک قدم چھپے ہوئی، زیان نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں پارسہ کے نازک ہاتھوں کو تھاہا، پارسہ کا تھاہ اپنی گرفت میں لے کر کمرے سے باہر نکلا اور بڑے کمرہ کی جانب بڑھا۔ جس میں سارے گھروالے تھے۔ وہ شرم و حیاء سے گندھی زیان کے قدم، قدم اس کرہ میں آئی جہاں اس کے ایسا کہدا ہے تھے۔

”بھائی..... بھائی صاحب آپ لوگ کس قدر عظیم ہیں..... ہم تو آپ کے احسانات تلتے دبے جاوے ہیں۔“ اسہام بیگم نے جیسے اور جھانی کی طرف دیکھتے ہوئے تھنگ بھر سے انداز میں کہا۔

”اسہام..... آئندہ یہ بات نہیں کرنا کیونکہ یہ کوئی احسان نہیں بلکہ ہم سب کی مشترک خواہش ہے، بھی ہے، شاید تمہاری اور سم کی بھی خواہش ہے کوکہ اس وقت بہزاد کھڑے کر والوں نے بہت چھوٹی حرکت کی لیکن اس حرکت سے ان کی فطرت کا اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ لوگ کس حد تک ذہینی مریض ہیں۔ میری تمہاری بھائی کی تو یہی خواہش تھی کہ پارسہ زیان کی دہن بنے..... ہم نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ گھر کی بیٹی گھر سے باہر جائے گی یقین کرو یہ بات ہمارے لیے بہت تکلیف وہ تھی اور نہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تم دونوں اور بیوی کے لیے بھی.....“

اگر اس وقت ہم دونوں میاں یہوی دل بڑا نہیں کرتے یا تم لوگوں کو قائل نہ کرتے..... بچوں پر تھی اور پارسہ کی حمایت نہیں کرتے تو شاید بہت بڑا طوفان کھڑا ہو جاتا، ہم آج بھی اپنی اولاد پر تھی کر سکتے ہیں جن پر نہیں مان ہوتا اور بھروسے

”بھائی.....“ بھائی اپنے میاں پر فرق ہوتا ہے اپنی اور غیر وہ میں..... اگر ایسے موقعوں پر اپنی سماں تھندیں تو کون دے گا، سکی تو وہ رہتے ہیں جن پر نہیں مان ہوتا اور بھروسے

بات پر کاظمہ نے جو نہایت بچپنی اور توجہ سے بات سنے کے لیے بڑی تھیں ایک دھمکا لیا۔ ان کی کمر پر سید کر دیا۔
 ”اوے بے شرمو..... ذرا مکانے کے قابل تو ہو جاؤ۔ اتنے اتاوے کیوں ہو رہے ہو؟“
 ”لے..... ظالم سار“ لیاں نے منہ بورتے ہوئے کسر ہلائی تو کاظمہ کے ساتھ ساتھ اسماء بیگم اور منیرہ بیگم بھی حلکھلا گئیں۔

”چل یار..... بھی ہم نے صرف کام ہی کرنے ہیں۔“ حارث نے بھی منہ بنتے ہوئے مسکین لمحے میں کہا۔ پارس سمجھت پاش نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
 ”میرے اللہ..... تیر لاکھ لالاٹکر کے کہ مجھے اتنے پیارے پیارے رشتوں کے درمیان سیدا لیا، اللہ پاک میرے گھر کو آپار کھانا آئیں۔“ گھر میں ایک بار پھر خوشگوار ہنگامے جاں اٹھے تھے لیکن اس بار گھر کے سارے افراد پورے جوش و خروش اور دل کی تمام تر چاہیوں کے ساتھ تھے سرے سے خوشیاں منانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جیکہ پارسہ زیان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ زیان والی میرا جیازی خدا کہلانے کا حق دارے، باوقار، روشن خیال اور محبت کرنے والا، احساس کو سمجھنے والا رشتوں کی قدر کرنے والا..... اس نے جس گلاب کی تمنا کی تھی وہ تو زیان تھا۔ میری بندشی کے سارے گلاب زیان کے نام ہیں۔ وہ آسودہ ہو کر رشتوں کی خوبصورتی پر مسکرانے لگی۔

ہوتا ہے، یہ ہی رشتوں کی پیچان ہیں۔ چھ رشتے وہی ہوتے ہیں جن پا آپ کلک بند کر کے بھروسہ کیا جاسکے، جن پر ہمیں خود سے زیادہ اعتماد ہو، جن سے ہم بڑے مان سے اپنا آپ منا سکیں اور ہمارا دکھانے والہن میں سمیت لینے والے ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتے اور جس کے نصیب میں ہوتے ہیں وہ لوگ بہت خوش نصیب لوگ ہیں۔“
 کاظمہ نے آگے بڑھ کر اسماء بیگم کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”چلو، چھ تم لوگ کیا ہوتے ہے اپھرا ہر دیکھر سے ہوا شو اور اپنی تیاریاں کرو آج تو مہنگی لکانے والی لڑکیاں آتے والی تھیں نا، ابھی کال کرو میبا بازار سے لٹکی کہ نہیں۔“ کاظمہ نے پلٹ کر پچھوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوشگوار لمحے میں کہا تو اپنی علویہ، حارث اور لیاں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، سب کے چہرے خوشی سے دک رہے تھے حالانکہ عین شادی سے ایک دن پہلے کسی لڑکی کی بارات نہ آنے کا واقعہ ہو تو کہرام تھی جاتا ہے، بے شک بات ہری تو سب کو گلی تھی لیکن سارے لوگ ہی اب اس پچھویں میں زیادہ خوش تھے۔ آج سب کی دلی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ سرخاڑی خوشی شادی کے لڑکا میں میں حصہ لینے والے گھر کے ہر فرد کا دل کہیں نہ کہیں اوس بھی تھا کیونکہ سب ہی چھ دل سے پارس کو زیان کی دلہن کی بنا تھے۔

”چھوپو..... ہم لوگ آپ سب کو ایک مشورہ دینا چاہتے ہیں۔“ لیاں نے کاظمہ کے پاس آ کر نہایت سنجیدگی سے قدر سے ہنسی آوازیں کہا۔
 ”کیا.....؟“ کاظمہ نے پلٹ کر حارث اور لیاں کی طرف دیکھا۔

”جب نکاح کا سلسلہ چل لکا ہے تو کیوں نہ کم خرچ بالاشیں کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس مبارک موقع پر شین نکاح کر کے آپ لوگ اپنے فرض سے سکدوں ہو جائیں، خرچ بھی کم اور وقت کی بھی بچت۔“ لیاں کی

عشق کی کہانیاں

ندا حسین

گزشتہ قطعہ کا خلاصہ

ماریانہ ارسال کو جاد کی تمام شرائتوں کا بتاتی ہے اور اسلیے سب سن کر خوش ہو جاتا ہے اور ماریانہ کے ساتھ مل کر مستقبل کے خوب بننے لگ جاتا ہے۔ پیغمرو میا کی حقیقت جان کر اس سے ملنے اس کے گھر بخیج کر سب کچھ بتاتا ہے جس کوں کرماریا نہ کو بہت دکھا اور اسوس ہوتا ہے۔ قریجہاں اور فاریے مجھے بیکم سے اپنے خاندان کے بارے میں سب کچھ جان کر خوف زدہ ہو جاتی ہیں اور دل اور بخت کافاریے کا رشتہ طے کر دیتا۔ بھی صحیہ بیکم کو برالگتا ہے جس کا اظہار وہ دل اور بخت سے بخت الفاظ میں بھی کروئی ہیں پر دل اور بخت اس کی بات کا کوئی بھی نوٹس نہیں لیتا اور اپنی بہت دھرمی کو برقرار رکھتے ہوئے۔ قریجہاں پر کہ کر اپنا فصلہ ناکر چلا جاتا ہے۔ جاد بیکم کی حرکتوں سے بیزار ہو کر فاریے سے رابطہ کو شکستا ہے پر اس سے کسی بھی طرح رابطہ ہونے پر دہ پرشانی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جل کو جب ہوش آتا ہے تو وہ خود کو اپنال میں پاتی ہے اور زس سے ماری تفصیل جان کر تم ہو جاتی ہے۔

اب گے پڑیے



”کس نے حملہ کیا تھا تم پری لی؟ تمہیں تو پہاڑی ہو گانا۔“ ترس اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جمل کے ذہن کے پروردے پر قلم سی جعلنے لگی تھی۔ محمود بیک کی اکھڑتی سنیں، اس کی آنکھوں سے چھلتی حرست، بے بکی، وہ آنکھیں جو پوچھ کرناجاہد نہیں تھیں، کہتے کہتے پوچھ رہی تھیں۔

”محمود بیک۔“ جمل کے بیلوں سے ایک آہ کی صورت محمود بیک کا نام خارج ہوا اور اس کی آنکھیں بھیکے گیں۔

”کیا ہوابی لی..... کیا یادیں آرہا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟“ ترس نے اسے خاموش دیکھ کر ایک بار پھر سوال کیا۔ محمود بیک نے آخری سانس لیتے ہوئے اسے بے حد ترقی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ نگاہیں جمل کے دل کو تیر کی طرح چڑھ رہی تھیں۔ ترس اسے گم سماویکے کرنے ہٹا چکا تھے ہوئے دہائے جائی۔

”یہ تیسی بیٹاٹی زندگی ہے، پل میں کچھ اور پل میں کچھ، جیتا جا گتا انسان چند، پل میں منٹی تسلی جاستا۔“ زندگی سے بڑھ کر جھلایا تھا اور لوگون ہو گا۔“ جمل کوہہ پل یادا نے گئے جو اس نے محمود بیک کی سگت میں بتائے تھے۔

برے برے سارا دے رکھنے والا محمود بیک آج خاک اور جھنگی سو رہا تھا۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ زندگی کے کب بڑے بڑے دھوکے کھانے والا اور بخت آج قسمت کا سلطان بنایا بیٹھا تھا۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ زندگی کے کب کس موڑ پر کون سافریب کی اڑو دھن کی ماں منہ مخون کے ہٹرا ہو۔ کوئی نہیں جان سکتا عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بلندی پر پہنچنے کا یقین غائب ہوتے۔ آپ کا نصیب آب سے ملاقات ضرور کرتا ہے۔ جمل کو آج اپنی زندگی ایک فریب یا پھر دھوکے جیسی محسوں ہو رہی تھی۔ آج اک اس سے کوئی پوچھنے کے اس کی نظر میں اس دنیا کا سب سے ظالم انسان کون ہے تو وہ انتقام میں جھلے محمود بیک کا نام نہیں لے لی، وہ بخت کو سی طالہ نہیں کیجی گی، اس نے آج زندگی کا راز، اس کا بھیاں ایک روپ دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے نصیب سے مل چکی تھی اور اب وہ جو بولی جان گئی کہ اس دنیا کا سب سے سفاک انسان اس کا خود غرض، لاچی، بے سس بات تھا۔ جس نے اس کو اس کی بخت سے نکال کر کسی بھی بکری کی طرح چڑھا لاتھا۔ وہ ایک بکاہ مال کی طرح در در کی ٹھوکریں کھا تی رہی۔ اس کا جسم، اس کا قیمتی اٹاٹا شترہ بہا۔ پیک پار پری بن گیا۔ دھوکہ دی اسے وراخت میں ٹلی گئی۔ وہ بھی ریویویوں کی بندرا بات کی طرح دھوکے باشنا رہی۔ وہ جس فطرت کو پال بنیتی تھی اس میں بھلائی چھو کر نہ گزری تھی۔

آج اس نے جانا تھا کہ رب کی بنائی ہوئی بخت میں عزت سے زندگی گزارنے میں ہی عافیت ہے۔ اس بخت کے باہر صرف آزمائش، امتحان، اعمال اور ان اعمال کے کرم منتظر ہے۔ آج اس نے یہ بھی جانا تھا کہ اولاد اللہ کی صرف بخت ہی نہیں آزمائش تھی ہے۔ اس کا ملک اس آزمائش میں بڑی طرح ناکام ہوا تو زندگی اس کے لیے ایک عذاب بن گئی اسے ایک دم سے خیال آیا کہ ایک آزمائش سے تو وہ بھی تو اوازی گئی تھی۔

”آہ میرا بچ..... بخ کی یادا نے پروہ بڑی طرح ترپ آگئی۔

”تے جانہ وہ کہاں اور کس حال میں ہو گا؟“ اسے فکر تانے لگی۔

”میرے بغیر وہ کیسے زندہ ہو گا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو روں ہوئے۔

جمل کو اپنے دل میں بیاپ کی بے حسی، اس سے نفرت کا احساس معدوم ہوتا محسوس ہونے لگا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی سانوں کا سفر ابھی جاری تھا۔ زندگی بھلے بے اعتبار سی گرا ایک دم سے اسے بے انتہاء عزیز ہوئی محسوس ہوئی اور وجہ صرف ایک تھی کہ وہ مال تھی۔ وہ ماضی دو ہر انٹیں جاتی تھی۔ وہ امی اولا کو جنم بھری زندگی میں چھوڑ کر جانے کی روادر نہیں تھی۔ ایک موقع اسے قسمت سے ملا تھا۔ نی زندگی جمل کے لیے نیا روپ، نیا جنم تھی اور اس نے جنم میں پرانی جمل کا

سایہ بھی وہ اپنے بچ پر پڑتے نہیں دینا چاہتی تھی۔

”میرا بچہ... میرا بچہ ہی میری کل کائنات ہے، میں اپنی جان پر کھیل کر اس کی خلافت کروں گی، اسے کسی بھی تھیے کے بھتی نہیں چڑھنے دوں گی“ مگر ان سب کے لیے مجھے اس پتال سے نکلا ہوگا، مجھے اپنے بچے کے بارے میں جانا ہوگا۔ نہ جانے وہ کہاں ہو گا؟“ اس سوال نے آئے والے ایک بخشنہ تک جگل کو بے چین رکھا تھا۔



فنا گشتم فنا گشتم، نبی دامن چار قسم

(میں کھو گیا ہوں، میٹ گیا ہوں، نہیں جانتا کہ ہر جارہا ہوں)

عزیز سے گفتگو کے دوران وہ اپنے دل کی ہر کیفیت بیان کر گئے تھے، وہ سب بھی کہہ گئے تھے جو خود سے کہنے سے بھی گھبراء ہے تھے۔

”میں صیبح کو واپس اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہوں۔“ یا اعتراف ان کے لیے آسان نہیں تھا، جسے کھو دیا سے پانے کے خواب دیکھنا، دیوانے کی آرزو سے بڑھ کر کچھ اور نہیں تھا۔

”مجدور کر دوں گا میں اسے اپنی ہربات ماننے کے لیے۔“ یہ دوئی سنتی کی حد تک بھی قابلِ ثبوت نہیں اور وہ بھلا کیے مجدور کریں گے صیبح کو؟ جو کچھ وہ صیبح کے ساتھ کر سکے تھے، کیا ان سب کے بعد وہ کوئی ایسا اخلاقی جواز بھی رکھتے ہیں کہ صیبح ان سے پھرے بات کرنے کے لیے راضی ہو۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ ایسا ہر جواز کرنے کا حق کھو چکے ہیں مگر پھر بھی دوئی کر گئے۔

”مجھے ہر حال میں صیبح کو پاتا ہے اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی شادی ختم بھی ہو سکتی ہے۔“ وہ کوئی کھلونا تو تھی، نہ ہی کسی مقابلے کیڑائی جو بہترین کارکردگی پر مبنے والا تھا۔ یا ایوارڈ بھی تھی۔ وہ بیتی جاگتی انسان تھیں۔

”میں اپنے کے ہر علم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، میں صیبح کو پھر سے اپنا چاہتا ہوں۔“ کیا زندگی اجائزے کی حلاني ہو سکتی تھی، کیا کسی کی روح پھٹلی کر کے سیاحان کی جاسکتی تھی، کسی کی زندگی سے اس کی مسکراہیں، اس کے جینے کی امنگ ختم کر کے اس سے معافی کا سوال کیا جا سکتا ہے؟

”ضد نہیں ہے، میری خواہش ہے۔ صیبح کے بغیر اس میں نہیں رہ سکتا۔“ خواہش کیسی خواہش؟ صیبح کو چھوڑا جعل کو اپنانا اور پھر اس سے تعلق ختم کر کے نئے سرے سے صیبح کی بُتی کھلیتی زندگی کو اجاہ نہیں یا خواہش ہے؟ اگر یہ خواہش ہے تو اپنائی خود فرضاء خواہش اور اسی خود فرضاء سوچ شاید کوئی عام انسان نہ کر سکے مگر یا اور بخت جیسا خود غرض اور خود پر انسان رکھ سکتا تھا اور اسی خواہش کے دریازہ وہ صیبح کا تعاقب کرتے ہوئے ایک روز اس سے جا ملے۔

صیبح دلاور کی شاپنگ کے سلسلے میں بازار آئیں۔ عاصم کی اتفاقی طور پر ایک پانے دوست سے ملاقات ہو گئی۔ وہ کچھ دیر کے لیے صیبح سے دور چلا گیا۔ یا اور بخت جو صیبح کا چیچھا کرتے ہوئے بازار آپنچا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ اس کے پاس پہنچ گئے۔

”کسی ہو صیبح؟“ وہ اس کے قریب پہنچ کر دھیرے سے بولے۔

”یا اور بخت تم؟“ صیبح انہیں یوں سامنے پا کر بڑی طرح جو کی تھی۔

”ہاں..... میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”یا اور بخت۔ بات ان کے درمیان ہوتی ہے جہاں کوئی تعلق ہو۔ میرا ب تم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔“ صیبح نگم نے سرد مہری سے کہا۔

”تعلق تو ہے۔ تعلق ختم نہیں ہو سکتا تم سے کبھی صبیح، تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔“ یا ور بخت نے دلیری کے کہا۔

”ایسی محبت سے موت بہتر ہے یا ور بخت۔ تہاری طرف دیکھنے سے بہتر میں مرنا پسند کروں گی۔“ صبیح بیگم نے نفرت سے جواب دیا تھا۔

”تم پچھے بھی کوئی میرے میں جانتا ہوں تم آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔“ یا ور بخت ذہنی سے ان کی آنکھوں میں جھاکتے ہوئے بولے۔

”تم سے تو میں اب نفرت بھی نہیں کرتی یا ور بخت۔ تم میری زندگی کا پچھتاوا ہو۔ تمہارا خیال اگر بھی بھولے سے بھی میرے ذہن میں آجائے تو میں اللہ کا شکر ادا کریں ہوں کرم جسے بیمار، خود غرض انسان سے میری جان چھوٹی..... ہونہے۔“ صبیح بیگم نفرت سے انہیں دیکھ کر دلاور کو گود میں اٹھائے وہاں سے چل گئی۔ یا ور بخت اپنے بیٹھنے کے وہاں سے جاتا دیکھتے رہ گئے۔ ان کی زنگاہیں صبیح بیگم کی گود میں مکراتے بچے پر بھی ہوئی تھیں۔



صبیح گھر لوٹیں تو زندگی طور پر بے حد مضطرب تھی۔ وہ یات تو بخوبی جانتی تھیں کہ یا ور بخت کو ایک دن اپنی غلطی کا احساس ضرور ہو گا مگر وہ یوں اس کے سامنے کھڑا۔ اپنی غلطیوں اور زیادتیوں کی معافی باگنے کے بجائے بے شرموں کی طرح اپنی چاہتوں کا اطمینان کرے گا، میری تو ان کے وہم و مگان میں بھی نہ تھا۔ ان کی پریشانی تب مزید بڑھتی ہوئی جب یا ور بخت ایک اور ان ان کے سامنے آگھرا ہوا۔ وہ تضییغ شفیق کے گھر جانے کے لیے نکلی تھیں تب ہی یا ور بخت ان کی گاڑی کا راستہ در کھڑے کیا ہو گئے تھے۔

”تم آخر چاہتے کیا ہو یا ور بخت؟“ وہ حستھلا محسیں۔

”صرف اتنا کہم اوث آؤ میری دیباں۔“ وہ منت بھرے بھی میں بولے۔

”تمہاری دنیا اب میرے لیے چھنم سے کم نہیں۔“ صبیح بیگم نفرت بھی میں کویا ہوئیں۔

”صبیح بھول جاؤ وہ سب کچھ۔ میں جانتا ہوں میں ن تمہارے ساتھ بہت غلط کیا تھکن۔“ یا ور بخت کی بات ادھوری رہ گئی۔ صبیح بیگم نے ان کی بات کا شتہ ہوئے تیز لبجھ میں کاہا۔

”جو بوجھ کاہو میں اپنی زندگی سے نکال کر پھینک بیکھی ہوں اب کسی لیکن ویکن کی سنجاش باقی نہیں رہی۔“

”عنجاش کاہو گر تر چاہو تو۔“ یا ور بخت مخفی خبر لبجھ میں بولے۔

”کہنا کیا چاہتے ہو یا ور بخت۔ حل کر کوہ۔“ صبیح بیگم کے لبھ میں کرختی در آئی۔

”تم لوٹ آؤ میرے پاس صبیح، چھوڑ دو عاصم کو۔“ یا ور بخت خود غرضی دکھاتے ہوئے بولے۔ صبیح بیگم کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی اسیکی زندگانی کے رخسار کو مر جگر کیا۔

”گرو تم بہت پہلے ہی میری نظر وہ سے گئے تھے یا ور بخت۔ میں بھی جانتی تھی کہ جب جمل کا دھوکہ تمہاری آنکھوں پر بندھی پی کھولے گا تو تم گرزاڑت ہوئے مجھ سے معافی مانگنے آؤ گے لیکن مجھے نہیں پا تھا جمل کی عگلت میں پاکل اس جیسا خود غرض بناؤالے گی۔ لکنی بے شری سے تم مجھے عاصم کو دھوکہ دینے کا کہہ گئے یا ور بخت مگر یا ور کھو۔ میں صبیح مرضی ہوں، جب تمہارے فریب، ہو کے کے باوجود میں نے تم سے وفا کی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں عاصم جیسے فرشتہ صفت انسان کو تم جیسے گھٹھا انسان کے لیے چھوڑ دوں۔“ صبیح بیگم نے انتہائی طبقیں کے عالم میں کہا۔ ان کا کہا اگیا ایک ایک لفظ یا ور بخت کو آئینہ دکھانے کے لیے کافی تھا۔ یا ور بخت اپنے بیٹھنے کی دیکھتے رہے تھے۔

”آئندہ مجھے سے ملنے کی غلطی نہ کرنا یا اور بخت۔ ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ میرا تم سے کبھی کوئی تعلق تھا پھر میرے سامنے ایک ایسا شخص کھڑا ہو گا جو میری بخت اجازت کے درپے ہے اور تمہیں میں بتا دوں کہ میں اپنی بخت کی صورت ابڑھنے نہیں دوں گی۔“ صیحہ بیگم انہیں بخت نظر دوں سے گھورتے ہوئے تنہیہ کرتی ہوئی دہاں سے چلی گئیں۔ ندامت، بخت پچھتا وہ شرمندگی۔ یا حساسات یا اور بخت کے دل میں اپنے چارے تھے مگر ان کے دل و دماغ میں تو لا والیں رہا تھا۔ بھا بنہر جل رہے تھا دران کا جسم ایک ان دیکھ آگ میں برقی طرح جملہ رہا تھا۔

”تمہیں عاصم کو چھوڑنا ہو گا صیحہ۔ میں تمہیں اس قدر مجور کروں گا کہ تم خود اسے چھوڑ کر میرے پاس آؤ گی۔ میں اسے تمہاری زندگی سے نکال پھینکوں گا۔“ واپسی کا سفر بے حد جاں کسل گھبرا تھا۔

”میں تمہاری زندگی بنا لیں گی اس نئی بخت کو آگ جاؤں گا۔“ ان کے دل و دماغ میں زیب پھر چکا تھا۔ ”میں تم پر سارے دروازے بند کر دیں گا۔ صرف ایک راستہ بچے گا۔ وہ جو تمہیں مجھ تک پہنچائے گا۔“ ان کے پہرے پر زبرخند سکراہٹ تھی۔

”تمہاری زندگی پر صرف میرا حق ہے صیحہ، کوئی اور شامل ہونی نہیں سکتا۔ تم صرف میری ہو اور میرے اس دعویٰ پر تقدیم کی مہر وقت لگائے گا۔ یا اور بخت کی گاڑی انتہائی بر قراری سے اپنی راہ پر گامزن ٹھی۔“



اسے اپنی ایک ایک سانس بھماری ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بچھل ہوتے قدم گھر کے سامنے ہی زنجیر ہو گئے۔ وہ گھر جہاں وہ انتہائی مختصر راستے قیام کر پائی گئی گھر سے ہاں گزری پندرہ ساعتیں ہی اس کی زندگی کا حاصل ثابت ہوئی گی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کئی مظہر جو زرے وقت کا فلن اور ہے، ماضی کی قبریں جا سوئے تھے پھرے سے جی، اٹھے تھے۔ گھوڈیک اسے اس گھر کے آنکن میں جیتا جا گتا نظر آئے لگا۔ اس کا ساتھ دیتے ہوئے، مستقبل کے منصوبے بناتا ہوا، اور نئے وجود کو اپنی نرم آنکھوں میں سیئے لوریاں سنا تاہو۔ جل کی آنکھوں سے آنسو بہہ لئے۔ اس کے بچھل قدم راستے ناپے سے انکاری ہوئے اور وہ دیں، اس گھر کے دروازے پر تھک بار کر بیٹھ گئی۔

”ارے دیکھو یہ..... یہ بچل ہے نا۔“ محل کے کسی گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ کسی نے جماں کرائے دیکھا اور ہمسائے کا دروازہ پیٹتے ہوئے اسے بھی باخبر کر دیا۔

”ہا۔۔۔ ہاں سروہی ہے، جس کے گھر میں ذمہ داری ان کم بخنوں نے، اس کے شوہر کو مارڈا اور اسے شدید رُثی کر دیا تھا۔“ ایک درخشنے کے بعد کسی درخشنے حلے گئے۔ سب کی چلگوئیاں اس کی ساعت میں جو گھنیوں کی طرح ریک رہی تھی۔

”ہائے بیچاری! براظلم سہا بے اس مظلوم نے۔ سبیلہ تورات کے اندر ہرے میں وہ تینوں بد معاش اس کے گھر میں گھس آئے۔ اس کے شوہرن نے ٹھکانی کی تو بعد میں اس نے جان ہی لے لی۔“ وہ جیسے کوئی اجری ہوئی داستان تھی جسے جان کر سب پیٹھے تبرے کر رہے تھے۔

”ہائے تو بیتب۔۔۔ کسی قیامت نوٹ بڑی ہے اس بیچاری کے آنکن میں۔ اللہ سب کو اسی اندوہناک آفت سے حفاظ کر کے۔“ ایک عورت نے اپنے کل پیٹتے ہوئے ایسے کہا جیسے وہ کوئی عبرت ناک داستان کا حصہ ہو۔

”آمین۔۔۔ آمین۔“ بچل کو محسوس ہو رہا تھا وہ کوئی زندہ لاش ہے اور ان کی باتیں سن رہی ہے۔ باقی ہر صلاحت تو سب ہو چکی ہیں۔ کوئی اختیار، کوئی طاقت اس کے وجود میں باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے پاس اس دنیا کی بے شانی دلکشی کے علاوہ اب کوئی چارہ نہ پھاتھا۔ آج بچل کوئی ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھی زندہ لاش ہے اور جب تک اس کی تدقین

نہیں ہو جائے گی جب تک اسے ان سارے زندہ لوگوں کی حکایتیں سنتے رہتا ہوگا۔ سکون تو صرف قبر میں ملے گا اور کیا واقعی قبر میں سکون ملے گا؟ کیا اس کے اعمال ایسے نیں؟ کیا اس نے اس دنیا میں لوگوں کو سکون سے زندہ رہنے دیا تھا۔ ”اڑے کیسے بے حس لوگ ہوتے سب کھڑے ہو کر اس کی بے بُی کامتاہا شدی دیکھتے رہو گے یا پھر اس بیچاری قسم ماری کو اپنے گھر لے جا کر کچھ کھانے پینے کو بھی پوچھو گے۔“ ان میں سے کسی بزرگ خاتون نے سب کو تاثر تھے ہوئے احساس دلایا۔

”ہاں یاں خالہ ٹھک کہہتی ہیں اسے کوئی گھر لے جاؤ۔ پانی تو پلاو۔“

”ہاں دیکھ توڑا کیسے زندہ لاش تینی انسنے گھر کے دروازے پر کھڑی ہے۔“ ایک بار پھر چکوئیں کا آغاز ہوا۔

”اڑے میں تو کہتی ہوں کہ اس کا بچہ لا کر اس کی گود میں ڈال دو۔ شاید اس کی جان میں پچھہ جان آئے۔“ ایک ادھیر عمر

عورت نے مشورہ دیا۔

”ٹھیک کہتی ہیں خالہ اس کا بچہ تو ماں کے لیے ترپ ترپ کر بے حال ہو جا رہا ہے۔ ابھی لے کر آتی ہوں۔ ماں کا قرب نے گاتو اسے بھی چین نصیب ہو گا۔“ رخشندہ اتنا کہہ کر واپس گھر جلی آئی۔ واپس لوپی تو اس کی گود میں جگل کا بیٹا تھا۔

”لے جگل اپنی المات۔“ رخشندہ نے پچھا اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ جگل کے بے دم ہوتے وجود میں ایک دم سے جان پر آئی۔

”میری جان، میرا بچہ.....“ وہ بے قراری کے عالم میں اپنے لخت جگل کو چومنے لگی۔ وہاں موجود تمام لوگ اسے دم بخود سے دیکھنے لگے۔

”ماں قریباں تجھ پر میری جان میرا لخت جگل۔“ وہ اسے اپنے بیٹے سے لپٹائے روپاہی ہوتے ہوئے بولی۔

”ہائے دیکھوڑا مامتا کی ماری ترپ ترپ ہے بے چاری کا گھر بار سب اجر جائی۔“

”ہاں بس اب ایک اولاد کا ہی سہارا ہے۔“ محلے والے اس پر ترس کھانی نہ کروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ان کی باتوں پر جگل نے سراہا کر دیں دیکھا۔

”ہاں بس میرا بچہ ہی میرا سہارا ہے۔ میرا بچہ ہی سب کچھ ہے۔“ وہ آہنگی سے بڑھانے لگی۔

”لیکن مجھے اسے یہاں سے لے جانا ہوگا۔ ورنہ وہ ظالم اسے بھی نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

”سنو.....اب گھر چلو چنے۔ کب تک یہاں باہر بٹھی رہو گی۔“ رخشندہ اس کا باتھ تھا میتے ہوئے بولی۔

”عن.....نہیں نہیں میں اس گھر نہیں جاؤں گی۔ یہاں مت کھڑی سے موت۔“ وہ گھراتے ہوئے بولی۔

”بے چاری کس قدر خوف زدہ ہے۔“ وہ سب افسوس سے اسے دیکھنے لگے۔

”پھر کہاں جاؤ گی اور کوئی شکا نہ سے کیا تھا رہا؟“ رخشندہ ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

”اللہ کی زمین بہت بڑی ہے، کہیں بھی چلی جاؤں گی گرائب یہاں نہیں رہوں گی۔“ جگل اپنے بیٹے گود میں اٹھائے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وہاں سے جانے لگی۔

”سنور کو تو صحیح، پچھکھا پی تو لوپھر چلی جانا۔“ رخشندہ نے صد الگانی گرجگل نے جیسے کچھ مناہی نہیں۔ وہ چلتی ہی رہی۔

”ہائے بے چاری حرم انصیب۔“ وہ لوگ افسوس بھری زگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔



”آج میں نے فاریہ کے درشتے کے سلے میں مہمان بلائے ہیں، آپ مل لجئے گا اور فاریہ کو بھی آمداد تھیے گا کہ وہ بھی

طریقے سے تیار ہو کر ان لوگوں سے ملے۔ ”دلاور نے بھی جو کوئی سیرے مطلع کیا۔ وہ تب سے حیرت میں تھیں۔ پچھلے حد تک اب انہیں اس کی بات میں بھی دوں نظر آنے لگا تھا۔ بخت خاندان کو مجتہد راس بھی کب آئی تھی۔ جب بھی مجتہد کا نام یا قسمت نے زنانے والے دارالحکمہ پر سید کیا تھا اور فاریہ اس تو انہیں بنا انتہاء مجتہد تھی۔ وہ تو بھی بھی نہیں چاہیں گی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہو۔ ان ساری باتوں کو سوچتے ہوئے بالآخر وہ اس نتیجے پر کچھیں کہ دلاور کی بات مان کر ان لوگوں سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر کار وہ باپ ہے فاریہ کا، اس کے لیے چھہ را تو انہیں سوچ سکتا۔ بھی سوچ کر انہوں نے فاریہ کو مہماںوں سے ملنے کے لیے آمادہ کرنا شروع کر دیا۔

”ریکھو یہ تقاریب، ماضی میں ہم سب پر کیا تھی ہے یہم اب کافی حد تک جان چکی ہوں۔“ فاریہ کی قیمت بھی مہماںوں سے ملنے کے لیے راشی نہیں تھی۔ صیبیجہنم سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

”مگر دادی جو کچھ ماضی میں اگرچہ کھڑوئی تو نہیں وہاب بھی ہم سب پر ہے۔“ فاریہ بڑی طرح جھوٹھلاٹی۔

”اُس بات کی بھی تو حتمت نہیں کہ نہیں ہے، فاریہ اس خاندان کے ایک ایک فرد نے عذاب بھلتائی اور یہاں دیکھو میں نے نہیں بہت مجتہد، بہت دلاسر سے پلا ہے۔ تم مجھے بے حد عزیز ہو، میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ جو کچھ ہم سب پر دیتا ہے اس کا درسا۔“ بھی اشتمہاری زندگی پر پڑے۔“ صیبیجہنم اس کے باوجود کوئی سے سہلاتے ہوئے بولیں۔

”دادی کیا آپ کو یہ لگاتے کہ پایا ہی بات مان کر میں بہت خوش رہ سکوں گی یا پھر میری زندگی میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی؟“ فاریہ نے انہیں سوالیں ہوں سے دیکھتے ہوئے بوجھا۔ صیبیجہنم کلب سنجھے دیکھنے لگیں۔

”نہیں دادی میری شادی اگر حادثے نہیں ہوئی تو میں تب بھی خوش نہیں رہوں گی۔ جس غم، جس صیبیت سے آپ مجھے بخانا چاہتیں ہیں کیا خبر اس شادی کے بعد میں اسی کرب میں مبتلا ہو جاؤں۔“ فاریہ کی بات نے صیبیجہنم کو لمحے بھر کے لیے دم خود کردا۔

”اللہت کرے کہ ایسا ہو، اللہت کرے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچی میری بھی۔“ دم خود کر پا گئیں۔

”دادی میں اس بخت خاندان کا خون ہوں، اس خاندان کا حصہ ہوں، جو ہونا ہو گا میرے ساتھ وہ ہو کر رہے گا لیکن اس خوف کی وجہ سے کیا میں اپنی زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کا خواب دیکھنا چکوں گوں، کیا میں مجتہد کا چھوڑوں پھر کیا ضمانت ہے کہ مجتہد کیے بنادی کروں تو خوشیاں میرا مقدر نہیں؟“ فاریہ کے سوالوں نے اپنی خاموش کردا تھا۔

”دادی پلیز ان توہمات سے تکلیں، ماضی میں جو کچھ ہیتاں کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی لیکن میں حادثے شادی کر کے خوش نہ ہوں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ آپ خود سوچیں ہمارا حادثہ کے خاندان سے بھلا ایسا کیا اتعلق ہو سکتا ہے جو شادی کے بعد میری زندگی چھپنے ہن جائے۔“ فاریہ ان کے خوف و خدر شات کو توہمات کا ناموں سے دردی تھی۔

”میں تمہارے باپ کو کہہ بچکی ہوں فاریہ اب اگر تم مہماںوں کے سامنے نہ میں تو تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کر تمہارے باپ کا غصہ کیا ہے اسے پھر نہیں روک سکوں گی نہ تم۔“ صیبیجہنم کا لبجہ ہارا ہوا تھا۔ لہیں نہ کہیں انہیں فاریہ کی باتوں میں دم نظر آنے لگا تھا۔

”میں مہماںوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں دادی میری ایک شرط ہے۔“ فاریہ نے کچھ لفڑ کے بعد کہا۔

”کیسی شرط؟“ صیبیجہنم نے چوٹ لئے اسے دیکھا۔

”میں مہماںوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں لیکن پھر آپ کو حادثہ کے گھر والوں سے ملنا ہو گا اور یا پا کو نویش کرنا ہو گا کہ وہ میری شادی حادثے کریں۔ بتا میں دادی کیا آپ کو میری یہ خواہش قبول ہے؟“ فاریہ نے انہیں سوالیہ نظر وہ سے دیکھتے ہوئے بوجھا۔

”ٹھیک ہے میں حادث کے گھر والوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہاری ان لوگوں سے شادی کا فیصلہ میں ملاقات کے بعد ہتھیار کروں گی، دلاور کو تو نیخ کرنے کے لیے فاریہ میرے دل کا مطمئن ہونا بے حد ضروری ہے۔“ صبیحہ نیگم نے سوچ جیسا کے بعد اپنا فیصلہ سنایا۔
 ”ٹھیک ہے دادی، مجھے یقین ہے کہ حادث اور اس کے گھر والے آپ کو بے حد پسند آئیں گے۔“ فاریہ نے خوش ہو کر کہا۔



بے وجہ گھر سے نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے
 موت سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہی کیا ہے
 سب کو معلوم ہے باہر کی ہوا قاتل ہے
 یونہی قاتل سے ابھننے کی ضرورت ہی کیا ہے
 ایک نعمت ہے زندگی اسے سنجھال کے رکھ
 قبرستان کو سجانے کی ضرورت ہی کیا ہے
 دل کے بہلانے کو گھر میں ہی وجہ کافی ہے
 یونہی گلیوں میں بھکنے کی ضرورت کیا ہے

فاریہ نے اس شام صبیحہ کے کہنے پر ان ہمہ انوں سے ملاقات کی تھی۔ اس کے اچھے رو یہ کو دیکھ کر دلاور بھی کافی مطمئن ہو چکا تھا۔ اس نے اسی شب فاریہ کا رشتہ بھی پکا کر دیا اور اس ماہ شادی کرنے کا عندیہ بھی دے دیا تھا اگر فاریہ پر سب کچھ بہت ضبط کے ساتھ برداشت کرتی رہی، قمر جہاں شدید حیرت میں چلا چیس کہ فاریہ کیسے اس رشتے پر راضی ہوئی۔ مگر حقیقت انہیں رات میں معلوم ہوئی جب فاریہ نے انہیں اپنی اور صبیحہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگہ کیا۔ قمر جہاں اس کی بات سن کر خاموش تھی ہو گئی۔ وہ پسلے ہی اس خاندان کی حیاتی اور پھر دلاور کے رو یہ کو دیکھ کر شدید پریشانی میں چلا چیس اور جو خود وہ تھی اذیت کا شکار ہو ہو بھلاکی کو دوسرا کی کیا مدد کر سکا ہے اس لیے جب فاریہ نے اسے حادث کے گھر چلنے کے لیے کہا تو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے انکار کر گئیں۔

”میں جانتی ہوں قمر آپ خود بہت بیش ہیں، میں آپ سے اصرار نہیں کروں گی کہ آپ میرے ساتھ چلیں کیونکہ پاپا کا رو یا آپ کے ساتھ کیا ہے یہ مجھے سے ڈھکا چھپا نہیں۔“ فاریہ نے قمر جہاں کا ساتھ قھقاہم کرمان کے احسانات کو مجھتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ فاریہ، دلاور کا رو یہ، اس کی زیادتیاں، اس کا ٹھیک آمیز لہجہ مجھے کس قدر دکھ میں پیتا کر رہا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میری اب تک تجھے میں نہیں آ رہا کہ ان سب معاطلے میں میرا کیا تصور جو دلاور کے دل میں میرے لیے اس قدر شدید نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ مجھے سے اس قدر بدگمان کیوں ہے؟“ فاریہ کی اتنی پر قمر جہاں بھی اپنے دل کی بات کہہ گئی۔

”میں خود نہیں بمحض پاری تھر۔ مگر آپ اچھی یقین رکھیں کہ پاپا آپ کے ساتھ جو بھی رو یہ بمحض گھر میں آپ کے ساتھ رہوں گی، آپ کا ساتھ دوں گی، کوئی یقین کرے نہ کرے مگر میرا ایقیناً آپ پر سے بھی نہیں گلگائے گا۔“ فاریہ، قمر جہاں کے گلے سے لگتے ہوئے یوں۔ ان چند دنوں میں اسے اخراج و ہو گئی تھا کہ آس کے آپ کے ساتھ کی بھی عورت کے لیے زندگی گزارنا کس قدر مشکل ہے اور قمر جہاں تو دلاور کا یہ عتاب سہ بھی صرف آس کی وجہ سے ہے۔

رہی ہیں۔ اس کے دل میں قمر جہاں کا رجہ اور ان کے لیے عزت و احترام مزید بلند ہو گیا تھا۔ اسی لیے اسے اپنے ساتھ کا ایقین دلاتے ہوئے ہوئی۔
”میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو اور تمہارا ساتھ ہی میرے اندر مضمبوطی پیدا کر رہا ہے۔“ قمر جہاں نے مسکرا کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ بتا تو تمہاری حادثے بات ہوئی، کیسا ہے وہ، کب آرہا ہے پاکستان؟“ قمر جہاں کو خیال آیا تو پوچھا۔

”میری حادثے کوئی بات نہیں ہو سکی اور اب تک۔ بہت عجیب کی صورت حال ہے۔ جب میں کال کرتی ہوں تو وہ رسیونیں کرتا اور جس وہ کال کرتا ہے تو میں رسیونیں کر پاتی۔“ فاریہ نے اداسی سے کہا۔

”اوہ..... دنوں بلوں کے درمیان نائم ذیفرس بھی تو بہت ہے تاں۔ بہر حال تم اس سے رابطہ کی کوشش کرتی رہو گر ایک بات بتا تو فاریہ؟“ قمر جہاں کو کہتے ہوئے یک دم خیال آیا تو پوچھا۔

”پوچھو۔ کیا پوچھنا جاہر ہی ہے؟“ فاریہ نے اپنی سواہی نظروں سے دیکھا۔

”جب حادثہ اور اس کی قیمتی یہاں ہے ہی نہیں تو تم بی جی کو ملوانے کس سے لے کر جا رہی ہو؟“ قمر جہاں نے جست سے پوچھا۔

”رضیہ بی بی سے..... ویسے بھی حادثے کے گھر کی خاتون خاتون خاتون تو ہی ہیں، انہوں نے ہی حادثے کی پروشن کی ہے تو پھر وادی کو ان سے ملوانا تو بتا ہے تاں۔ قمر اچھا ہے جو بھی سلی کرنی ہو گی وادی کو وہ ان سے کر لیں گی۔“ فاریہ کے جواب نے قمر جہاں کو سرپریزا بھجن میں بجلتا کر دی۔

”لیکن فاریہ کیا یہ مناسب ہیں کہ تم بی جی کو قبضہ حادثے کے گھرانے سے ملوٹیں جب وہ لوگ پاکستان آ جاتے۔“ قمر جہاں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”انتہا نائم ہے کیا میرے پاس قمر؟ پیاں ان لوگوں کو گھر پر لا چکے ہیں، ان کا کچھ پیشیں کی دن اچانک کھدمیں کر آج میری ملکی ہے یا انکا خود تباہی پارایے میں، میں کیا کروں گی؟“ فاریہ نے پریشان ان انداز میں اپنا مسلمیان کیا۔

”مات تو تمہاری بھی محیک ہے میر.....“ قمر جہاں پر سوچ انداز میں پچھہ کہتے ہوئے رک گئی۔

”میر کیا قمر؟“ فاریہ نے اسے جیزہ ہوتے ہوئے دیکھا۔

”فاریہ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ رضیہ بی بی اس گھر سے جلدے کسی راز سے واقف ہیں اور وہ شبنم بھی اس تصویر والی نیلم سے بے حد مشاہدہ رکھتی ہے۔ کیا ان اندازوں کے بعد بھی تمہیں بی جی کو رضیہ بی بی سے ملوانے کے لیے لے جانا چاہیے؟“ قمر جہاں نے اپنے اندازوں کا اطمینان کیا۔

”میں نے بھی سوچا تھا اس حوالے سے مگر قرآن نہیں توکل۔ کبھی نہ کبھی تو وادی کا سامنا ان لوگوں سے ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ رضیہ بی بی کا اس گھر کے لوگوں سے کیا اعلان ہے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے صرف حادثے شادی کرنی ہے اور اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑا تو میں کروں گی۔“ فاریہ اسی لمحے میں بولی۔

”لیکن فاریہ نہ جانے مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں ابھی بی جی کو وہاں نہیں لے جانا چاہیے۔“ قمر جہاں ایک بار پھر اسے سمجھانے کے غرض سے بولی۔

”قری..... اگر میں نے آج یہ قدم نہیں اٹھایا تو پھر شاید کبھی ناخاکوں۔ پاپا میر ارشاد اس شخص سے کرچکے ہیں اور جلد ہی شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔ نہ جانے حادثے کی کیا کو وہیں آئے۔ میں کتنا نائم لگے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے۔ بہت جلد کرنا ہے۔“ فاریہ کی بات پر قمر جہاں بھی اثبات میں سر ہلاکی۔ وہ اس کی طرف سے پریشان ضرورتی مکر کہیں نہیں وہ یہ

بھی جانتی تھی کہ فاریہ جو بھی کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اس شام وہ صبیحہ بیگم کو لے کر حاد کے گمراہ پہنچنی گئی تھی۔

”پرانیں حاد بابا بھی کب آئیں گے؟ اتنے دن ہو گئے کوئی راطڑ بھی نہیں کیا۔“ رضیہ بی بی آج کافی اداں تھیں، بے شک گھر بہت بھرا ہو نہیں تھا پھر بھی اس گھر کے نقوش نے بھی بھی، پچھے دنوں کے لیے بھی گھر سے یا ہر قیام نہیں کیا تھا۔ فیر وہ سُن کی موجوں گی حاد اور شبنم کی شراریں، ان کی چھیٹ خاتونوں سے گھر میں ہر وقت رونق لگی رہتی تھی اور اب جب وہ سب ہی پہاڑ موجود نہ تھے تو رضیہ بی بی کوی گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ ویسے تو حاد تقریباً روز ہی ان سے کال پربات کرتا تھا گھر پچھلے دنوں سے وہ بھی نہ جانے کہاں غائب تھا۔ رضیہ بی بی ان سب کو یاد کر کے اداں ہو رہی تھیں۔

”اب جب کال آئے گی حاد بابا کی تو میں کہوں گی کہ میٹا تمہاری اماں بی کام لوگوں کے بغیر، جی گھبراتا ہے، اس لیے اس جلوٹ آؤ۔“ رضیہ بی بی انہی پاتوں کو سچتے ہوئے تمام کام سے فراقت حاصل کر کے پنجھدیوں کے لیے آرام کرنے کی تھیں سے بستر پر رداز ہوئی تھیں کہ ہونے والی قتل نے انہیں بڑی طرح چونکا دیا۔

”اوہ... بھی اس وقت کون آگیا؟“ وہ بڑیدا تے ہوئے کمرے سے نکلیں۔

”بی بی جی فاریہ بی بی آئی ہیں کی خاتون کے ساتھ۔“ ملازم جو چلے ہی دروازہ کھول پکا تھا انہیں آکر مطلع کرنے لگا۔ ”اچھا نٹھیک سے تم چائے پانی کا انتظام کرو میں جا کر رہتی ہوں۔“ رضیہ بی بی ملازم کو ہدایت دے کر ڈر انگر روم کی بیان پھریے کے اپنے ساتھ یہاں لے آئی؟“ وہ پریشانی سے سوچے لکھیں۔

”بی بی جی میں نے انہیں ڈر انگر روم میں بخادیا ہے۔“ ملازم نیکیں بتانے لگا۔ ”اچھا نٹھیک سے تم چائے پانی کا انتظام کرو میں جا کر رہتی ہوں۔“ رضیہ بی بی خوش ہوتے ہوئے گھر پر نہیں

چانپ بڑھنے ہی گئی تھیں کہ اپا نک آنے والی فون کاں نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

”پہلو میٹا حاد اچھا ہوا تمہارا فون آگیا۔ آج تمہاری بہت یاد آ رہی تھی۔“ رضیہ بی بی خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

”ہاں میں نٹھیک ہوں، سب خیریت ہے، تم بتاؤ سب کیے ہیں، ارسل بابا، صاحب جی اور شبنم؟“ وہ اشتیاق سی پوچھنے لگیں۔

”اچھا میٹا فاریہ آئی ہوئی ہے۔ ملازم نے بخادیا ہے ڈر انگر روم میں کھر رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی خاتون بھی ہیں۔“ رضیہ بی بی نے اسے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔ ملاقات کرنے آئی ہیں اس کی دادی۔“ رضیہ بی بی متوجہ ہوئیں۔

”نٹھیک سے میٹاں جا کر لیتی ہوں ان سے ہاں پھر بتاؤں گی جھیں۔“ وہاے مطمئن کرتے ہوئے بولیں۔

”فاریکی دادی۔“ فون کریڈل پر کھکھل کر وہ پریشانی سے بڑیدا ہیں۔ ان کی آنکھوں میں بھسن تیر رہی تھی۔

”فاریہ... مجھے بھی تمہاری بھجنیں آتی، جب حاد اپنی فیملی کے ساتھ ملک سے باہر ہے تو مجھے تم پہاڑ کس سے ملوانے لائی ہو۔ ان ملازموں سے؟“ ملازم انہیں ڈر انگر روم میں بخا گیا تھا۔ گھر میں دیرانی محسوں کرتے ہوئے صبیحہ بیگم نے سوال کیا تو فاریہ نے انہیں بتایا کہ حاد اور اس کی فیملی ملک سے باہر ہے ان دنوں۔ صبیحہ بیگم اس بات پر سخت خفا ہوئیں۔

”دادی حاد کی فیملی بھلے ہی باہر ہے مگر اس کی اماں بی بھی ہیں۔“ فاریہ نے بھجھتے ہوئے بتایا۔

”اماں بی پر کون ہیں جہاد کی والدہ؟“ صبیحہ بیگم نے چوکتے ہوئے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

”تمہیں جہاد کی والدہ کا اس کے بچپن میں ہی ایک حادثے میں انقال ہو گیا تھا۔ اماں بی نے ہی پھر ارسل اور جہاد کی پروش اور تربیت کی۔ فاریہے مجھ تھے تفصیل بتائی۔“

”ہونہ بھے.....“ صبیحہ بیگم نے سہلانے پر آکھنا کیا۔ فاریہ بھی خاموش تی بیٹھی رہی۔ کہیں نہ کہیں، کوئی بات اسے بھی پریشان کر رہی تھی۔ رضیہ بی بی کا پرسار انداز، شبنم، اور بخت خاندان کا ماضی یہ تین کشیاں اگر آپس میں میل کھاتیں تو یہ فاریہ کے لیے کچھ اچھا نہیں تھا۔ مگر دلوار کے فیصلے کے بعد وہ بخت مشکل میں پھنس گئی تھی مگر صد شکر کہ یہاں آنے سے قبل اس کی جہاد سے کال پر بات ہو گئی تھی۔ اس نے اسے ساری صورت حال تباہی تھی۔ تمام تفصیل جان کر اس نے بھی فاریہ کو اس کی دادی کی ملاقات اماں بی سے کروانے کا مشورہ دیا تھا۔ جہاد نے پہلی کہا تھا کہ وہ اماں بی کو بھی فاریہ اور اس کی دادی کی آمد سے مطلع کر دے گا۔ جہاد سے بات ہونے کے بات فاریہ کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔

”اسلام علیکم!“ رضیہ بی بی نے ذرا انگر روم میں داخل ہوتے ہوئے پر وقار انداز میں مسلم کرتے ہوئے ان دنوں کو اپنی جاذب متوجہ کیا۔

”اسلام علیکم اماں بی۔“ فاریہ قوراء اللہ کھڑی ہوئی۔

”یہ میری دادی ہیں، آپ سے ملاقات کی غرض سے آئی ہیں۔ جہاد نے یقیناً آپ کو بتا ہو گا۔“ فاریہ نے انہیں صبیحہ بیگم سے متعارف کر دیتے ہوئے کہا۔ رضیہ بی بی کی نگاہ صبیحہ بیگم کے بار عرب وجود پر ٹھہری گئی تھی۔

”صبیحہ بیگم صاحب۔“ انہیں ایک لمحہ لگا سامنے ایک کفر سے پیشی اور یہ عمر گورت کو پہچاننے میں۔ یہ چہرہ تو انہیں اکثر خوابوں میں ستیا کرتا تھا۔ وہ اس چہرے کو کھلا بھول گئی کیے سکتی تھیں۔ لمحوں میں ان کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ ایک زمانے بعد ان کا سامنا آج چاہا بک صبیحہ بیگم سے ہوا تھا۔ وہ ان سے جب آخری بار بھی تب رب ودبے کا کیا ہی عالم تھا اور آج ان کا جسم نبنتا کافی گزر ہو چکا تھا۔ چہرے پر بھی زمانے کے نشیب و فراز جھریوں کی کل میں نظر آ رہے تھے۔ البتہ رب ودبے وساہی تھا۔ صبیحہ بیگم بھی سامنے کھڑی رضیہ بی بی کو دیکھ کر بری طرح چوک کیں۔

”تمہارا چہرہ و شناسا سامنے ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں برسوں سے جانتی ہوں۔“ صبیحہ بیگم بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی چک ابھری گئی۔ فاریہ ان دنوں کو دیکھ کر تجھبی بوی۔

”آہ..... آپ وہ لوگوں ایک دوسرے کو جانتی ہیں؟“ مگر وہ دنوں خواتین فاریہ کی بات کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

”آپ کو مجھے پوچھنے میں مشکل پیش آرہی ہے مگر میں آپ کو پہچان چکی ہوں۔ بیگم صاحب۔“ رضیہ بی بی نے عجیب سے لمحے میں کہا۔ ان کی بات رضیہ بیگم بھری طرح چوکیں۔

”یہ اندرا تھا طب مجھے پچھے جانا پہچانا سالگہ رہا ہے تم کہیں۔..... تم رضیہ تو نہیں؟“ صبیحہ بیگم کے لمحے میں ہزار اندیشے چھپے ہوئے تھے۔

”بالآخر آپ نے مجھے پہچان ہی لیا۔ بیگم صاحب۔“ رضیہ بی بی کے چہرے پر اس تہرا ایسی مکراہٹ پھیل گئی۔

”رضیہ تم ایتم ہو؟ آج ایک مدت بعد وقت نے تمہیں بھر سے میرے سامنے لاکھڑا کیا۔“ صبیحہ بیگم نے کفر بھرے لمحے میں کہا۔ ان دنوں کی ذمہنی گفتگو نے فاریہ کو بھی حرمت میں جتنا کردیا تھا۔

”یوں نہیں بیگم صاحب کہ وقت نے آج ہم دنوں کو ایک دوسرے کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔“ رضیہ بی بی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

”یوں وقت بڑا خالم ہے، تمہیں خوف نہیں محسوس ہو رہا اس ملاقات سے رضیہ؟ ہمارا تعلق باضی میں کوئی شاندار تو نہیں رہا۔“ صبیحہ بیگم نے طنزی انداز میں رضیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”خوف تو محسوس ہو رہا ہے مگر باضی سے نہیں آئے والے کل سے۔“ رضیہ بی بی نے فاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ صبیحہ اس بات پر بڑی طرح جو گلیں۔ پرانے تعارف نے تو نئے تعلق پر سے ان کا دھیان ہی ہٹا دیا تھا۔

”میں نے جس دن فاریہ کو اس سازی میں ملبوس دیکھا تھا اس سے ہی ما تھا اُنکے گیا تھا اور پھر آپ کی پوتی اس کی تصویری لے آئی تھیں صاحب۔ میں تو اس دن سے ہی خوف کا شکار ہوں کہ بخت خاندان کی لڑکی کا اس خاندان سے تعلق جتنا کیا کسی قیامت سے کم ہو گا؟“ رضیہ بی بی آج صبیحہ بیگم کو سامنے پا کر خل کر بات کر رہی تھیں۔ فاریہ دیگر کسی انہیں دیکھ رہی تھی۔

”بخت خاندان کا جو بھی معاملہ ہے وہ تم سے ہے رضیہ اور تم محض بچوں کی نگران کی حیثیت سے اس گھر میں ہو پھر قیامت کا کیا ذکر؟“ صبیحہ بیگم نے بھیں سے بولیں۔

”معاملہ تو بے انتہا تھیں ہے تھیں صاحب، آپ کے خاندان کی ایک نشانی میرے پاس ہے۔ نیلم نے مرنے سے پہلے اپنی امانت میرے حوالے کی تھی اور آج نیلم کی تھی اس گھر کی جان سے خود بوجیں تھیں صاحب، یہ بات اگر آپ کے پیٹے کو پتا پالتی تو کیا قیامت کھڑی نہیں ہو جائے گی۔ وہ تو اس بات سے بھی انجان ہے کہ نیلم سے اس کی کوئی اولاد تھی تھی۔“

رضیہ بی بی نے فاریہ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا تو صبیحہ بیگم پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔

”اس کی بیٹی.....! اس کی آخری نشانی وہ یہاں ہیں؟“

”ہاں وہ یہاں ہے تھیں صاحب، میرے پاس۔“ رضیہ بی بی نے زور دے کر کہا۔

”آپ لوگ کس کی بات کر رہی ہیں، کون ہے نیلم، کیا تعلق ہے اس کا پاپا سے؟“ فاریہ بڑی طرح بھی، چھے ہوئے لپجھ میں بول رہی۔

”تمہارے باب پی دوسری بیوی تھی نیلم..... تم اس تصویر کے بارے میں جانتا چاہتی تھیں ناں کوں ہے یہ..... تو آج جان لو وہ تصویر تمہاری سوئیکی مال نیلم کی تھی۔“ رضیہ بی بی نے بھی سپاٹ لپجھ میں جواب دیا۔

”نیلم میری سوئی مال.....!“ فاریہ کو لگا اس پر آسمان اٹوٹ رہا ہے۔

”طوانف تھی وہ..... اپنے زمانے کی مشہور طوانف۔“ صبیحہ بیگم بڑی طرح جیجھ اٹھیں۔

(ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ماہ)



یادوں کی سنتا

آرزو احمد

بلاش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ یوں لگا رہا
تھا کہ آج سارا سمندر برس جائے گا، سورا کے دل کا بوجھ بھی
بڑھتا جا رہا تھا اتنا کہ آنسو سمندر کے بھاپ کی طرح
آنکھوں میں جم سے گئے ہوں۔ جانے کیوں آج یہ
برسات پر پانی کا شوراں کے دل کو بہت بے چین کر رہا تھا۔
باہر کی تاریخی اور برستا پانی بالکل زندگی میں چھاپ سکوت کی
کسی کی زندگی رکی نہیں، ہمیشہ چلتی رہی۔ سورا کی زندگی بھی
اس کے جانے سے رکی نہیں تھی ہاں مگر زندگی کو جینے کے
انداز پر دل گئے تھے، اب وجود کے اندر سب کچھ خالی ہو چکا
لاشوری طور پر سورا اپنی کی احتشادیوں میں کھو گئی،
بہت پہلے جب دل ایک آس کے ساتھ وہ مرناتھا، خاموش
نظریں اور جاہد لب ایک انجانی خوشی کے ساتھ ساتھ تھے،



زنگی اسے بھی حسین لگی تھی۔

ناراض ہو گئی۔“

رات کے تین بجے تھے سوریا نے کھڑکی کا پردہ جو دعا سامنہ کا دیکھا تو باہر کا مظہر ہی عجیب اور لکھ تھا اسے ایسا مجھے دلی و دیکھنا چاہتے ہو افی؟“ سوریا کی آنکھوں میں اللہ آنے والے نوشاید اسفندیار کو نزد وہ بنا شیخے جب تک اس نے اپنی نظریں پھیر لی تھیں۔

”بیدات اتنی طویل کیوں ہو گئی ہے بالکل پیر سے انقدر کی طرح؟“ کھڑکی کے ساتھ لگ کر سوریا استقلل ہی سوچ ناٹے کاراج تھا لگتا تھا جیسے یہاں سے آج تک کوئی گزرا نہ ہوا بلکہ سوریا کے دل کے ناٹے جیسا جہاں سے ابھی ابھی کوئی گزر کر چلا گیا ہے بنا بتائے کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے؟ ابھی دعویاء لے گا بھی یا نہیں؟ سوریا کی نظریں اس دیران مرک پر چمٹتی تھیں۔

“تمہیں بارش کیوں اتنی اچھی لگتی ہے؟“ اسفند نے اس طوفانی بارش میں سوریا کو سکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”اُرے تمہیں اچھی نہیں لگتی کیا؟“

”بس کوئی خاص نہیں، لگتا ہے رہ جیز رو رہی ہو۔“ اور اسفند کے اس غیر متوقع جواب نے سوریا کو بہت حیران کر دیا تھا۔

”محظتو بہت پسند ہے بلکی بھلکی، بندلاندی رہ جھمکر تھیں دل کو خوش کرتیں برسات کی جھڑی میں تو بہت انبوحائے کرتی ہوں۔“

”لہلہا... اچھا تو کیا میرے بعد بھی ایسے ہی بارش انبوحائے کرو گی؟“

”میں تم کو کیسی لگتی ہوں افی؟“ سوریا کے اس

اجاک سوال پر اسفندیار جو اس وقت اپنی سوچوں میں اچھا چونکے گا۔

”بہت اچھی لگتی ہو یا۔“

”اچھا لگتی اچھی لگتی ہوں؟“

”الفاظ میں بتانا مشکل ہے شاید میری آنکھوں میں اکھا

”اورا گر بھی اداں ہو گی تو پھر کیا کرو گی بارش میں؟“ اسفند کا سوال اور اس کی آنکھوں کی اداہی سوریا سے چھپی نہیں تھی لمحہ بھر کوہو ہی اداں ہوئی۔

”یہ کیا باتیں لے کر بیٹھے گئے ہو افی۔“ وہ اب ناراض ہو گا۔ لہلہا...“

”اُس ساری باتیں تمہاری آنکھوں میں لکھی ہیں زبان ہوئی تھی۔“

”ارے میں تو مذاق کر رہا تھا یا تم تو جج میں سے تو تم کچھ کہتے ہیں ہو۔“ سوریا نے منہ بود کے گھوٹکے کیا۔

رہی تھی۔

اس کی اس ادا پر اسفندیار کا قہقہہ گنجائی۔

”وہ گاؤں واپس چلا گیا ہے میٹا۔“

”مگر کیوں ابی، اسے تو یہاں رہنا تھا پاپا کیریہ رہنا تھا وہ کیوں چلا گیا ابی؟“ سویرا کی پرمنام کھیس اس کے دکھ اور غم کی بھرپور عکسی کر رہی تھیں۔

”ایک بہت پرانے وعدے کی پاسداری کے لیے اسے جانا پڑا ہے، بھائی صاحب (اسفندیار کے باہم) نے مرنے سے پہلے اس فندی کی بات پکی کردی تھی اپنے بھائی کی بیٹی سے اور ابا کو تم دی تھی کہ وہ اس رشتے کو کامیاب بنائیں گی اور ان کی قسم کا احترام کریں گی لیکن آج اس فندی یہ عہد نجات کے لیے گاؤں گیا ہے اور شاید بھی واپس نہ آئے تم اس کو بھول جاؤں۔“ انہوں نے صاف گفت اسے بتایا، وہ مال تھیں سویرا کے دکھ کو جان گئی تھیں مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اس فندیار کا انتشارے کاربے وہ بھی واپس نہیں آئے گا، وہ پہلے صرف اپنی بڑھاٹی کی بھیل کی خرض سے خاص اجازت لے کر آتھا پڑھاٹی مل کر کے وہ واپس گاؤں آئے گا اور اپنے بیبا کا عہد نجاتے گا اس کے دل کو بھی اسکا بخوبی کہ محبت کاروگ لے کر جائے گا واپس اور ساتھ میں کسی کو یہ روگ دے کر بھی جائے گا۔

”ایک بار وہ مجھ سے مل تو لیتا امی۔“ سویرا تھکے ہوئے انداز میں صوف پر بیٹھ گئی جیسے وہ اپنا سب کچھ ہار چکی ہوئے بخوبی میں محبت لی جا گی اس کے دل میں لگی تھی اب اس کی آنچ سے اس کا پورا جو جھلک رہا تھا وہ تو یہ سوچ سوچ کر نہ ہال ہو رہی تھی کہ جس شخص کو اس نے اتنا چاہا، اس نے اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اس سے مل ہی لیتا محبت کی لگی آگ میں تو وہ جل ہی رہی تھی ساتھ ہی بدگمانیوں نے بھی اس کے سکل میں جگہ بنا لی تھی۔

”اگر وہ چاہا انتشار کرتا تو ام سے مل کر جانا چاہتا تو شاید وہ واپس نہیں چاہتا ہے۔“ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا تے ہوئے سویرا کی ابی نے پیدا چاپی بیٹی کی طرف دیکھا۔

”کیا کہہ دیں ابی آپ، افی کیوں چلا گیا؟“ سویرا

جو بھی ابھی کانع سے آئی تھی اس فندیار کے کمرے کو خالی پا کر اپنی ابی سے اس کے بارے میں فکر مندی سے پوچھ

اگر ایک طرف محبت کرنا آسان ہے تو دری طرف اس کو پاتا ہے مشکل بھی ہے جو جاتا ہے بھی بھی، مگر یہ اختیار میں نہیں ہوتا کسی بھی انسان کے اور اسفندیار کسی ایک انسان تھا اس کے سینے میں بھی دل تھا ویلات، ”رس و واجہ زبان کی پاسداری، عہد، قسم ہر چیز سے میرا ایک انسانی دل تھا جس میں احسان تھا، پیدا تھا، محبت تھی، اس بگل نہ کھٹسی لڑکی سویرا کے لیے جو اس کی خالہ زاد بھی تھی اور اس کی محبت بھی مگر مجروریوں کی کچھ بیڑیاں اس کے بیروں سے ایسے لپی ہوئی تھیں کہ وہ اپنی چاہت کا اظہار کرنے سے قاصر تھا۔

نہ جانے کیوں آج کی یہ برسات اور رات کی خاموشی سویرا کی روح نکل پڑھا گئی تھی، تھوڑی دیر پہلے ہونے والی مدھم سی روشنی، ذرا سی پھر پہلی سب محدود ہوئی تھی اب بالکل جلد خاموشی چھانی ہوئی تھی، ہر طرف سویرا کے دل کے سارے سے تاریک اور خاموش تھے۔

چار بیتے والے تھے تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی مگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ رات تو ابھی شروع ہوئی ہے، انتظار تو بھی شروع ہوا ہے، اس آج بھی یاد تھا کہ رات کے سارے بھروسے گھروالے ہو جاتے تھے تو اس کی آنکھوں کے دیے رہن ہو جاتے تھے۔ اس فندیار اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اکثر راتوں کو سویرا سے گھٹوں با تین کیا رہتا تھا اور رات کیسے گزر جاتی تھی دلوں کو پچھے ہی نہیں چلتا تھا، کیسی حسین ساعیں تھیں وہ انجام، بعد خبر تھے اس بات سے کائنے والا وقت اسے ساتھ جدائی کا دکھلانے والا تھا، یہ سب سوچ کر سویرا کی آنکھوں کی برسات بھی تیز ہو گئی۔۔۔ باہر ہونے والی برسات شاید کچھ قسم کچھ تھی مگر اب گمراہت نے اس کے دل میں جگہ لے لی تھی۔

”کیا کہہ دیں ابی آپ، افی کیوں چلا گیا؟“ سویرا پا کر اپنی ابی سے اس کے بارے میں فکر مندی سے پوچھ

کہ اس میں کیا ہے،“ وہ غائب دماغی سے اس لفافے کو پھر سے نانے لگتے جن میں دل کی خوشی کے بے شمار لمحقیت تھے۔

اجاگنک ہی سورا کی نظریں ان تصویریوں کے درمیان

اس خالی لفافے پر نی جس کو اس نے سالوں پہلے بغیر پڑھے ہی رکھ دیا تھا۔ سورا وہ لفافہ ہاتھوں میں لیے واپس را کنگ چیز پر آ کر بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کام اج اتنے سالوں بعد اب وہ اس میں کامی خرچ کو پڑھ سکے گی یا نہیں گو کہ اج اس کے لیے یہ بات بہت مشکل تھی مگر وہ یہ بھی گرفتار تھا۔ ساختہ ہی پرانی ڈائری بھی اس کے خرچ کو پڑھنا ہو گا۔ ساختہ ہی کہ ایک ناکی دن اسے اس لفافے میں رکھی اس سانے ہلی ہوئی رکھ تھی کہ جس میں اس نے اسندیدار سے دل کھول کر ٹھکرایتیں کی تھیں، اپنے ٹوٹے ہوئے دل کی ساری داستان قم کی تھی، اس آس پر کہ شاید ایک ناکی چھپی یہی تھی بھی، سورا محبت کرتی تھی اسندیدار سے اور کھل کر اظہر بھی کر دیا کریں تھی جس کو اسندیدار بھی نظر انداز کر رہتا تھا، بھتی تھی کہ شاید اس کو اس اظہر کے لیے کچھ وقت دکار ہے مگر وہ غلط عقی وہ تو بس فرار حمل کر رہا تھا اس آج بھی اسندیدار کی منتظر تھیں کہ کاش وہ آگھصیں یہ سب کچھ پڑھ لیں، ان خروں کا ایک ایک جملہ ان انگلیوں کی پوروں کے لس کے لیے منتظر تھا جن کو بہت آس کے ساتھ سنبھال کر اس کا نکار کرنا ہوا تھا۔

کرہاب عملی ہار کی میں ذوب پکھا تھا اور ادگر وہی ان یادوں کے چکنچک رہے تھے جو سورا کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ آج مدت بعد کا نیچے ہاتھوں سے سورا نے وہ لفافہ چاک کیا جو اسندیدار جاتے ہوئے اس کے لیے چھوڑ گیا تھا، آس سے بھری آنکھوں میں جلن تی پیدا ہوئی یہ تیک کر کے اس میں ایک خط تھا جو اسندیدار نے اس کے نام لکھا تھا۔

بھی محبت ایک نادانی ہوتی ہے، کبھی ایک امید، کبھی تھکنی، کبھی بے کسی نوجانے کتے رک ہوتے ہیں اس محبت کے جو ایک انسان وہ سر انسان سے کرتا ہے سورا کھل میں بھی جب اسندیدار کی محبت یہی ہے اس کی تھیں جو تھیں جو تھیں، دعاوں کے ملے جملے بازگشت کرنے لگے امیدیں، تصویریں ان گزرے ہوئے ہوں کے تند کرے اور رو دلا

محبت ہر ہی نوع انسان کے لے ایک آفاتی جذبہ ہے چا بجھے اس کو حاصل کر سکیا تا کام ہو جائے مگر یہ انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور انسان بے بس اور مجبور ہو کر اس کے دام میں پھنس جاتا ہے سورا اور اسندیدار بھی اس حادثے سے دچا ہو گئے تھے، جس کو محبت کہتے ہیں، ساری مجبوریوں اور سچائیوں کے باوجود ایک دمرے کی محبت میں گرفتار تھا اسندیدار کو بیبا کی زبان کی پاسداری کرنی تھی اسی لیے اس نے یہ محبت اپنے دل میں ہی چھا کر کھی تھی مگر یہ آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں سورا کی طرف اشتنے والی نظریوں میں یہی بھی محبت کی لو جلتی تھی اور یہ دشی سورا سے چھپی یہی تھی بھی، سورا محبت کرتی تھی اسندیدار سے اور کھل کر اظہر بھی کر دیا کریں تھی جس کو اسندیدار بھی نظر انداز کر رہتا تھا، بھتی تھی کہ شاید اس کو اس اظہر کے لیے کچھ وقت دکار ہے مگر وہ غلط عقی وہ تو بس فرار حمل کر رہا تھا آج بھی اسندیدار کی منتظر تھیں کہ کاش وہ آگھصیں یہ سب کچھ کہ سے کہ سمندر میں وہ مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔



وہ آس سوؤں سے لبریز آنکھیں بند کیے را کنگ چیز پر اپنے سر کرا کر رہی کی یادوں میں گم تھی جو ماحول پر چھائی اس نیم باری کی طرح اندر ہیرے میں ڈوبیا ہوا تھا۔ نہ اسے اچانکے کی فکر تھی، بس وہ اندر ہیروں میں یادوں کو کر دیرہ تھی۔ اچاکنک ہی اس نے اپنی آنکھیں ہو ہیں اور وہاڑ میں سے پرانی ڈھوندی بھائی جس میں وہ اکثر تجھائی میں اپنے دل کی ہر بات لکھ دیا کرتی تھی، سائیڈ بیبل پر کھے لیپ کو روشن کیا تو اس کی روشنی اس کے گرد طواف کرنے لگی ڈائری کے ساتھ اچاکنک برانی الہم بھی نکل آئی اور ساری پرانی تصویریں ابھم سے نکل گرفتیں پر بھر لئیں، سورا کی نظریں ان تصویریوں پر جسمی آنکھیں جو گزرے ہوئے ہوں کی کہانی سا رہی تھیں، ایک دم سے ہی سورا کے کانوں میں وہ قنقبھے امیدیں، دعاوں کے ملے جملے بازگشت کرنے لگے ایک دم سے ہی سورا کے کانوں میں وہ قنقبھے یہ تصویریں ان گزرے ہوئے ہوں کے تند کرے اور رو دلا

ریگ میں چاہے گا تھا جگزے ہوئے تو قوں کے ساتھ وہ اتنا ضرور جان لئی کہ محبت بس نے بس لے اچار اور مجرور ہوا کرتی ہے ورنہ دنیا میں ہر ایک محبت کی کہانی کا انعام ہمیشہ ایک سا ہوتا ہے ہبھی بھی محبت میں جدائی نہیں آتی، فیکنیں آتی ہے دھکا ملاں نہیں آتا۔

"سویرا.....!

نہیں جانتیں یہ وہ واحد بات ہے جو میرے دل کو ملوں نہیں کرتی کہ میں نے تم سے اس وقت محبت کا اظہار نہیں کیا اگر میں اس وقت تم سے محبت کا اظہار کر دیتا اور بعد میں اپنی مجرور یوں کے لئے ہدایاتا تو زندہ نہیں رہتا لیکن مرتوا ج بھی گیا ہوں جیتے ہیں مگر تم کسون سے جو اگر جوچ میں رہ جاتا تو تم خود کو کیسے سنبھالیں ویرا۔

اچھا ب اتنا مرد رہا، تمہیں اب خود کو سنبھالنا ہے، ہر حال میں، میں جانتا ہوں نہیں بھیں مجھ سے بہت ٹکوہ لوگ لے ہے اور وہ سب بجا بھی ہے اور مجھے ساری زندگی اس کی سزا بھی تو قیلی ہم سے الگ ہوئی ہم سے جدا ہو کر

بھی بھی محبت انسان سے خراج ملتی ہے، محبت کی سچائی کا اس کے یقین کا، اس کے ہونے کا اور انسان کو یہ خزان ج دینا ہوتا ہے بڑا ہاتھ میں، مجھے بھی بھی یقین نہیں تھا کہ میں یوں اچا ٹک کی سے محبت کر دیتھوں گا لیکن تم سے محبت ہو جانے کے بعد یہ دنیا میرے لیے کی جنت سے کم نہیں۔ مجھے تمہاری محبت نے ہمیشہ ایک قوت اور حوصلہ دیا ہے تا جانے کیوں میں خود کو بہت طاقتور اور مضبوط تصور کر کتا ہوں مجھے لگتا ہے کہ میں کی محتاج سے گزر جاؤں گا صرف اور صرف تمہاری محبت کے ساتھ، یقین کرو یا میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا مجھے معلوم ہے تم میرا یہ خط بہت عرصے کے بعد پر ہو گئی کیونکہ تمہیں غصہ جو ہے، مجھ پر اور ٹھیک بھی ہے تمہارا حق ہے گرل پلیز میری طرف سے پدمگان مت ہو، جو دراست میں نے چنان تھا، میرے اندر موجود انسانیت کی بیقا کے لیے، بہت ضروری تھا، تمہاری محبت تو میرے دل کا آج بھی اجالا ہے مگر میرا وہ فیصلہ کی کی زندگی میں روشنی کا وسیلہ تھا، اسی لیے میں نے اس وقت اسے دل کو خاموش کر دیا تھا کیونکہ کسی کی زندگی کو بے؟ وہ انکھوں کے ساتھ خط پر نظریں دوڑانے کی۔

"کاش محبت کرنے والا بھی مجرور نہ ہو، مجھے آج تمہارے سامنے اپنی مجرور یوں کا ذکر کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے سویرا کیونکہ میں نے سوچا نہیں تھا کہ میں اتنا بے بس اور لاجاڑ بھی ہو سکتا ہوں، تم بھی پہنچنیں کیا سوچ رہی ہوئی میرے بارے میں کا آخری سی عجیب محبت ہے میری مگر تم

تکلیف ہوئی تھی مگر اس وقت دل سے زیادہ دماغ کی سنتا
 بہتر تھا کیونکہ میرے اس فیصلے سے بس میرے دل کی دنیا
 اجر رکھی تھی اور اس کے بدلتے بہت سے لوگوں کو خوشی اور
 سکون میں رہا تھا۔
 سو یا اگر میں اس وقت فیصلہ نہیں کرتا تو پھر صدر سے
 عہد، زبان کی پاسداری سے لوگوں کا یقین ختم ہو جاتا پھر کوئی
 شخص میں میں پاتا یہ سوچ کر کہ اس کے پیچھے
 اس کی اولاد کا کیا ہو گا، بہر حال یہ عہد اور فتح میں انہیں لوگوں
 کی فساداری ہوئی ہے کہ جن پر بھروسہ کیا جاتا ہے، میں دنیا
 میں خوش رہنے کی خاطر پیٹھ مرے ہوئے باپ کا بھروسہ
 کیسے تو سوتا سویرا۔ سو یا یہ تھا نسوان کے ساتھ افسندیار کی
 وہ ساری یا تمیں پڑھ رہی تھی جس سے وہ اتنے عرصے تک نہ
 آشنا رہی تھی اور اس نے مجھے افسندیار کے بارے میں
 کیا کیا سوچ لیا تھا تھا مگر آج افسندہ کا خدا پڑھ کر اور اس کیا یہ
 قربانی کو کہ کر جو اس نے دھروں کی خوشیوں کی خاطر دی تھی
 اس کی اقدار آج سویرا کیلیں میں اور بھی بڑھ رہی تھی عشقی محبت
 وہ اس سے اس وقت کرنی تھی آج وہ محبت دی گئی تھی۔

”شایدی کی وجہ تھی اسی کیسی آج بھی سمجھیں بھلانیں
 سکی، لاکھ لاکھ شکے باوجو تھماں تصویر اور تھماری یاد میرے
 ذہن سے مٹ گئیں اسکی، میں سمجھیں خود غرض اور دکھ بارز
 بھجتی تھی خود ہی سے میں نے یہ سب کچھ سوچ لیا تھا آج
 تک کسی اور سے بھی تھمارے یوں اچانک حلے جانے کی
 وجہ نہیں پوچھی کرتی پاگل بھی میں سمجھیں کیا سمجھتی تھی اور
 تم ہم تو میرے تصور سے بھی زیادہ اچھے نہ لکھ۔“ نماز گھومنا
 کے ساتھ سویرا کے خذنوں پاپ سکراہت تھی اس نے خط
 کے درمیان سخن پر نظریں دوڑا میں۔

”خود کو تم سے جدا کر دینا آسان نہیں تھا سویرا مگر میں یہ
 بھی کر گزار۔“ سویرا اب باتی کی تحریر پڑھ رہی تھی۔

”میں جب لاہور سے تم سے ملے بغیر واپس آرہا تھا تو
 میرے ساتھ صرف اور صرف تھماری محبت کی دہانی دیکھی
 طاقت تھی جو مجھے اس راہ پر چلنے کا حوصلہ رہی تھی مجھے
 نہیں کر رہا مجھے بھی میرے اس فیصلے سے بہت دکھ اور

تھا اور پچھا جان کی کافی رُخی ہوئے تھے جن دنوں وہ اپنال
 میں تھا ان دنوں انہوں نے بیان سے وحدہ لیا تھا شاید وہ جان
 گئے تھے کہ اب وہ زندگی کی بازی ہار جائیں گے اور پچھا جان
 کی معنودی میں لوگوں پوچھتے گا اسی لیے انہوں نے میرے اور
 سائزہ کے درستے کی بات کو اپنال میں ہی رکا کر دیا تھا اور بیان
 جان نے وحدہ کیا تھا کہ جیسے ہی افسندیار کی علیم مملکت ہوگی
 ان دنوں کی شادی کر دی جائے کی بات مجھے لامہا نے
 سے پہلے معلوم نہیں تھی اسے آخری تکسر سے پہلے جب
 میں گاؤں گیا تھا تو دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اماں سے
 تمہارے بارے میں ضرور بات کروں گا اور ان سے کہوں گا
 کہ جیسے ہی مجھے اچھی سی تو کری ملے اگر خال جان سے
 سویرا کا تھامہ مانگ لیجیا مگر مجھے یہ بات کہنے کی قبولت ہی
 نہیں آئی کیونکہ اس خود بہت بچتی سے میری منتظر ہیں
 کہ میں جلدی گاؤں آؤں اور سائزہ سے باقاعدہ نکاح
 کر کے چلا جاؤں کیونکہ میرے چیچھے گاؤں والوں نے
 یا تمیں کہا شروع کر دی تھیں کہ میں اب واپس نہیں آؤں گا
 اور اماں کو یہ خوف تھا کہ مرنے والوں کے دمیان جو عہد میں
 تھا وہ کہیں ختم نہ ہو جائے پھر اماں نے مجھے سارے معاملے
 سے آگاہ کیا اور سوال کیا کہ بینا کیا آج اتنے سالوں بعد تم
 اپنے سرے ہوئے باپ کے عہد کو قوڑوڑے گے؟ گاؤں والوں
 اور برادری والوں کے سامنے کیا تم اپنے بیان کو جھوٹا ثابت کر دو
 گے؟ میں اماں کی بات سن کر ترپ گیا، سوچا ایسا کیسے ہو سکتا
 ہے میں چاہتا تو تمہارے پاس واپس لوٹ آتا ہیش کے
 لئے خود خرض بنی جاتا مگر سویرا تم ہی تھا تو کیا میں بیان کی روی
 کو سمجھی کر کے اور اماں کو غم دے کر زندگی پھر خوش رہ پاتا، شاید
 نہیں گوئے خوش تو میں اب بھی نہیں ہوں تم سے جدا ہو کر ہاں
 مگر میری ذات سے دھروں کو ضرور خوشی اور اطمینان میسر
 آ گیا ہے خاص کر سائزہ کو جو اس بھری دنیا میں بیان کی صرف اور
 صرف میری صورت میں اپنا واحد سہارا دیکھ رہی تھی۔ اپنے
 لیے تو دنیا کا ہر انسان جیتا ہے مگر یہ بڑی بات ہے کہ کوئی
 دھروں کے لئے بھی جیئے، میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہرگز
 نہیں کر رہا مجھے بھی میرے اس فیصلے سے بہت دکھ اور

نہماں گا مگر تمہارے تصور اور تمہاری محبت نے مجھے بہت حوصلہ دیا تھا میں جانتا تھا سویرا کمیں دکھدے کر جارہا ہوں مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ حقیقت جاننے کے بعد تمدنی نہیں رہو گی اسی لیے میرے اس خط کو جلدی پڑھ لیا اور اس حقیقت کو بھی جان لینا تاکہ تمہارے بے میہن دل کو قرار آجائے اور میں خود سعف کرنے کی کوشش بھی کر سکوں گا۔ اس نہیں کی آخری سانس تک فرماؤں نہیں کر سکوں گا۔ اس کے ساتھ میں یہ کوشش بھی کروں گا کہ جو عبید میں مجاہنے کے لیے نکلا ہوں اسے ملک طور پر اچھی طرح بھاگوں، کوشش کروں گا کہ یہ احساس کی لوگوں نہ ہو کہ میں نے اپنی چاہت کی قربانی دے کر اس قسم کو بھایا ہے اور میں بھی جانتا سویرا کہ تمہیں ذمہ دار یوں سے بھاٹانے والے لوگ باکل اجھنہیں لگتے۔

ایک وعدہ میں تم سے بھی کرتا ہوں کہ میں یہ ذمہ داری اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرتا رہوں گا اور اپنی قربانی کو شائع نہیں کروں گا۔ تم مجھے اپنی دعاوں میں یاد کرنا پڑے کی طرح۔

تمہارا خطاط کار

اسفندیار

صح ہونے میں کچھ لمحے ہی رہ گئے تھے رات ختم ہونے والی تھی اور خط کے الفاظ بھی ختم ہو گئے تھے۔ آج اسفندیار کی وہ دل کی بات سویرا اُنکے پیش بھی جس کو سننے کے لیے وہ منتظر تھی، بہت دور سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھیں اور یہ احساس دلاری تھیں کہ حیات بھی کہیں باتی ہے۔

کمرہ ایک بار پھر روشن ہو چکا تھا، تھوڑی دیر پہلے جو بھلی چالی تھی وہ واپس آگئی تھی سویرا کے ہاتھ میں وہ خط اور ربانی ڈاڑھی بھی جو گزرے ہوئے ہاں سال کی خوبصورتی ہوئے تھی اندر ہرگز ایک بھی دھوکہ نہیں کھینچا۔

اور نیچے کری ہوئی دھوکوں سویرا جن کا جلا پین آج بھی دیساںی اور شایدیں اس معافی کا سخت بھی نہیں ہوں کیونکہ خطاط تو بہر حال مجھے ہوئی ہے، محبت کرنے کا جرم تو میں نے کیا ڈاڑھی کے اندر رکھ کر ڈاڑھی کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔..... اپنے کمر کے قریب کی سمجھتے اذان کی آوارہ ناشر و ہوئی تھی، باڑھ بھی قدرے کھلکھلی تھی، نمازیوں کی سڑک پر چل

نہماں گا مگر تمہارے تصور اور تمہاری محبت نے مجھے بہت حوصلہ دیا تھا میں جانتا تھا سویرا کمیں دکھدے کر جارہا ہوں مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ حقیقت جاننے کے بعد تمدنی نہیں رہو گی اسی لیے میرے اس خط کو جلدی پڑھ لیا اور اس حقیقت کو بھی جان لینا تاکہ تمہارے بے میہن دل کو قرار آئے اور میں خود سعف کرنے کی کوشش بھی کر سکوں ۔

میں سارے سے شادی کرنے کے بعد بھی شہر کے لیے بیرون ملک چلا جاؤں گا، میں میں دل میں تم سے ملنے کی خواہش صورت زندہ رہے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر بھی تم سے ملاقات ہو گئی تو مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کر سا پڑے گا کیونکہ تم اس وقت تک اس حقیقت کو جان جاؤ گی جو میں خود تمہیں نہیں بتا سکتا تھا۔ اب نہیں کے سارے لمحے سویرا کی آنے والی نہیں کے ساتھ جرگئے ہیں، وہ تحریر جو وہاں جسکے نہیں پڑھ سکی تھی اس کا ایک ایک لفظ اس کیستی کے ساتھ پورست ہو چکا تھا۔

برسات کی بریتی ساری بوندیں سویرا کے بیٹے آنسوؤں کے ساتھ ہی چھیڑیں۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ حوالے نہیں ہیں اب نہیں میں جن کی علاش میں اس کا الجلوس پیاس ہوا تھا، ناہی وہہ گز تھیں زندگی میں جن پر چلنے کو اس کا ہر ایک قدم بے تاب تھا۔ ناہو ساتھ ناہو ساتھی تھا جس کے ہونے سے زندگی مل کر گزرا تھی، ایسے تو انتشار کے سب استعارے بھی ختم ہو گئے تھے تھا میں تھیں، ناہو کہیں تھیں۔ زندگی میں بھی تو بس پر برسات تھی اور اب اس کے بعد کا سنانا ہو گا اور شاید اندر ہرگز۔

”میں تم سے نہیں کہوں گا سویرا کہ تم مجھے معاف کرو اور شایدیں اس معافی کا سخت بھی نہیں ہوں کیونکہ خطاط تو بہر حال مجھے ہوئی ہے، محبت کرنے کا جرم تو میں نے کیا ڈاڑھی کے اندر رکھ کر ڈاڑھی کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔..... بے تمہاری محبت کے جذبے کو اپنی روح تک اتا رہے میں نے، بدلے میں مجھے بھی کچھ نہیں ملا تمہاری طرح میں بھی تھی، باڑھ بھی قدرے کھلکھلی تھی، نمازیوں کی سڑک پر چل

پہلی بھی شروع تھی سویرا نے بھی اٹھ کر رناز کے لیے وضو کی، اداان کی آواز سماں عتوں میں گونج رہی تھی اور سویرا کے دل کو سکون ل رہا تھا۔

روتے ہوئے سویرا کی چلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے پوچھل ہوئی تھیں پول الگاتا تھا کہ جیسے ہج کی رات آنسوؤں کی بھی برسات ہوئی تھی مگر کسی نے یہ بات بالکل ٹھیک کیی ہے کہ غبار اور جس دل میں ہوئی آسمان میں برس جائے تو سب بالکل چھکا محسوس ہوتا ہے گزرے ہوئے دنوں کی بدگلی ایک غبار بن کر سویرا کے دل پر چھا گئی تھی لیکن آج استندیار کا خط پڑھ کر جس حقیقت سے وہ آشنا ہوئی تھی وہ اس کے دل کے بوجھ کو بالکل کر دینے کے لئے کافی تھا، آج جو آنسو سویرا کی آنکھوں سے بہت تھے اس نے سویرا کے دل کا غبار کر دیا تھا۔

پچھے دیر میں بالکل روشنی ہو جائے گی لوگ اپنی اپنی زندگیں میں صرف ہو جائیں گے سویرا کے ساتھی کافی حصہ اسکی زندگی کا آغاز کرتا ہے، دنادیں جو سویرا کے ساتھی کا حصہ جس اور وہ حقیقت جس سے وہ لرزشتہ رات آشنا ہوئی تھی وہ اب اس کی زندگی کی ذمہ گرم و ہبپ کی طرح ہیں جو ہر پل، ہر لمحے سویرا کے ساتھر ہیں گی اور اس کی آنے والی زندگی میں ایک خوبصوری طرح اس کی زندگی کوہر کالی رہیں گی ہاں گمراہ وہ ملوں نہیں ہوگی اور بدگل ان بھی نہیں ہوئی حالانکہ اس کے ہاتھ خالی ہیں مگر اس کے دل کو ایک سکون ضرور مل گیا ہے کہ جس شخص کو وہ چاہتی تھی وہ ایک اچھا انسان ہے، وہ خود فرض اور کم ظرف نہیں ہے وہ ایک عظیم انسان ہے اور اس کو تعظیم کہا جاتا ہے تاں جو اپنے راستوں میں بھرے پھولوں کو چھوڑ کر رہوں کی راہوں کے کامنے چون لے استندیار بھی ایسا ہی انسان تھا آج سویرا کو اپنی پستہ اور محبت پر فخر محسوس ہو رہا تھا اور وہ استندیار کے لیے دل سے دعا گوئی کہ جس ذمہ داری کو اس نے اٹھایا ہے اسے ہمیشہ خوش اسلوبی کے ساتھ بھاگتا رہے۔

آج وجہ جان گئی تھی کہ اسی اسے کتنا چاہتا ہے اور یہ بات اسے مسرور رہی تھی کہ اتنا عالمی ظرف انسان اسے چاہتا ہے

دکھن کمال ادا

نادیہ احمد

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نیش رہے
ہونے دیا گیا، یہ سوال بھی اپنی جگہ موجود تھا تو کیا احسان کا

بھاری پتھر اس کے کانہ ہوں پہلا درکار ادا ان اس کے قریب ہوتا

چاہتا تھا؟

اس کے سوال بعد کئی سوال اسے بے مبنی کر دیے تھے۔

وہ جواب چاہتی تھی مگر سوال کرنے کی بھت بھی نہیں تھی۔ مل

میں کہنں ناں کہنیں بدگمانی سر اخادری تھی، اس کے اندر شور تھا

مگر پاہر ساتھ اور اس ستائی میں فقط ادا ان کی دسمی آواز

خاموشی کے پردے کو چیرہ تھی۔ ذہن اتنا منشتر تھا کہ وہ چاہ

کر بھی ادا ان کی بات سے توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ حالانکہ وہ

ادا ان کا اس سے سچائی چھانے کے لیے بھی، بجدود بات شرچل

پوری کوشش کر رہی تھی مگر اس کے لفظ ساعتوں سے گمراہ کر

کو بھی معلوم تھی۔ آپ نہیں ہو سکا یا جان بوجھ کر نہیں

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نیش رہے

جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

وہ اب تک حیرت میں تھی۔ رات اس نے جاگ کر

گزاری تھی اور اب اس پلی یہ سوچ کر حیران تھی کہ آخر لذی کیا

مجبوڑی تھی کہ اس نے ادا ان کے آگے کاب نہ کھولے۔ کیوں

اسے روک کر سچائی نہ بتائی۔ کل رات ہوئے اتنے بڑے

انکشاف کے باوجود وہ کیوں ادا ان کا اپنی جانب بڑھا تھا

چھٹک نہ پائی۔ آپ نہیں شہ ہونے کی وجہ سے اس کی ماں کی

موت ہوئی یہ بات توب اس پر واضح ہو چکی تھی مگر کیا مفاد تھا

ادا ان کا اس سے سچائی چھانے کے لیے بھی، بجدود بات شرچل

کو بھی معلوم تھی۔ آپ نہیں ہو سکا یا جان بوجھ کر نہیں



”چلی بار اس دل نے کوئی تمنا کی تھی۔ چلی بار کسی کا
سامنہ پانے کی آزو دل میں جا گئی تھی۔ جینے کی خواہ نے
سر اٹھایا تھا۔ میں نے خود کو سمجھی اتنا بے بس محوس نہیں کیا تھا
لیکن جب تمہارے جانے کا ناتو مجھے لگا زندگی ہاتھ چھڑا
رہی ہو، میں تم سے بے تحاب محبت کرتا ہوں عاشق۔“ تم
محسوس کرتا ہوں اور شاید ای لیے میں ہمیشہ اپنے بہت قریبی
لوگوں سے بہت دور نظر ا رہا ہوں۔ ان کی قربت سے محروم رہا
ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ اپنی فیلمکرو سب سے چھپا کر
چھائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اذان کی باتیں اسے بے قیمتی
کی گہری کھائی میں دھکیل رہی تھیں۔ شاید یہ سچ نہیں تھا۔
شاپری رات پر یہ ای اور زندگی دباؤ میں جانے کے سب
عائش کا ہن خوش خیال کے سہری خواب بن رہا تھا۔ کہاں
دل کا حال ستارا تھا۔

”تم شاید نہ کہنے کی اذیت نہیں جانتی ہو عائش مگر سچ
ہے کہ تم سے شادی واقعی میری مجبوری تھی۔“ یہ چلی بات تھی
جو عائش کو پچھلے ہدرہ منٹ میں مجھے میں آئی تھی۔ وہ جیسے اس
کے سامنے اعتراض کر رہا تھا مگر اس اعتراف میں بے بی کا
رُنگ نمایاں تھا۔

”مجھ سیا خغض جوز نندگی کو ہمیشہ اپنے کنٹرول میں رکھنا
چاہتا ہو، اس کے لیے کپا اذیت ہوگی کہ کسی کا ساتھ اس کی
مجبوری بن جائے۔“ وہ زخمی لمحے میں مسکریا، جیسے اس پل خود
پہنچا ہو۔ یک دم تھی اس کی ساری حیات بیدار ہو گئی۔
”کیا ہمیں لگتا ہے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں؟“ اس
نے سچے سر اٹھا کر عائش کے چہرے کو دیکھتے سوال کیا۔
عائش اس پل اذان کو دیکھنے لگی۔ اس میں ہمت ہی
نہیں تھی کہ اس کی سوت دیکھے سکے۔ ہاں مگر اس نے اس کی
نظروں کی حدت کو محسوس کر لیا تھا۔ ان شعلوں کی پیش سے
گیا تھا۔



کتنا جسم اکشاف تھا مگر بہت غیر متوقع اور شاید وقت
بھی بہت غیر مناسب تھا۔ دل تو بہت پہلے اس شخص کی
طرف مل تھا۔ محبت کی کوئی دل میں بہت سلسلے پھوٹھوٹ
تھیں عائش۔ میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔“ ایک
گھر اس لیتے اسے سردوبارہ تجھے پر کھتے اپنی ناکامی کو
میں جھانکنے کا ہوش ہی کب تھا۔ وہ اس کے لیے دوسری پر
قویں کیا۔

یقین نہ آئے تو جا کر خود کفرم کرلو۔ عائشان دوں اذان کے
ساتھ رہ رہی ہے اور جہاں تک میں اسے جانتا ہوں۔ وہ بناء
تھلک اس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اس نے رابینہ کو کال
کر کے جاتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کیا۔ وہ مری طرف
رابینہ بالکل خاموش تھی کہ ایک بار تو شریل کو لگا کہ لائن
ڈرپ ہو گئی ہے۔ چند ٹھوں بعد رابینہ نے بناء کچھ کہے کال
کاٹ دی تھی۔ شریل کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب
رابینہ کے ذریعے یہ اطلاع خاندان والوں تک پہنچ جائے گی،
جس سے یقیناً آشیانہ کے درود پوار لرزیں گے اور شکاف
پڑے گا اذان اور عائشہ کے دستے میں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ
خبر وہاں سب کے علم میں ہے بلکہ بی بی جان کی رضا مندی
سے اسی اذان نے شادی کی ہے۔

وہ مری طرف رابینہ کے لیے بھی یہ بات اذان کی شادی
کی خبر سے بڑھ کر چونکا دینے والی تھی بلکہ قدرے مالپوس کن
ثابت ہوئی تھی۔ سہل اس معاملے میں بے اختیار تھیں تو
وہ مری طرف ہاجہہ بیگم مطمئن۔ وہ جیسے اسے ہوش دھاوس کو
پیشی کریں۔ اذان سے محبت اتنی شدید نہیں تھی اسے پانے
کی ضرر اچانک اس کا رابینہ کو چھوڑ کر ایک معمولی سی لڑکی سے
شادی کر لینا، اسے اپنی بارے بڑھ کر تو یہ نہیں گھوسن ہو رہا تھا۔
اذان یہ بارا بار کچکا تھا۔ ہر بار وہ رابینہ کو اپنے رویے سے
تکلیف پہنچتا آیا تھا اور اس بار تو اس نے بعد بار کردی تھی۔
رابینہ کے اندر شعلے سلگ رہے تھے۔ وہ پوری دنیا کو جلا کر راک
کر دینا چاہتی تھی اور اس نے یہی کرنا چاہا۔ مگر اسی جنم نے
اسے روک لیا تھا۔ البتہ وہ بھی بار کی طرح خود بی بی جان
کے پاس شکایت کرنے پہنچ گئی تھی۔

”انتساب کچھ ہو گیا اور آپ لوگوں نے ہمیں اندر ہیرے
میں رکھا، آپ کو کیا لگتا تھا؟ ہمیں پتا نہیں چلے گی؟“ اس
نے باقاعدہ جگڑتے کے انداز میں بات شروع کی۔

”مجھے تو خود علم نہیں تھا اس بارے میں۔“ سہل نے
وضاحت دینے کی کوشش کی۔

”بس کرو ڈراما۔ میں نے بیاہ رجالیا اور تمہیں کچھ
تھی اس نے رابینہ کو بھی سلگا دیا تھا۔
”تم یقیناً میری بات کا اعتبار نہیں کرو گی، اس لیے اگر
معلوم نہیں۔ اتنا حق تھا مجھ رکھا ہے مجھے تم نے کہ میں

مجھ کجا تاچک دار ستارہ تھا جسے با تھے بڑھا کر چھوٹے کی تھنا تو
کی جا سکتی ہے مگر حاصل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قسم سے وہ
ستارہ اس کے دامن میں آگرا تھا مگر بے یقینی و خوف کی پیش
سے اس کا وجود بھلپر رہی تھی۔ اس وقت عائشہ، اذان کے
جنہیات کو محسوس کرتا ہی نہیں جاہتی تھی۔ اذان کے لیے اس
کی حریت ہرگز غیر موقع نہیں تھی مگر اس کی خاموشی نے اسے
ضرور پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنے احساسات کا اظہار کر کا تھا،
جو اس کے لیے ہرگز آسان نہیں تھا مگر عائشہ کی سر و ہجری اس
کے لیے ایسی دیوار تھی جو اس کے لیے ڈھانٹی الحال ممکن نہ
تھا۔ اس کا یہ پکجھ کہے بناء اس کے پاس سے چلتے تھے اذان
کے لیے حرمت کا باعث تھا۔ اسے امید نہیں تھی عائشہ سے
اس رکھا تی کی۔ وہ تو سچھتے سے بھی قاصر تھا کہ آخر اس نے

عائشہ کو چھوٹی تاکر کیا ظلطی کی ہے۔ جبکہ وہ اسے احساس
کرتی سے کالا ناچاہتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس احساس
کرتی کے درمیان بدگمان اپنی جگہ بنا نے لگی ہے۔ وہ اگر
اسے شریل والی بات بتادی تو شاید اس کی ساری بھروسہ دوڑ
ہو جاتی مگر اس نے تو اب یوں کوئی بیان نہیں کر دیا۔ یوں بھی وہ اپنی تھی کہ
ان کا تعاقب وقتو ہے۔ اذان کو چھوٹی کا پتا چلا تو سب کچھ ختم
ہو جائے گا۔ وہ اپنی زندگی کے ایک ایسے احتیان سے گزر رہی
ہے جس کا نتیجہ بھی اسے بہت اچھی طرح معلوم تھا۔ اذان
کے ماہی سے بڑی کہانی وہ صلیب تھی جس پر جلد یاد بریان کا
رشتہ ضرور سوئی چڑھتے والا تھا۔ ان حالات میں وہ خود اذان
سے کوئی جذبائی وابستگی نہیں چاہتی تھی کہ جب منزل اور
راتے الگ ہوں تو ساتھ چلنے کی امید بیکارے۔ بھتی نفترت
کا اظہار اذان اس کے سامنے کر چکا تھا، سب کیے ممکن تھا وہ اس
کی ناطر صابر کو معاف کر دیتا۔ یقیناً یہاں تکن تھا اور عائشہ اسی
لیے اپنے دل میں کوئی امید قائم کرنے سے خوف زد تھی۔

.....
ازان اور عائشہ کی شادی کی خبر وہ بھی تھی جو شریل کی
بدولت رابینہ پر گری تھی۔ وہ خود تو کل سے جل رہا تھا، ساتھ
تھی اس نے رابینہ کو بھی سلگا دیا تھا۔

تمہاری اس بودی دلیل پر یقین کرلوں گی۔“ وہ ایک دم ہی غصے سے بولیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا سنبل اس وقت خود سک اس اذیت سے گزرہی ہے۔ اکلوتے بیٹھ کی شادی اور اس سے پوچھنا تو در بتانا تھک گوارہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا تو کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح جا کر اس بڑی کو ہاتھ پکڑ کر اذان کے گھر سے نکال پاہر کریں جس کو اس نے مال سے بڑھ کر اہمیت دی تھی۔

”یہی تجھی دلیل پر یقین کرلوں گی۔“

”آپ کو اگر راہیں کی خوشی عزیز ہوئی تو آپ اتنی مطمئن نہ ہوتیں اس کا حق کسی اور کو دے کر اب اس سے محبت کے دعویٰ تو مت کچھ۔“ راحیل نے ناراضی سے جواب دیا۔

”میں کوئی وعیت نہیں کر رہی ہیں اس خاندان کی بڑی ہوتے کے ناطے میں نے فیصلہ کیا تھا تو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس لیے جب مجھے کا کہا میں غلط ہوں تو اپنی بہت وہری برقرار رکھنے کی بجائے میں نے اسے بدل لیا۔“

”یہ سوچے بغیر کس کے نتائج کتنے لوگوں کو ہلاکتہ پڑیں گے؟“ راحیل نے جملے کئے انداز میں ٹکھوہ کیا۔

”آپ کو اپنی نہیں تو میری عزت کا خیال تو رکھنا چاہیے تھا بی جان۔ میرے بارے میں بھی نہیں سوچا آپ نے؟“ میرا تو سر جھک گیا ہے اپنے شوہر کے سامنے کیا وضاحت دوں میں نہیں؟“ وہ کیسہ میں جذبیا ہوئی۔

”عزت تو ہماری بھی دو کوڑی کی ہو گئی ہے۔ من دکھانے کے قابل تو ہم کی نہیں رہے۔ اپنے کے سراہ والوں کو خبر ملی کہ اس گھر کی بہو ایک محمولی اور بدنام لڑکی ہے تو۔۔۔“ سنبل کا حال بھی راحیل سے الگ بتتا ہے۔ وہ دون رات اسی پر بیٹھیں تھا خیر میں تم دنوں سے معافی مانگتی ہوں۔“ ان کی ارسیتے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب خود دل سے عانش کو بھوت علم نہیں کیا تو بیٹی کو کیسے بھیتاتیں۔

”بی بی جان صرف آپ اس برابم کو ختم کر سکتی ہیں۔ آپ چاہیں تو اذان اس بڑی کوچھوڑ کر اب بھی ہماری مرضی لینی ہے تو ہم دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے؟“ راحیل نے سے شادی کر سکتا ہے اور یہ بات کسی کو یہ بھی نہیں چلے گی۔“ بی بی جان کو سنبل کی بات پر حیرت ہوئی، سنبل نے اس شستے روایتی انداز میں ٹکھوہ کیا۔

”یہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے بی بی جان، آپ نے اذان کو شادی کی اجازت دی تھی تاں تو پھر اب فیس بھی کچھ۔ مجھے کیوں ذلیل کرواری ہیں۔“ وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ بی بی جان کو دیکھتے اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

”بی بی جان آپ کیا فیس کریں گیں، بھکتیں گے تو ہم آپ لوگوں کو کیا احساں کہ سک کو اور کیا جواب دینا پڑے گا؟“ راحیل نے تاسف بھردے ہیے لمحے میں کہا۔ بی بی جان اب بھی سمجھ کارے خاموش بیٹھی تھیں۔ وہ ذاتی طور پر تیار تھیں۔ جانتی تھیں جب بھی بھید کھلا یونی طوفان آئے گا اور انہیں تو بیٹھے سے ایسے موقعوں پر جل دو رہداری سے کام لینا آتا تھا۔ وہ اب بھی نہایت پر سکون بیٹھی تھیں۔

”مجھے آپ سے اس زیادتی کی امید نہیں تھی، میری بیٹی اتنی ارزاں نہیں تھی۔ اس کے لیے اذان سے بہت بہتر اور اچھی رشتہ موجود تھے۔“ مال کو سمجھدے خاموش بیٹھ کر اس بار راحیل بھگ کے لمحے میں بھی دھیما پن آ گیا تھا۔

”جو بچھو جواں پر میں شرمندہ ہوں، واقعی مجھ سے ایک نہیں دوبار غلطی ہوئی، راہیں کی خوشی کو دیکھ رکھیں بھی اذان پر شادی کے لیے دیا تو اتنی رہی، حالانکہ وہ تو بلے دن سے رضا مند نہیں تھا خیر میں تم دنوں سے معافی مانگتی ہوں۔“ ان کی بات سن کر سنبل نے جل کر بے اختیار پہلو بدلا تو راحیل بھی سلگ گئی۔

”آپ کی معافی اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتی بی بی جان۔ آپ نے سوچا ہے خدا خواستہ اگر راہیں کوئی بڑا قدام اٹھا لینی ہے تو ہم دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے؟“ راحیل نے سے شادی کر سکتا ہے اور یہ بات کسی کو یہ بھی نہیں چلے گی۔“ بی بی جان کو سنبل کی بات پر حیرت ہوئی، سنبل نے اس شستے روایتی انداز میں ٹکھوہ کیا۔

کوشیدا گندے گزیا کا حکیل سمجھ لیا تھا۔ اذان نظری بی جان کی
وجہ سے خاموش تھا مگر گزرے وقت میں انہیں بارہا اندازہ
ہو گیا تھا کہ راہبین اور اذان کی ایک دوسرے کے ساتھ خوش
نہیں رہ سکتے وہ وہ جائف سوت جلنے والوں کو بیجا کرنے کی
سچی جی چوتھے کے ساتھ قطاطی ثابت ہوئی تھی۔

”لیکن میں ایسا ہر گز نہیں چاہتی کہ تک میں جانتی ہوں
اذان کا یہ فیصلہ تمہاری طرح خود غرضی کی بنیاد نہیں ہے، اس
نے بہت سوچ کر کے، ہر طرح سے مطمئن ہو کر عائشہ سے
شادی کی ہے اور میں اس پر اپنی ہوں۔“ ہاجرہ بیگم کا الجدد
توک تھا۔ وہ کوئی لسی تسلی دینا نہیں چاہتی تھیں جس پر خود ان
وضاحت کیا ہو سکتی ہے؟

گھری میں وقت دیکھتے اس کی نامیدی اور بھی بڑی،
کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنالپ تاپ انھیں۔ کم تھے
جو وہ بھیش بھا کر رکھتا تھا۔ اب بھی اس کا ارادہ کچھ تامل
چیزوں کو مکمل کرنے کا تھا اور اسی ارادے سے اس نے اپنا
لپ تاپ کھولا۔ اسکریں روشن ہوئیں گرداں کو جرت کا جھنکا
لگا، اس کے لیپ تاپ پر عائشہ کا سیل باسک اونپن تھا جس
میں سب سے اوپر شریبل کی طرف سے بھیجا گیا پیغام جگہ گارہ
تھا۔ اس کے علاوہ بھی انیں ایسی میلوں تھیں جو چھلی تاریخوں میں
عائشہ کو بھی ہمیں تھیں۔ جب وہ شریبل کے پاس ملازamt
کرنی تھی۔ تو وہ سلدار کام سے متعلق تھیں گرداں نویت کے
دو پیغامات تھے جو گزرے چوبیں گھٹوں میں شریبل نے
اسے بھیجے تھے۔ ایک کھلا تھا جس کا مطلب عائشہ وہ میں
پڑھ کچی تھی جیکے دروازہ ابھی چیک نہیں ہوا تھا۔

”یعنی میں کل رات عائشہ یہاں پر کمرے میں یہ میں
چیک کر دیتی تھی۔“ وہ یک دم ہی تیجے پر کھنچا
”لیکن عائشہ کو کیسے معلوم تھا کہ شریبل اسے میں کردہ
ہے؟“ یہرا بھی اس کے ہاتھوں لگا تھا لیکن اس کو تھس ہوا
کہ آخر ان ای میلوں میں ایسا کیا ہے اور کیا اس کا متعلق عائشہ
کے حالی رویے سے جزا ہے؟ بہر حال جو بھی حال سے یہ تو
معلوم کرنے تھا کہ شریبل نے کیا پیغام بھیجا ہے۔ حالانکہ اس
تھا۔ اسے بلا یا نہیں تھا مگر بھی خیال تھا کہ وہ خود کمرے میں
آئے گی آج کے دن میں ان دونوں کے درمیان بہت نی

وہ بہت درپرے کرے میں اکیلا بیٹھا عائشہ کا انتظار کر رہا
تھا۔ اسے بلا یا نہیں تھا مگر بھی خیال تھا کہ وہ خود کمرے میں
آئے گی آج کے دن میں ان دونوں کے درمیان بہت نی

کا اپناء دل راضی نہ ہو سکے لیے انہوں نے فوراً انکار کر دیا تھا۔
”تمیک بے بی جان، آپ رہیں راضی ہو گرچہ آج کے
بعد میرا آپ سے اور اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔“
راحلہ یک دم ٹھکھ کھڑی ہوئی، یہ آخری حریث تھا۔ وہ جانتی تھی
بس اسی طرح مال پرداز باؤڈا لاجائستا ہے۔ بی بی جان خاموش
رہیں اور یہاں کا فیصلہ تھا۔

راحلہ نے دھکائی نظر مال کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور
ہر پختگی ہاڑہ نکل گئی۔ ہاجرہ بیگم کے چہرے پر دکھ کے سامنے
نمودار ہوئے تھے۔

”آپ اگر چاہیں تو یہ رشتہ نوئے سے بچ سکتا ہے۔“

سنبل و میمود جدت انداز میں بولی۔ اس کا خیال خاشایدہ ای

طرح ساں پرداز باؤڈا کرداں پرداز باؤڈا لاجائستا ہے۔

”شریبل پر کھیل کھیلے جاتے ہیں، رشتہ تعلق کے
مضبوط ہونے سے قائم رہتے ہیں اور ایک رشتہ توڑنے کی
شرط پسیری کو ہے جنی اولاد بھسے اپنائش برقرار رکھنے کی
بات کر کے تو یہ شایدی میرے لیے تکلیف کا مقام ہے۔“ ہاجرہ
بیگم نے رُخی لمحے میں کہا اور پھر خاموشی سے لپنے کمرے
میں چل گئیں۔

.....
وہ بہت درپرے کرے میں اکیلا بیٹھا عائشہ کا انتظار کر رہا
تھا۔ اسے بلا یا نہیں تھا مگر بھی خیال تھا کہ وہ خود کمرے میں
آئے گی آج کے دن میں ان دونوں کے درمیان بہت نی

کتے۔ اس نے آنسو پیتے دیکھے لجھ میں اعتراف کیا۔
 ”سب کے بارے میں تو وہی نہیں کر سکتا جس میں
 تمہیں وہ کامیابی دے سکتا۔“ اس نے پرسوں لجھے گئے
 ”میرا مقصد صرف یہ تھا۔ تم بھتی پر امید تھی، مجھے کوئی
 شاید تھا میری یہ امید یعنی کوئی مجرم کر دے۔“ چھائی بتا کر تمہاری
 امید تو نہ تھیں چاہتا تھا میں عاشش۔“ اس نے صاف گولی
 سے جواب دیا۔ عاشش نے نظریں اٹھا کر اذان کو دیکھا۔ اس
 کی چھائی اس کے چہرے کے کتابوں سے عیان تھی۔
 ”امید نہیں خوش خیال تھی وہ۔“ عاشش کی حضرت آنسو سوں
 کی صورت بنے گئی۔

”تمہیں مجھ سے بات کرنا چاہیے تھی عاشش، بتانا چاہیے
 تھا مجھے کہ ایسا کیا ہے جو تمہیں کل سے اندر ہی اندر تکیف
 پہنچا رہا ہے۔“ تمہاری خاموشی صرف تمہیں نہیں مجھے بھی
 اذیت دے رہی تھی۔ میں مجھ سے پریشان ہوں آخ رجھے
 لسکی کیا غلطی ہوئی جو تم مجھ سے بات ہمیں نہیں کر رہی۔ حالانکہ
 میں نے تو اپنے دل کا حال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا
 ہے پھر کیوں تم میری فیلنڈر کو اس طرح انگور کر رہی ہو جیسے
 تمہارے زد دیکھ اس کی اہمیت ہی نہ ہو۔“ دوسرے ہاتھوں
 سے عاشش کا چہرہ تھا اذان نے شکایت کی۔
 ”ایک دن میں انتساب ہو گیا، سوچتے کا وقت ہی نہیں
 ملا، بلکہ یہ بدگمانی بھی ہوئی تکریبہ بھی خیال آیا کہ بھلا میری
 ماں کی موت آپ کو کیا فائدہ دے سکتی ہے۔“ کچھ وقت کا سر
 اسے شریعت کی چال سمجھا گئی تھی۔ حالانکہ حقیقت کا تم
 نہیں تھا مگر اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ اذان نے کسی غلط تصور
 کے تحت اس سے چال کوچھاۓ نہیں رکھا تھا۔

”اور پھر من جو پرانی آپ نے کیسی اس کے بعد
 ”اس کے بعد تمہیں احساں ہوا کہ جو شخص تم سے بے
 انتہا محبت کرتا ہے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“ اس کی
 بات کا تھے اذان نے بے ساخت کیا۔
 ”میں اس سب کے قابل نہیں ہوں۔“ اس نے اندر
 جھکاۓ دھمکی آواز میں کہا۔

اذان اخلاقیات میں مقید رہنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ
 بھی تو ہو سکتا تھا کہ شریعت، عاشش کو درانے، وہ مکانے کی
 کوشش کر رہا ہوا وہ پریشانی میں اذان کوچاہی بتانے لگی ہو۔
 اس نے پہلے سے اوپر وہ میل کھوئی جسے عاشش کل رات
 پڑھ کر تھی اور یہ ہم تھی اذان کو سب سمجھیں آگیا تھا۔ ایک
 گھرہ انسان لیتے اس نے چند لمحے سوچا اور پھر لیس ناپ میز
 پر کھٹکتے وہ تیزی سے کرے سے کل کر عاشش کے کمرے کی
 طرف بڑھا اور بناء اچازت دروازہ کھولے بے ہرگز اس
 کے کمرے میں داخل ہوا۔ عاشش سرگھٹنوں میں چھپائے بیٹھ
 پیشی تھی کہ اپاک دروازہ کھلتے پر چوک کر را خلیا۔ ماسنے
 اذان کھڑا تھا۔

”کل تم شریعت سے ملی تھی؟“ اس نے بناء تبید سپاٹ
 لجھے میں پوچھا تو عاشش نے انکار نہیں کیا جس کا مطلب
 اقرار تھا۔
 ”اوپر بات تم نے مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھی؟“ اس
 نے بہ سمجھے۔

”اسی کی ضروری باتیں ہیں جو مجھ سے بھی چھپائی گئی
 ہیں مگر میں نے تو کوئی شکایت نہیں کی۔“ وہ کیا بتاری تھی
 اب یہ اذان کے لیے معینہ نہیں تھا اور یہ یحید بھی حل پکا تھا کہ
 وہ اپ سیٹ کیوں ہے، کیوں ناراض ہے۔ کیوں اذان سے
 رشتہ نہیں پا سکے چہرے پر خوشی نہیں، اس لیے کہ وہ
 بدگمان تھی۔

”تو پوچھا کیوں نہیں، مجھ سے سوال کیوں نہیں کیا تھے
 کہ میں نے تمہیں چھائی کیوں نہیں بتائی؟“ اس نے سمجھیدہ
 لجھ میں آگے بڑھتے سوال کیا۔

”خود سے جواب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔“
 عاشش کا نئے دھمکے لجھے میں بولی۔
 ”تو پھر جواب ملا؟“ اس نے سامنے پیٹھے مزید پوچھا۔
 عاشش نے ایک نظر اذان کو دیکھا اور پھر نظر س جھکائے لئے
 میں سر ہلایا۔

”تمہیں لگتا ہے میں نے تمہیں دھوکا دیا ہے؟“
 ”تمہیں، میں جانتی ہوں آپ کی کو دھوکا نہیں دے

اور اس کی بات مان تاریخی ہے۔ ”وہ ذرا سا سکریا۔
”ایکن شاید تم مجھے پسند نہیں کرتی۔“ اس کے آنسو
پوچھتے اذان نے بے اختیار کہا۔
”اسی بات نہیں ہے، آپ کو کون پاسند کر سکتا ہے آپ
تو.....“ اس نے یک دم تردیدی تک پھر اذان کو دیکھتے ہوئے
خاموش ہو گئی۔

”شرجیل کل ماں میں ملا جائے۔ اسے پاچل گیا ہے کہ ہم
اب ساتھ ہیں۔“ موضوع بدلتے اس نے دھی آواز میں
اذان کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ اذان اب بھی خاموشی سے سنا
رہا۔ اسے اندازہ تھا اب خاموش نہیں بیٹھے گا اور یقیناً اس
کا آخری وارثیں ہو گا۔ بدل لینے کے لیے وہ ان دونوں کے
درمیان پر پر غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور
نئی کوئندتے اذان کے بڑھے با تھوڑا ختم ملیا تھا۔



شرجیل جانتا ہے کہ وہ اب تھیں نقصان نہیں پہنچا
سکتا، اس لیے وہ ایسی اوجھے بھکنڈے استعمال کرے گا
جس سے ہمارے درمیان بیگانی کی دیوار کھڑی ہو۔ تم نے
اس بار مجھے چھپا ہے پر نیکست ٹائم الی کلی طلبی مت کرنا۔
تو اتفاق ہے کہ مجھ فوراً پہنچا جائیا اور شرجیل بھی کنیوشن ختم
ہوئی۔ ہو گتا ہے مجھے علم نہ ہوتا اور شرجیل تھیں وغایا کر
میرے خلاف کر دیتا۔ اذان ٹھیک کہ رہا تھا اس بات کا
اندازہ اس کو ہو گیا تھا۔

”میں نے کہا تاہم آپ کے کہنے سے پہلے ہی میری غلط
فہمی دوڑ جو بھی تھی۔“ اس نے بے اختیار تھی کی۔
”تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی تھی، کمرے میں کیوں نہیں
آئی؟“ عاشق کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ
بھی محبوب کی رہ کر کھا تھا کیونکہ اذان اس کے ساتھ تھا
پھر اگر شرجیل اپنے عمل پر نہ مانت محسوس کر کے اس سے
زندگی سے بہت دور جا چکی تھی۔ اب وہ اسے کی بھی طرح
کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ اذان اس کے ساتھ تھا
پھر اگر شرجیل اپنے عمل پر نہ مانت محسوس کر کے اس سے
مغدرت کرہا تھا تو سامعی کے اپنا ظرف بڑانے کرتی۔ یوں
بھی محبوب کی رہ کر کھا تھا عورت کے زمرے میں آتی ہے۔
وہ ایک ساتھ کئی اجھنوں میں گرفتار ہی۔ ایک ابھن ختم
ہوئی تھی۔ دوسرا خوف تو اب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کے
لیے بیگانی سے لفڑا آسان تھا اگر اپنے خوف سے لڑنا مشکل
تھا کیونکہ یہ خوف اذان کو خونے کا تھا۔ عاشق کو اندازہ تھا جیسے
جسے پر شست آگے بڑھے گا، اس کے لیے اذان سے دور جانا
تھمن ہونے لگے گا۔ وہ اس سے دور رہ کر خود کی اذیت کوں
کرنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔

اگرچہ عائشہ سے ملنا نہیں چاہتیں اور اس کی وجہ بھی وہ ہے کہ
اچھی طرح جانتا تھا۔ ہاجرہ بیگم بہت بردبار خاتون تھیں۔
اذان کی خوشی پوری کرتا ان کی مجبوری تھی مگر اس سب میں
بہت سے لوگ ان سے خفا ہو گئے تھے۔ انہیں ان سب کی
ناراضی کی بھی فکر تھی۔ دو ماہ سے بینی نے مال سے رابطہ نہیں کیا
تھا تو سب میں خاموشی میں چھپی شکایت کو بھی وہ جانتی تھیں۔
اذان کا گھر بیٹے بھی نہیں دکھل سکتا تھا لیکن فی الوقت اس کی
کوئی تبدیر کا کرنی ہیں ہوئی تھی۔ بہت سوچ کر جس کراس نے
ساعیہ کو گھر واپس لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سے ایک تو
کی نظر میں بھی وہ سڑخو ہو سکتا تھا اور اس نے بیسی کیا تھا۔
ساعیہ کے گھر واپس جانے کی اطلاع یعنی بی جان نے اذان کو
دی تھی اور چیز یہ اس کے لئے باعث سکون تھا۔ عائشہ بھی
خوش تھی کہ ساعیہ کا گھر بھی تھا کیونکہ وہ خود کو اس کا مجرم
تصور کرنی تھی اور قلتی بھی تھا کہ اس کی وجہ سے ساعیہ کا گھر
ٹوٹ گیا تھا۔

اُنہیں سب میں کوئی اور مشورے سے ہی کرنا تھا مگر اس سے
کہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر اس بار ان کے
چہرے پر امید بھری مسکراہت تھی نہ ہی اس سے ملنے کی بے
قراری۔ اس کے سلام کا جواب تک دیئے بغیر وہ اپنے
کرے میں چل جی تھیں۔ اذان کو اندازہ تھا کہ وہ ناراضی ہیں
پر اس کو ان کی ناراضی اور شکایت کی ہرگز پرواہ نہیں تھی۔ وہ
ہمیشہ کی طرح یعنی بی جان کے بلا نے پان سے ملنے آیا تھا اس
لیے انہی کے پاس مجھا ان سے ناراضی بات چیت کرتا رہا۔ وہ
ہر بار اس کے لئے فکر مدد ہوا کرتی تھیں مگر اس بار ان کے
زیادہ تر سوالات عائشہ کے متعلق تھے۔

وہ خوش ہے یا نہیں؟ یہ جانے میں انہیں کوئی زیادہ تر دو
نہیں کرتا چاہتا۔ اذان کی خوشی، اس کا اطمینان، اس کی
شخصیت میں کسی حد تک جو ثابت بدلا دیا تھا وہ ہاجرہ بیگم
محسوس کرنے تھیں اور اس کا سہر اعائشہ کی سر جاتا تھا۔ اذان
انہیں عائشہ سے ملنے کا کئی بار کہہ کر تھا اذان کو احساس تھا
کہ اس کا سانس لیا تھا۔

ہاں مگر یہ تکلیف میری برواشت سے بڑھ کرے ہے
اذاں تم نے مجھ سے میرا آخری حق بھی چھین لیا۔ ”سنبھل
نے بے ساختہ شکایت کرتے اذاں کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے
بیٹھا تھا۔

”آپ چاہیں تو سزادے سکتی ہیں۔“ وہ انہیں مسلسل
حیران کر دیا تھا۔

”مزا تو تم دے رہے ہو، میری ایک غلطی کی اتنی بڑی
سرزد۔ چند بات کے زیر اذان سے جملہ بھی مکمل نہ ہو سکا اور وہ
چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رہے تھے۔“

”آپ کا طرف بہت بڑا ہے، آپ تو پہلے بھی میری
غلطیوں کو معاف کرتی آئی ہیں نا، کیا ہر باری طرح اب
بھی درگز نہیں کر سکتیں؟“ ان کے دونوں ہاتھوں کو تھامے
اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔ سنبھل کا دل تو پہلے ہی بیٹھے
کوڈ کیکر موم ہو گیا تھا۔ ملکوئے شکایات اذاں کے چند دفعے
لظی بہا کر لے گئے اور اب جس طرح وہ اس کے باخھ تھے
اس کے پیروں میں بیٹھا انہیں مناہرا تھا، اس کے بعد تو اس
سے ناراضی کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔

”تم شاید ایک مال کی ایتیت نہیں بھجتے، اپنی اولاد ہو گی
تاں پھر احساں ہو گا میری تکلیف کا تمہیں، جب وہ تمہارے
ساتھ یہ سب کرے گی جو تم یہ ساتھ کرتے رہے ہو۔“
وہ آنسو پیٹے شکایتی لمحے میں بوسکر اکابر نہ تو غصہ باقی رہا
تھا نہ خلکی۔ یہ تو وہ محبت بھرا ملکوئے تھا جو ایک مال اپنے بیٹھے
کر رہی تھی۔

”بدعاوے رہی ہیں مجھ، اللہ نے کرے کہ میری اولاد
میرے بھی ہو۔“ وہ بُلکا ساکر لایا اور پرسوں بعد سنبھل نے
اسے سکراتے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی ان کے ہاتھ اپنے
ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا اور سنبھل نے بھی باخھ نہیں چھڑایا تھا۔
بیٹھے دور ہوئے تو رسول یہتھے تھے کہاں عادت تھی
انہیں اس کے لمس کی مگر کتنا سکون مل رہا تھا اس پل اس کے
چھوٹے سے۔ دل میں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں یہ سب ایک
حراب نہ ہو اور انکو ہٹھنے سب کو کچھ سنبھل جیسا نہ ہو جائے۔
”اذان آخر وہی لڑکی کیوں؟ تم جس سے کہتے ہیں

ماں ہوں بھی کیسی آزمائش ہوتا ہے۔ باہر اذان آدھے
گرد سے بی بی جان کے پاس بیٹھا تھا اور اندر وہ اس سے
ملنے کوے قرار تھیں۔ اس سے لاکھ ملکوئے شکایات اور ناراضی
تمی مگر رہا تھا کی تربیت تو اپنی جگہ تھی۔ وہ کمرے میں بے چینی
سے چکر کاٹ رہی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ اذاں اس بارہ بھی

ان سے ملے بغیر ہی آشنا سے واپس لوٹ جائے گا۔ جیسے
چیز گھٹی کی سو نیا آگے بڑھ رہی تھیں ان کی امید بھی دم
توڑ رہی تھی۔ تھک کروہ کری پہنچنے کیں کہاب ہمت جواب
رے گئی تھی۔ چند لای ایجھن میں گزرے کہ کیا انہیں خود
جا کر اذاں سے بات کرنا چاہے؟ ہمیشہ کی طرح اس سے
بچھڑا اور شکایت کر کے اس کی غلطی کا احساس دلانے کی
کوشش کریں یا پھر بس اپنی ناراضی کو قرار رکھتے خاموش
رہیں۔ جب تک دروازے پہنچی دستک ہوئی، ان کا خیال
تحما لازم ہو گی مگر وہاں اذاں کوڈ کیکر انہیں شاک لگا، اتنی
حیرت وے بیٹھنے کو چھپا تے انہوں نے اسے دیکھتے ہی پھرہ
موزی لیا۔ وہ سنبھل کو یکھان کے پاس آ کر پہنچ گیا۔

”میں جانتا ہوں آپ مجھ سے ناراضی ہیں، میں نے
واقعی آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔“ سر جھکائے اس نے دیکھے
لنجھ میں اعتراف کیا۔
”پہلی بار تو نہیں کیا تم نے یہ سب میرے ساتھ،
چھپن سے کرتے آرہے ہو۔“ سنبھل نے جانتے ہوئے
تاسف بھرے انداز میں کہا۔ وہ اپ بھی اس کی طرف
نہیں دیکھ رہی تھی۔

”میں شرم مند ہوں کہ ایک اچھا بینا ثابت نہیں ہو سکا۔
میری وجہ سے بارہا آپ کو تکلیف پہنچی، بارہا آپ کا سر جھکا
ہے۔“ وہ لب بیٹھچے افسوگی سے بولا۔ سنبھل کو جیرا ہوئی، یہ
یقیناً وہ اذاں نہیں تھا جو ہر بار مال کی تکلیف میں اضافہ کرتا
تھا۔ ہر بار اس پر منے سر سے سلامات کی بوجھاڑ کرتے وہ
یہ بھی نہیں سوچتا تھا کہ سکن کا کیچھ کتنا چھٹنی ہوتا ہو گا۔ وہ تو
صرف اپنے خرچوں سے آگاہ تھا اس کہاں پر واقع ہو ایک مال
کی اضافتی۔

تمہاری شادی کروادیتی مگر..... ہم تو جانتے تک نہیں ہیں
اس کے خاندان کو، کیا یہی گراونڈ ہے اس کا، کس کلاس سے
تعلیٰ رکھتی ہے؟“ یہ دم دی ان کا وہیان عائش کی طرف
گما اور وہ اپنے بھائیں جس کی بنیادی وجہ اس کے متعلق ہوتے
والی گنتی تھی۔ سنبل کی بدگمانی بھی اپنے باتوں سے دایتی تھی

کہ وہ ایک مغلکوں کی دارکشی لڑکی کو بہو کے روپ میں قبول
کرنے سے کتر ارعنی تھیں۔

”وہ پیری محبت ہے مگر، کیا اس کا اتنا تعارف کافی نہیں
ہے؟“ اس نے ہولے سے ٹکھو کیا۔

”رشتے ایسے نہیں ہتھے جاتے جاتے میری جان۔“ وہ سر
چمکتے رکھتے لبچیں بولیں۔

”تو اور کسے ہتھے جاتے ہیں؟ میں اپنی زندگی اس کے
ساتھ کیوں نہ کراؤں جس کی موجودگی مجھے کلون دیتی ہے،
جس کا ساتھ مجھے خوش دیتا ہے۔“ وہ وضاحتی لبچیں بولوا۔

”آپ کوچاہے وہ سب جاتی ہے میرے بارے میں
اور اس نے ایک بار بھی کسی مجھے یہ اس نہیں ہونے دیا کہ
میں...“ وہ کہتے ہوئے خاموش ہوا۔

”اذان وہ ایک حادثہ تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا
اور یہ تمہارا اپنا احساس مکتری ہے اپنے بارے میں وہ نہ تم میں
کوئی کمی نہیں اور یہ بات ہم ہمیشہ تمہیں سمجھاتے آئے
ہیں،“ سنبل نے بے اختیار سمجھاتے ہوئے لفین دلایا۔

”پھر تو آپ کو عائش کا احسان مند ہوتا چاہتی تھیں وہ اس کی وجہ سے ممکن ہوا
آپ مجھ میں دیکھنا چاہتی تھیں وہ اس کی وجہ سے ممکن ہوا
ہے۔“ اس نے بے ساختہ جتالیا۔

”میں نہیں چاہتی وہ خوب صورت ہے یا نہیں مگر خوش
قصت بہت سے کوکہلے اسے تم جیسا کیل جوں گیا ہے۔“

انہوں نے بلکہ چکلے انداز میں مٹکا کر جتالیا۔

”خوب صورت بھی ہے لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔“
اذان کے لبچی میں شرارہ درآئی۔ سنبل کے چہرے پر بھی

بے اختیار مکراہت تمودار ہوئی اور یہ وہ راحت گئی جو اپنے
بیٹوں کو خوش دیکھ کر ایک ماں کے دل میں ارتقی ہے۔

”کب ملاؤ گے مجھے اس سے؟“ انہوں نے محبت اعتراف کیا۔

”میں تو ادھوری بھی نہیں رہی تھی شاید۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے شریل میں نے یہ وقت آپ کے بغیر کس اذیت میں گزارہ ہے۔“ سامعیہ اسے کیا بتائی کہ زندگی جب کسی ایک کے نام سے شروع ہو کر اسی پختہ ہو جانے تو اپنی ذات دھکائی دیتی نہیں دیتی۔ سامعیہ کے لیے بھی زندگی کا مطلب شریل کا ساتھ تھا۔ کامیابی کا مفہوم یہی تھا کہ اس کا گھر آباد رہے۔ عورت کی تو قدرت ہی گھر ساتا ہے۔ وہ بھی نہیں چاہتی کہ اس کا گھر نہیں۔ شاید اسی لیے وہ بھروسائونے کے باوجود دری بار اعتماد کرتی ہے اور سامعیہ بھی ایک بار پھر یہی غلطی دہرانے چاہتی تھی۔

”میں کچھ سکتا ہوں، مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں مگر جو کنہا تمہیں تکلیف پہنچا کر لیا ہے اس کے لیے میں خود کو بھی معاف نہیں کروں گا۔“ اس نے مکاری سے کہا۔ شریل ایک بار پر اس کا وہ بھجو بشوہ زین گیا تھا جو سامعیہ کو خود پر ریک میں بنتا رہتا تھا۔ اسی پاتوں سے ہی تو وہ ہمیشہ سامعیہ کو ستمیں میں کر لیتا تھا۔ اسے محبت کے فریب میں الجھا کر ہمیشہ اس کا وحیان اپنی سیاہ کاریوں سے ہٹائے رکھتا تھا۔ ایک بار پھر وہ وہی کھلیں کھلیں رہتا تھا۔ ”جو ہو گیا اسے بھول جائیں۔“ مسکرا کر اس نے بات شتم کرنا چاہی۔

”بھولنا اتنا آسان نہیں ہے سامعیہ۔“ وہ بے اختیار بولا۔

”کیا تم نے واقعی بھجے دل سے معاف کر دیا ہے؟“ اچانک لہجہ بدلتے اس نے محبت سے پوچھا۔

”غلطیاں تو سب میں ہو جاتی ہیں۔ مجھ سے بھی ہو سکتی ہیں مگر جب آپ کو خود ایسا ہو گیا کہ آپ نے کیا غلطی کی ہے تو مجھے نہیں لگتا کہ اب ہمیں اس بارے میں مزید بات کر کے پناہوت صلح کرنا چاہیے۔ عاشقتوش سے اذان کے ساتھ اور تم بھی تو خوش ہیں پھر جب کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا تو کیوں ماہنی کو یاد کر کے خود کو اذانت دیں۔“ عاشق کا نام سن کر شریل کے چہرے کارگ کہلا تھا مگر اس نے فوراً یہ عمل کرنا تھا لہذا اس نے اس تو نما چھوڑ دیا اور اب تو چیزیں یا اس کی عادت بن چکی تھی کہ ہر دوسرے تیرے دن اذان نہیں

اے پکھ نہ کچھ گفت لازمی کرتا تھا۔ اس کے تھے اس کی
مرضی اور مدد کے مطابق ہوتے تھے تاکہ قیمت کے حساب
سے ڈائینز سے لے کر پھولوں کا ایک سمجھہ اور ان سب
کے درمیان تقریباً ہوئے جو اذان کو عائشہ کے لیے اچھی لگتی
ہے اسے خرید کر دتا۔ اس کے وارد روپ اذان کی پسند کے
کپڑوں سے بھری ہوئی تھی کہ اب مزید کوئی شرکت کی
چیخناش باقی نہیں رہی تھی۔ اتنے پر فیمز اور کامنلکس کا
سامان تھا۔ اس کے پاس کہاے یقین تھا، وہ پوری زندگی ان
بیڑوں کو استعمال کر کے ختم نہ کر پائے گی۔

وہ خاندانی ریس تھا مگر عائشہ کے لیے تو یہی پادشاہ تھا۔
عائشہ نے زندگی ضرورت کے مطابق جی تھی۔ سردی گری
کے چند معمولی کپڑوں کے ساتھ اس کا پورا سال گزر جاتا
تھا۔ چند ہزار روپوں سے بڑی بڑی ضروریات پوری ہو جاتی
تھیں اور وہ اس سب میں بھی مطمئن تھی۔ میں کسی احتیت فقط
بال کے علاج سے جڑی تھی ورنہ اس کے دل میں یہ ہوں تھی
ہی نہیں اور شاید اسی لیے اسے شریعت نے بھی مشارکتیں کیا تھا
کہ وہ لاپچی نہیں تھی۔ اذان کے دیے تھوڑوں کی بات الگ
تھی۔ اس کے لیے یہ سب چیزیں بھی اضافی ہی تھیں مگر
عائشہ کو اون کی قدر تھی۔ وہ اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں کچھ
نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی محبت میں اس کے لیے اتنا تردید کرہا
تھا۔ کہتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ محبت کا روپ بدلتے گلتا
ہے، اس کی شدت کم ہونے لگتی ہے مگر ان کا معاملہ اٹ تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان کا رشتہ اور پیش مضبوط ہو رہا تھا کیونکہ
اذان کی بے یقینی کم ہونے لگتی تھی۔ فقط چند نہیں میں اس کی
پرستی میں عائشہ کو واضح فرق محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پہلے کی
طرح بخیرہ تھا مگر ہوا بلکہ اب تو ہر لمحہ اس کے چہرے پر
مسکراہٹ اور سکون نظر آتا تھا۔ اس کے وہ خواب، وہ خوف جو

اذان کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے اپنی وجہ سے
پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ان دنوں کامی و جوہ سے خاصا
مصور تھا بیتہ عائشہ کے لیے وقت بکالی لیتا تھا پھر وہی
بات کو وہ خود بناء جانے اذان کو کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔
اس کا خیال تھا کہ یہ پریشانی والی بات نہیں ہے۔ اپنا بیک
اخلاۓ وہ جلدی سے باہر نکلی تھی۔

ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی
تھی۔ حالانکہ اندمازہ تو خود کو بھی تھا مگر یقین جو خوشی دیتا ہے
اور صرف اذان ہی نہیں عائشہ بھی اس سے اپنی محبت
کرتی تھی۔ اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی بے معنی لگتے لگا
تھا۔ پاوجوہ اس کے کارہش میں کروٹیں ہوتا کہ ان کا رشتہ میں کوئی
چیزیں ایک سمجھیں کی اگلی سیری میں پہنچ گیا تھا۔ عائشہ اپنے

ہی ماں بننے کی جرسن کر خوشی سے پھولی نہیں ساری تھی کہ
سامعیہ کی پلٹسی کی اطلاع ملنے اس کی اپنی خوشی کو جارچاند لگا

گیا تھا۔ یہ وہی ڈاکٹر تھی جس کے پاس سامعیہ اُتر اپنے
چیک اپ کے لیے آیا کرتی تھی۔ پچھلے دنوں بھی وہ ایک بار
پھر اسی اسید پر ڈاکٹر کے پاس آئی تھی کہ شاید اب قدرت

مہربان ہو جائے۔ قسمت سے واقعی اس کی روپیں پاڑیں
آگئی تصویر اور سامعیہ کے لیے تو یہ کسی مجرم سے کم نہ تھا وہ
جمبوی جوسالوں سے خالی تھی، جس کے گھرنے کی اسید بھی

اب مہم ہوتی جا رہی تھی، اچانک اس خوشی کا مل جانا لغقول
میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دل اس مالک کائنات کے بجدے
میں جھکا ہوا تھا۔

”انجیلو!... آج میں سامعیہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس
گئی تھی اور آپ کو تھا ہے کہ سامعیہ ایک پیکٹ کر رہی ہے۔“
کچھ سوچ کر اس نے اپنے بجائے پہلے اسے سامعیہ کے
متعلق بتا تھا۔ اس کی بات پوری ہونے پر اذان نے یکم
سکون کا سانس لیا کیونکہ غسل کے آدمی حصے نے اسے واقعی
پریشان کر دیا تھا۔

”چلو! چھی بات ہے۔“ اب اس سے بڑھ کر وہ خبر پر اور
کیا کہتا۔ سامعیہ اور عائشہ میں دوستی تھی۔ شریبل سے تو اس
کے تعلقات مزید خراب ہو گئے تھے۔ اذان کو وہ مستقل
برنس میں اپنے نامگ وے رہا تھا اور اب باقاعدہ مارکیٹ میں
اس کا محلہ اُذان بن کر سامنے آیا تھا۔ اذان کو اس پر دیے ہی
خاصا غصہ تھا مگر وہ کام کو وہی تعلقات سے عیل بھر دکھاتا تھا۔
”ویسے میرا خیال تھا کہ شاید تم کوئی اپنی بات کرو گی۔“

اُس نے مکرتاتے ہوئے عائشہ کو چیز البتہ نہ کہا اب ہاتھ میں
پکڑے ان پہنچ پڑی جو آج ہی اس کے دل میں اسے
بھیجی تھا اور بقول اس کے یہ عائشہ کے لیے سر پرانے تھا۔
”میں بھی تو.....“ عائشہ نے ایک ملٹک کر میز پر رکھی
ڈاکٹر کی روپت اٹھائی اور اذان کی طرف پلتے اسے اپنے
متعلق بتانا چاہا تھا لیکن انفڑتے میں ہی دم توڑ گئے۔ اذان
کے ہاتھ میں پڑنے پھر میں سے کل کرکانڈ کا جو گلکڑا ابید پ
گرا تھا اسے دیکھ کر عائشہ فرز بھوگئی تھی۔ ہاتھ کا نسب
تھے اور رنگ اچانک پیلا پڑنے لگا تھا۔ اذان کی نگاہ بھی اسی
کاغذ پر تھی مگر اس کے تاثرات عائشہ سے یکسر مختلف تھے۔
اُس نے ہاتھ بڑھا کر وہ پھر اخیال اور نظر سکھیرے اس پر
لکھی تحریر پڑھنے لگا۔ یہ دم اس کے ماتھے پر بل تھودار
تھا کہ وہ اس سے روٹھ جائے۔

”مجھے آپ کو ایک خوبصوری سنائی ہے۔“ وہ بینہ پر شم دراز
تھا۔ عائشہ اس کے سینے پر ٹھوڑی ہٹکائے اس کی شرٹ کے
بٹن کو چھینتے ہوئے ہو گئی۔
”ایک نہیں بلکہ دو خوبصوریاں ہیں۔“ اس نے بے اختیار
تھی کی۔

”تمہاری دس نیز پر میرا یہ ایک سرپرائز بھاری ہو گا جو
میں تمہیں دینے والا ہوں۔“ اپنی بینہ سائیڈ پر کھاہرا اُذن لفاف
الٹھا کر عائشہ کو دکھاتے اس نے جاتے ہوئے کہا۔

”ہرگز نہیں..... آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میرے
پاس کتنی بڑی خبر ہے، اس لیے پہلے میں بتاؤں گی۔“ وہ ایک
دہم میقاتی پر ات آئی وہی بھی اس سے بڑھ کر کوئی خبر کیا
ہو کتی تھی جو وہ اذان کو سنا نے والی تھی۔

”اچھا تھیک ہے سپلٹ ہی سنا دو۔“ اس نے بے ساختہ
اُتھیا رہ لئے کہا لفافے میں سے پھر نکالنے لگا۔

”اذان یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کو تو اٹھرست ہی نہیں ہے
کوئی میری بات سننے میں۔“ تھنک ہے پھر میں نہیں بتاں۔“
یک دم انھوں کر بیٹھنے اس نے خلکی کا اٹھارہ کیا تو اذان نے نظر
الٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اپ گھٹنوں پر سر کھے منہ موڑے
تاریخ پہنچی تھی۔ یا اختیار بھی تو اسے اذان کی محنت نے ہی دیا
تھا کہ وہ اس سے روٹھ جائے۔

ہوئے تھے۔ یک دم اذان کے پڑے کے تاثرات بدلتے تھے وہ جیسے بے جمیں ہو گیا تھا۔ عائشہ بھی اسی پوزیشن میں پیشی تھی۔ اذان تیزی سے پا تھی میں پکڑے پیپرز کو والٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ عائشہ جانتی تھی اس وقت اس کے اندر کیا طوفان چاہو گا۔ بھلا اس سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا کہ اذان کیا مسوں کر رہا ہے۔

”اذان میں.....“ اس نے ہمت کر کے اپنی صفائی میں پکج کرنا چاہا مگر اذان نے اسے موقع ہی نہیں دیا۔

”تم حلی جائی ہاں سے ماشی۔“ اس نے تھی کہا۔

”اذان پیزیز میری بات نہیں۔ مجھے ایک بار صفائی کا موقع تو دی۔“ اس نے روئے ہوئے اتجاه کی۔

”میں نے کہا تاں حلی جائی ہاں سے، میں تمہاری حکمل

بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔“ وہ اس پل اتنا مشتعل تھا کہ عائشہ کیا دنیا کا کوئی شخص اسے رام نہیں کر سکتا تھا۔ یک دم اس نے عائشہ کو واپس کر دی۔ پھر نہیں کیوں سن اے لگتا تھا

”اذان پیزیز ایسا مت کریں۔“ عائشہ نے اس کے سامنے گزراتے ہوئے اتجاه کی مگر اذان پر اس وقت جو

وخت طاری تھی اسے عائشہ کی اتجاه نہیں دے رہی تھی۔ وہ زندگی میں صرف ایک انسان سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی پوری زندگی تباہ ہو گئی تھی۔ وہ

صرف اس سے نہیں اس کے پورے خاندان سے انقماض لینا چاہتا تھا۔ اس سے جڑے ہر انسان کو بتا دے رہا اور کوئی دیکھنا چاہتا تھا۔

مگر قسمت نے عائشہ کی صورت اس کے ساتھ بھروسہ اتریں مذاق کیا تھا۔ حالانکہ وہ بیچاری اس کی گناہ کا نہیں تھی مگر اذان آسان نہیں تھا۔ وہ اس وقت اتنا جزوی ہو رہا تھا کہ اس کی

فریاد و پیسیدہ اس پل اس نہیں دیکھ رہا تھا۔ عائشہ کا تھا کہ کھنپتے وہ اسے تقریباً گھستی ہوئے کمرے سے باہر لایا اور پوری طاقت سے اسے دروازے کی طرف حکمل دیا۔

”بہتر ہو گا تم خود یہاں سے چلی جاؤ..... ورنہ میں تمہیں دھکے دار کمرے سے باہر نکال دوں گا۔“ غصے میں پھونکا تادہ نگاہ عائشہ اور صابر کے آئی ڈی کارڈ کی کالپی پلی تھی جو کمر جس تیزی سے کمرے سے نکلا تھا اسی تیزی سے بڑھ پڑتا

”تم صابر کی بیٹی ہو؟“ اس نے ایک دم پر پتی و حرمت سے عائشہ کو دیکھتے سوال کیا، عائشہ سے سانس لیتا مشکل ہو گی، انکار وہ کرنیں سکتی تھی اور اقرار کرنے کی اس پل ہمت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس نے کامیتھا ہاصوں سے اذان کا پاتھ تھا منا چلا مگر اس نے ایک دم ہی غصے سے اس کا ہاتھ جھکٹ دیا۔

وہ عائشہ کو اس کا گھر واپس دینا چاہتا تھا۔ وہ تن مہینوں سے وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح شریبل سے وہ گھر خرید کر عائشہ کو واپس کر دے۔ پھر نہیں کیوں سن اے لگتا تھا عائشہ کے لیے وہ گھر اہم ہے۔ اس کے باس کوئی رشتہ نہیں تھا سوائے اذان کے مگر اس کھر میں اس کی کوئی یادیں نہیں۔ وہ اکثر اذان سے اس کا ذکر کرتی تھی۔ جب بھی میں اور بھائی کو یاد کرنی اسے اپنا گھر بھی یاد آتا تھا۔ اذان یہ کوشش پہلے سے کر رہا تھا اور اچاک اس کے وکلے نے آج اسے یہ خیر نہیں تھی کہ شریبل بناء کی شرط کے وہ گھر واپس کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اذان نہیں جانتا تھا کہ شریبل نے اسے یہ پیپرز کیوں بھجوائے ہیں جبکہ شریبل کچھ عرصہ پہلے ہی یہ ازان جان گیا تھا کہ عائشہ کا صابر سے کیا تعلق ہے۔ اذان نے افس میں کافی کھول کر نہیں دیکھے تھے۔ دیکھ لیتا تو اسی وقت بچ جان جاتا۔

”تم سب جانتی تھی کہ تمہارا باب میرا مجرم ہے، جھمیں سب پا تھا، اس کے باوجود تم میرے ساتھ جھوٹی ہمدردی کا ڈراما کرنی رہی۔“ وہ اچاک میں بدگمانی کی سرحد پر کھڑا ہوا۔ عائشہ نے فنی میں سر ہلایا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے جاری تھے مگر اذان کو اس وقت پکھ دکھانی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی دھکے دار کمرے سے باہر نکال دوں گا۔“ غصے میں پھونکا تادہ نگاہ عائشہ اور صابر کے آئی ڈی کارڈ کی کالپی پلی تھی جو کمر جس تیزی سے کمرے سے نکلا تھا اسی تیزی سے بڑھ پڑتا

و اپس کرے میں چلا گیا، ساتھ ہی اس نے کمرے کا دروازہ بھی پوری طاقت سے بند کر لیا تھا۔

شرجیل واقعی اس بار اپنا داد کھینچنے میں کامیاب رہا تھا۔ یہ پیچرے جو چھپلے کئی ماہ سے اس کے پاس تھے، اس نے بھی انہیں کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ اس کی روپی عائش میں تھی، اس کی پر پرانی تو محض اس تک رسائی کا ایک بہانہ تھی۔ جب عائش ہی اس کے پا تھے نہیں آئی تو اسے بھلا اس پر اپنی میں کیا روپی ہو کرتی تھی۔ اذان نے اس حوالے سے شرجیل کے خلاف کوڑت میں ایک کیس و اسز کیا ہوا تھا کیونکہ اس نے عائش سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اس کا گھر ضرور واپس دلوائے گا۔ شرجیل اور اذان دو قوں ہی اپنے دلیلوں کے ذریعے یہ جگل ل رہے تھے۔ شرجیل کیس ہارنے والا تھا یہ بات بھی اس کے دلک کے ذریعے اس تک پہنچ گئی تھی۔ اتفاق سے اس نے پیچرے دیکھ لئے تو خود میں مکان یعنی رضا منہ و گیا کیونکہ اس پیچرے کے ذریعے جو چھانی اس تک پہنچ گئی تھی اس کے بعد تو جیسے اذان اس کا مقصد تو پورا کرو جائے، اتنی معلومات تو شرجیل کو بھی تھی کہ صابر اس کے ناموں کا قاتل ہے۔ وہ اذان کی ذہنی حالت اور نسبیت سے بھی بخوبی واقف تھا۔ اب اگر یہ بات خاندان کو پتا چلتی یا اذان کے علم میں آئی تو یہ بات نظر امنا نہیں کی جا سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے نہ صرف یہ پیچرے اذان کو بھجوادیے تھے بلکہ عائش کی اصلیت سنبھال اور بی بی جان لائی تھا جا تھا۔

بہر حال یہ طے تھا کہ اذان کی زندگی میں عائش کی کوئی جگہ نہیں رہی تو پھر اس گھر میں اس کی جگہ کیسے ہو سکتی تھی؟ اسے اب واقعی یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ سوچتے ہوئے اس نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے تھے۔

ذرا دیکھ کے جال ستاروں کی
کوئی راجح کجھ فلندر سا
کوئی ایسا جنہر منیر پڑھ
جو کر دے بخت سندر سا
کوئی ایسا اسم عظیم پڑھ
جو ایک بہادرے جھوٹوں میں

اور جیسا تیر ادعوی ہے
محبوب ہو میر سے قدر مولوں میں
پر عالی رک اکبات کہوں
یقہ مولوں والی بات ہے کیا؟
محبوب تو ہے سر آنکھوں پر
مجھ پتھر کی اوقات ہے کیا
اور عالی سن یکام بدل
یکام بہت نقصان کا ہے
سب دھانگے اس کے ہاتھ میں ہیں

اسے امنا زہ تھا کہ اس کی بھی صورت اذان کی زندگی اور اس کے گھر میں عائش کی جگہ باقی نہیں رہے گی اور وہ دیکھا چاہتا تھا مگر صرف اتنا نہیں۔ اذان بھی تو اب اس کا دشمن تھا، اس سے بدل لینا بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا عائش کو نقصان پہنچانا۔ لہذا اب وہ اس انتظار میں تھا کیسے اپنی اگلی بازی کھیلے اور اذان کو اس کے انجام تک پہنچائے۔

اس کی آنکھ کھلی تو اردوگ را نہیں رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے پڑھتے تو تھے اور سیاہ گھپ اندری رات کی وحشت کھڑکی

جو مالک کل جہاں کا ہے

ہے یا نہیں؟

وہ اس کے گھر سے تپنا، بنا کی سامان، بالکل خالی ہاتھ
نکلی تھی۔ جسم کپڑے اور اپنی وہ سیاہ چادر جو وہ اپنے ساتھ
لائی تھی اس کا قفل اٹا شکنا۔ منزل نامعلوم تھی اور سفر طولی۔
اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جائے گی۔ راستے اختی ہوں تو
منزلوں کا تعین بھی مقدر کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس نے اب خود کو
مقدار کے پر کر دیا تھا۔ اس تو پہلے ہی خارروں سے لبربر
تھا بھلا ان حالات میں کوئی اچھی امید کر بھی کسے سکتا ہے؟
تجانے کتنے دن وہ پہلی چلتی رہی تھی۔ پہنچنیں اس مقام پر
اس کی چلی ٹوٹی تھی اور کتاب استہانے نے نگہ پاؤں طے کیا
تھا۔ پیر نو کیلے پھرلوں سے گھماں ہوئے تو ان سے خون
رسنے لگا تھا مگر جو درد اس کے اندر تھا اس کے آگے تکلیف
معمولی تھی۔ رُخْم و وقت کے ساتھ تھیک ہو سکتے تھے مگر اصل
انہیں تجدیلی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ قدم پیچے بڑھا اپنے اچانک اسے اپنی گردان
پا ایک تیز دھارا لے کی تھیں محسوس ہوئی۔ چھرے کے تیز
وار سے اس کی گردان پر گہرا گھاٹا لکایا گیا تھا۔ پہلا احساس
خوف تھا جو اپنے کم تبدیل ہو گیا تھا۔ اسے اپنے جسم
سے گرم یا لکھا محسوس ہوا جو تیزی سے اس کے کپڑے
بھگر ہاتھا۔ وہ درد سے چلانا چاہتی تھی مگر اس کی نوبت نہیں
آئی کیونکہ اس کا مضبوطی ہاتھ اس کے منہ سے لکھی جی کا گلا
گھوٹ گیا تھا۔ چند منٹوں کے بعد اس کا جسم خستہ فرش
پر بے جان پڑا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



وہ اس کے گھر سے تپنا، بنا کی سامان، بالکل خالی ہاتھ
نکلی تھی۔ جسم کپڑے اور اپنی وہ سیاہ چادر جو وہ اپنے ساتھ
لائی تھی اس کا قفل اٹا شکنا۔ منزل نامعلوم تھی اور سفر طولی۔
اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جائے گی۔ راستے اختی ہوں تو
منزلوں کا تعین بھی مقدر کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس نے اب خود کو
مقدار کے پر کر دیا تھا۔ اس تو پہلے ہی خارروں سے لبربر
تھا بھلا ان حالات میں کوئی اچھی امید کر بھی کسے سکتا ہے؟
تجانے کتنے دن وہ پہلی چلتی رہی تھی۔ پہنچنیں اس مقام پر
اس کی چلی ٹوٹی تھی اور کتاب استہانے نے نگہ پاؤں طے کیا
تھا۔ پیر نو کیلے پھرلوں سے گھماں ہوئے تو ان سے خون
رسنے لگا تھا مگر جو درد اس کے اندر تھا اس کے آگے تکلیف
معمولی تھی۔ رُخْم و وقت کے ساتھ تھیک ہو سکتے تھے مگر اصل
انہیں تجدیلی تھی۔

چلے چلے جب پاؤں شل ہو گئے تو وہ رُك کر مزار کے
احاطے میں بیٹھ گئی تھی۔ بیہاں سے روشن سائنس اسے مزار
کے اندر لے گیا۔ مزار کے چھین میں بیٹھی تو وہیں کی ہو گئی۔
جانے کے لیے کوئی حجہ بھی تو نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو
عائشہ شاہید بیہاں سے کہیں نہ جاتی کیونکہ اس جگہ اسے کوئی
نہیں جانتا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق، نہ اپنی،
نہ حال اور مستقبل تو نامعلوم ہی تھا اور نا امید بھی۔

وہ بھی سب خواہشات کو تیاگ کر مزار پر بیٹھ گئی تھی۔

سیاہ چادر سے اس نے خود کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ کوئی
اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شروع میں لوگوں نے اس کے
متعلق بہت سی قیاس آرائیاں کیں مگر وہ اپنی ذات میں گم
رہی تھی۔ اسے اب گھر کی رائے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
روشن سائنس نے بہت کوشش کی کہ اس سے اس کے بارے
میں کچھ پوچھ سکیں مگر ناکام رہا تھا۔ جو سب کچھ بھولنا چاہتی
تھی کیسے سب کو اپنے بارے میں بتائی۔ اس لیے اس نے
کبھی اس کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

عائشہ پھٹے ایک سال سے مزار پر بیٹھی تھی اور اسے
کچھ خبر نہیں تھی کہ پیچے جو رشتہ چھوڑ آئی ہے، وہ قائم بھی

کل افغان

صلیٰ عزیز صداقی

ساجد کلاس میں بیٹھا نجاتے کن خیالوں میں مگن تھا، استانی بچوں کی کامیوں پر نظر رہا میں بڑی اوج سے کام چک کر رہی تھیں۔ کلاس کے کچھ بچے اپنی کرسیوں سے اٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ ساجد کلاس میں تو تھا لیکن دماغ اس کا گھر رہتا۔ استانی نے ساجد کو خالی بیٹھے دیکھا تو اس کو اپنے پاس پلایا وہ ہڑ بڑا کر اٹھا اور استانی کے پاس بیٹھ گیا۔ استانی کے زیادہ اصرار پر ساجد نے اسی اور ابو کی لڑائی کا بیٹایا۔ انہوں نے ساجد کو بچا کر کام میں مصروف کر دیا لیکن وہ سوچتے تھی کہ والدین بچوں کے سامنے کیوں مم اسی رہاتھا۔

”آخرا بونے ابی کو کیوں مارا؟“ یہ سوال اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ اسکوں تو آگتا تھا اس کا دماغ وہیں دو پھر میں ساجد جب گھر پہنچا تو اسی کے سر میں پٹی بندگی ہوئی تھی پھر بھی وہ کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔



ساجدی کی چھوٹی بہن قریب ہی مکھلوں سے کھیل رہی تھی۔ نے اپنی زندگی میں آئے ہوئے نشیب فراز کو بڑے اس نے طریقے سے نجھایا تھا۔

حیدر آباد سے خالدزادہ بہن آئی ہوئی تھی۔ ساتھ میں خالہ بھی آئی تھیں امی کی بیماری کا سان کر۔ ساجد کو ملینا ہو گیا تھا کہ گھر میں کوئی آگ گیا ہے، وہ اپنے سمسزی تیاری میں لگ گیا تھا۔ خالنے گھر کا سب کام منجل لیا۔ خالکی بیٹی بے بی ابھی میرٹ کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی۔ خالہ کو کراچی میں اپنے گھر کے سلسلے میں پچھوکام تھا۔ ان کو زیادہ عرصہ رہنا پڑا۔ ساجد ملٹمن تھا۔ وہ بھی بھی اپنے با کے بارے میں سوچتا تھا کہ کہاں گئے؟ جب ان کی اپنے کئے گئے ظلم باتیں تو سوچ سے سر جھک کرداں بجالیتا تھا۔ عذر اور اپنی طبیعت کی تھی۔ گھر میں رونق لگی رہتی تھی۔ خالہ بے خوب بہلہ گا کرنی تھی۔ گھر میں رونق لگی رہتی تھی۔ خالہ بے بی کے ساتھ لکر بی کوڈ اپنی توپا نو منگ کر دیتی تھیں۔

”اے کلثوم رہنے والے مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مت لو کا کر“ یا نو اپنی زندگی کا سوچتے ہوئے کہ گئی تھی۔ عذر اپنے بی کو گھستی ہوئی دوسرے کمر سے مٹ چلی۔ ساجد نے کچھ میں جوڑ کے تھے اور کچھ اسی سے لے کر اوپر اپنا ایک کروہ۔ خالہ تھا۔ جہاں اس کے پڑھنے لکھن کا سامان تھا۔ بس یہ تھا کہ کوئی اس کے کمر سے مٹ نہیں جاسکتا تھا۔ بے بی نے عذر اکوبیتا تھا کہ بھائی کے کمر سے میں کرفول گا رہتا ہے۔ ”تو کیا ای بھی نہیں جاسکتی؟“ بے بی نے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

”کب تو میں جا کر دکھاؤں گی۔“ چکلی وہوپ کی تمازت نے ساجد کے پھرے کو سینے سے بھکور کھا تھا۔ آج فیں جمع کرنے کی آخری تاریخ تھی۔ کافی بی لائن تھی اور کتنا وقت لگے گا یہ بھی اسے معلوم نہ تھا۔ آج ناشستہ بھی اکبر (ساجد کا باپ) کا بھیں کچھ پتائے تھا۔ اسی نے تو چپ سادھی تھی۔ ماموں نے بھی کئی بار پوچھا، اسی کو معلوم ہی نہ تھا تو کیا بتاتی۔ جتنی کاتام گاڑی ہے کہتے ہیں ایک تباش جو اس کی کلاس قیلوقتی، اپنی روستوں میں مگن اس کے پہنچے خراب ہو جائے تو گاڑی چلنابند ہو جاتی ہے لیکن بانو قریب آگئی۔

ساجد نے اہر اہر دیکھاں کو اب کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ خاموشی سے یونیفارم بدل کر مدد ہاتھ دھونے چلا گیا۔ اسی نے کھانا تیار کر کے میز پر رکھ دیا اور خود آرام کرنے چلی گئیں۔ وہ جب مدد ہاتھ دھونے کے قریب پہنچا تو اسی کو ناپاکر ”آئی امی“ نی صدرا کاتا ہوا ان کے کمر سے میں داخل ہوا۔ جہاں اسی بستر پر آس رام کر رہی تھیں۔ ساجد نے صدر کر کے اسی کو اٹھایا اور کھانے کی میز پر لے لیا۔ یہ بزرگی ان کو کھانا کھلا کر دروکی لوکی اور سونے کی تاکیدی۔ ساجد اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ کھلیتارہ۔ جب وہ تمکھی تو اسی فیڈر تیار کر کے ووہ پلایا اور سلا دیا۔ چون کو صاف کر کے اپنا ہو رک کرنے لگا تھا۔

آن بیوگھر سے گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ ابوکی پرائیورٹ ٹاؤن کری گھری۔ روز روکی چھٹی سے تو کری سے باتھ ہو پہنچتے تھے۔ اب تو ہوائی روزی پرانا کا گزارا ہو رہا تھا۔ مال کی مسجدواری کی وجہ سے کچھ میں جمع ہے کیونے کھے تھے اور پھر خود بھی پڑھی لامبی تھیں گھر میں پیش نہیں کروں یا لیا تھا۔ پانو بہت محنت سے بچوں کا پڑھانی تھی کہ ہر ایک کی خواہش ہوئی کہان کے بچوں کی بیانی تعلیم یا توہنی سے ہو۔ جگدی کی ہونے کی وجہ سے وہ تم بچوں کو ہی پڑھانی تھیں بس اسی طرح سے گزارہ ہو رہا تھا۔ فر کا سارا خرچ یا نو کی ذمہ داری تھی۔ ساجد گھر کے حالات دیکھ دیکھ کر کافی سمجھدار ہو گیا تھا۔ پانچ سال کیے گز رکنے، ساجد انہیں تنگ کے سلسلے سال میں تھا۔ مال کی محنت رنگ لائی۔ عذر اپنی بڑی ہوئی تھی، آخویں جماعت میں آچکی تھی۔ مال نے گھر کو بھی اچھے طریقے سے سجا یا لیا تھا۔ گھر میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

اکبر (ساجد کا باپ) کا بھیں کچھ پتائے تھا۔ اسی نے تو چپ سادھی تھی۔ ماموں نے بھی کئی بار پوچھا، اسی کو معلوم ہی نہ تھا تو کیا بتاتی۔ جتنی کاتام گاڑی ہے کہتے ہیں ایک تباش جو اس کی کلاس قیلوقتی، اپنی روستوں میں مگن اس کے پہنچے خراب ہو جائے تو گاڑی چلنابند ہو جاتی ہے لیکن بانو قریب آگئی۔

”کیا ہوا ساجد کوئی کام؟“
”بھیں کوئی کام نہیں۔“

”اچھا یہ روں لو تمہارے لیے لائی تھی اور ساتھ میں یہ
کولڈر نک۔“ وہ منع کرتا رہا اور وہ پڑا کر چل گئی۔

”واہ رہے اللہ میاں اتی جلدی خواہش پوری کرنا
ہے۔“ ساجد نے دل میں سوچا۔

نیشا اس کی کلاس فیلوؤٹھی ہی اس کی بہترین دوست
بھی تھی۔ وہ دفعوں اپنی پر ابلم ایک درمرے سے شیئر کرتے
تھے۔ نیشا کے باپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی یہوی
گاؤں کی تھی اور دوسرا یہ لکھی تھی، تیسی کا لجھ کیلئے پھر اچھی۔
نیشا کا باپ نیشا کی ماں سے بہت تھی کرتا تھا۔ زمیندار لوگ
تھے، مل شریف تھی۔ گزار کر ہی تھی۔ آج بھی زوہرا اپنی
دوستوں کو پارٹی دے رہی تھی کہ کسی نے پارٹی کی وجہ پر بھی
تو اس نے ہستے ہوئے کہا۔

”آج میرے باپ کو اپنے کے پاتوں کے نے کاٹ لیا
ہے اس خوشی میں تم سب کو پارٹی دے رہی ہوں۔“
”کچھ تو شرم کرو۔“ رینا نے اپنی مسکراہٹ دیا تے
ہوئے کہا تو نیشا نے اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
”اپنے کھل کر بننا کرو۔ ایسے باپ کے لیے اسکی ہی
پالی ہوتی رہتی چاہیے۔“

”چلو چلو جلدی کرو کلاس شروع ہونے والی ہے۔“ رینا
نے اپنی کولڈر نک ختم کرتے ہوئے آواز لگانی۔ سب کی
سب دوڑ کر کلاس میں پہنچ گئیں۔

ساجد کا لان لینے کے موڑ میں نہیں تھا وہ بہت تحفہ چکا
تحاگھر جانے کی جلدی تھی۔ نیشا کلاس میں ساجد کی راہ
دیکھ رہی تھی وہ نہیں آیا تو اس کو لکھ رہی تھی۔

ساجد کی موڑ بائیک کی آواز سن کر بے بی نے ہی
دروازہ ھولا تھا۔

”عذر را کہاں ہے؟“
”وہ کام کر رہی تھی اس لیے میں گئی دروازہ کھولنے۔“
”ہمہ سے۔“ ساجد نے گھر اس لیا، اسی نے اس کے

لیے کیری کاشہر تیار کر رہا تھا، گرم ہوا بھی چل رہی تھی
ایسے وقت میں اکرٹھندا ٹھندا کیری کاشہر تیار جائے تو
ساجد کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی تھی۔ عذر اٹھندا جوں بھائی کو
تھماہے ہوئے بوی۔
”بھائی آج شام کی پارک میں لے چلو۔“
”کیوں؟“ ساجد بولا۔

”گری بہت سے اور بھر بے بی کو بھی آئے ہوئے کافی
دن ہو گئے ہیں اس کو بھیں گھلانے بھی نہیں لے گئے۔“
ساجد کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عذر ابھائی کا
جواب نہ پا کر خاموش ہو گئی۔ عذر رائے اخوبے کام مکمل
کرنے میں لگ گئی۔ بے بی گو کہ بھی نہ تھی۔ عذر کے
مقابلہ میں کافی تیر بھی بنتی اسکی تھی جسے کچھ جانتی تھوڑہ بھی
ساجد کا وید کیکر کی نظر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

خالہ کا کام ختم ہو چکا تھا، وہ حیراً آپ جانے کو بہت
اصرار کر رہی تھیں، ہانوچاہ رہی تھی کہ ابھی اور رک جائیں پر
خالہ نہ میں الہ آج شام کی رواگئی تھی، گھر میں بھی میئے اور
میاں کو چھوڑ کر آئی تھیں۔ خالہ چل کیں تو گھر میں کافی
خاموشی ہو گئی تھی۔ ہانوچاہ نے بچوں کی پڑھائی میں مصروف
ہو گئی، عذر ابھی امتحان کے ڈر سے بڑھائی میں مصروف
ہو گئی تھی۔ ساجد کی اٹریشپ شروع ہوئی تھی وہ رات کو جسی
دیر سے گھر آ رہا تھا۔ اسی رات دیر تک جانے کی وجہ سے
بیمار ہونے لگیں۔ ساجد کو بھی کام کرنا ضروری تھا، عذر را
شروع سے ہی نہیں کیجی تھی۔

ساجد کا طیاری سال ختم ہوئے والا تھا۔ تو کری کی پیکش
ہو رہی تھی۔ وہ صرف بلی پیٹھل پیٹھنے کو ہی ترجیح دیتا چاہ رہا
تھا۔ اس نے ماں کو بھی منع کر دیا تھا۔ بچوں کو پڑھانا بند
کر دیں اور عذر کا شادی کی ٹکر کر دیں اور شستہ ڈھونڈ دیں۔

”ای..... ای..... ای۔“ کہتی ہوئی بیل پر سے انکی
ہٹانا جیسے بھول ہی گئی تھی۔ اسی نے دروازہ کھولا سامنے عذر را
کالج ڈریس میں بھی چہرہ پسیے سے بھیگا ہوا اور بال ماٹھے پر
بکھرے ہوئے تھے۔

”کیا ہوا؟“ پانوری شان ہو گئی۔

”وہ اسی بے بھائی کا تامیرے پیچھے لگ گیا تھا۔“ اسی نے پہنچ ہوئے کہا۔

”ارے وہ پلا ہوا کتابے کا ناہیں ہے۔“
”ارے چھوڑیں آج تو اس نے حد ہی کر دی۔“ وہ مٹ پر پانی کے چھینٹے مار دی گئی اور ساتھ ہی ساتھ بات بھی کر دی گئی۔

آئے، ایک کال نتا شا نام کی بڑی کی بھی تھی۔“ وہ پکڑے ختم ہوتے تھے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کو نتا شا کی مدد یاد آ رہی گئی، کس سب طرح اس کی فیض جمع کروادی گئی۔
بھی توں کی فونوں کا لی کروادیں، ساجد کو پاری باری نتا شا کی ہمدردیاں یاد آنے لگی، ہائے اس کی قسمت باپ ہوتے ہوئے بھی ہبھی باب نہیں تھا، یہ اسی بات میں اور نتا شا میں ممااثت رکھتی تھی۔

”ہائے نتا شا یہی ہو؟ یونیورسٹی چھوڑے بھی ایک ماہ ہی ہوا ہے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے رسول بیت گئے۔ ایک خوشخبری ہے وہ یہ کہ نکری توکری الگ گئی ہے۔“
”واہ ساجد مبارک ہو۔ مٹھائی تو پکی ہے تو پھر کرب کھلا رہے ہو؟“

”جب تم کہوا بھی حاضر ہو جاؤ۔“

”نه بابا بھی میرا بابا آیا ہوا ہے۔“ اس کی بات پر وہ بھائی فون بھول گئے ہیں کوئی پیغام ہو تو بتا دیں۔“

”اچھا جب تم کہو گی تب میں مٹھائی کھلادوں گا تھیں کہ نتا شا بولی۔“

”مٹیں رہنے دیں میں پھر بات کر لوں گی۔“ اسی بھی عذر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ فون آف ہو چکا تھا، عذر رہنے کا مام میں صرف ہو گئی۔
ساجد خوشی خوشی گھر میں داخل ہوا اسی بھول کو پڑھا کر چائے پی رہی تھیں۔ ساجد کو خوش ہوتے دیکھا تو پوچھ لیا۔
”کیا ہوا ساجد..... خیر تو ہے؟“

”جی اسی سب خیر ہے، آپ کو ایک گل نیوز سنا ہوں، مجھے میری مرضی کی نوکری مل گئی ہے۔ اب ہمارے اچھے دن آگئے ہیں اسی اسی بھول کو پڑھانا چھوڑ دیں۔“
”ارے بیٹا اللہ نے ہیلے بھی اچھے دن رکھے تھے اس مالک کا شکرے کہ اب بھی اچھے ہی دن ہیں۔ مبارک ہو بیٹا۔“ اسی یہ کہہ کر دو رکعت نماز شکرانے کے پڑھنے میں نکلیں۔ عذر انے چائے کے ساتھ پکوٹے بنائے تھے وہ بھی رکھ دیئے۔ ساجد مڑے لے کر کھارہا تھا، عذر کی آواز پر چڑکا۔

حیدر آباد سے خالہ، خالو اور بے بی گھر آئے ہوئے تھے۔ ان کا اب کراچی میں مستقل رہنے کا ارادہ تھا۔ جب خالو نے دیکھا کہ ساجد اجیسی نہ گیا ہے اور اپنی توکری بھی مل گئی تو خالہ کے ذریعے بے بی کا رشتہ گئی دے ڈالا۔ اس نے پہلے ساجد پر چھوڑ دیا تھا، ساجد کو بے بی ایک آگھہ وہ بھائی آج موبائل نہیں لے کر گئے تھے۔ کافی فون بھائی تھی دیتا تھا۔

کرنے سے باز نہ آئی۔

”بھائی جائیں پازار سے تکہ بوفی، گولہ کتاب سب لے کر آئیں۔“

”کیا کھمرہ ہی ہو، نہاری، کتاب بنالیے ہیں۔ بس کافی ہے۔“ ساجد کتاب بازار نے والا تھا۔ بہن کی فرمائش تو مرتبا شا کا استقبال اجتماعی طریقے سے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جب گواری کی چالی اٹھائی تو مرتبا شا نے اس کا ہاتھ پکولیا۔

”اب باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھی بہت ہے۔ میں آج اسی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہی کھاؤ گی۔“ ساجد حیران ہوا، مرتبا شا کے انداز نے اور بھی دل خوش کر دیا تھا۔ وہ رک گیا، عذر را پچھے چکیے سب دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں سب کچھ لگا گیا تھا۔ یہی خالہ کو رشتے سے منع کرنے کی وجہات، جناب پسند کرتے تھے پر اظہار کرنے سے ڈرتے تھے، محبت ایسی چیز ہے جو سب کچھ عیاں کر دیتی ہے کوچھ چھٹائیں۔

”ساجد یہ کیک لائی ہوں، تمہیں کیک بہت پسند ہے تاں؟ میں نے بھی جاپ کر لی ہے۔ اسی کو لے کر اپلی رہ رہی ہوں، ابو نے پیدا نہیں کر دیا تھا تو مشکل ہو رہی تھی۔“

جیدا آپ روشن ہو گئے، اسی خالو کے اس فیصلے سے ناخوش تھیں خالہ بھی اسی کے انکار سے ناراض تاریخی لگ رہی تھیں۔ اسی بھی کیا کر سکتی تھیں روک بھی نہیں پائیں۔

.....

”وہ ہوش میں نہ تھے، اس کو لوگا بھی اس کے والد ہیں،“ کافی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ بھی اس کے والد ہیں، ابھی اسی کو نہیں بتایا۔ ب کیا کروں؟“ مرتبا شا ناخوش تھی۔

”چلو تم کو تھامہ والد مل گئے۔ ساجد تم ان کو لے تو۔“

”نہیں وہ آتا ہی نہیں چاہ رہے ان کو کچھ ہوش ہی نہیں ہے۔“

”اچھا تو پھر ای کو بتاؤ، دیکھو وہ کیا کہتی ہیں۔“ عذر اکھانا لگاتے ان لوگوں کی ساری باتیں سن رہی تھی اور ساتھ ہی بھائی کے انگ انگ سے واقف تھی، وہ سمجھنے تھی لہذا انک ساتھ اسی کے گوش گزار کر رہی تھی۔ اسی تواب ہر چیز کے

کے گھر اس کا محبوب آیا تھا۔ وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔

”ای کیا کپکالا ہے، بازار سے کچھ لے دیں کیا؟“ عذر

”بھائی کے انگ انگ سے واقف تھی، وہ سمجھنے تھی لہذا انک ساتھ اسی کے گوش گزار کر رہی تھی۔ اسی تواب ہر چیز کے

عذر نے کھانا لگایا، خالو خالہ سے آگھوں تی آگھوں

میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے رکاشم خالہ خاموش میں خالو سمجھ گئے تھے اسی لیے کھانا کھا گرفراہی اپنے گھر جانے کی تیاری کی، ان کا رادہ کرائی میں رہنے کا بھی متوتو ہو گیا اور

جیدا آپ روشن ہو گئے، اسی خالو کے اس فیصلے سے ناخوش تھیں خالہ بھی اسی کے انکار سے ناراض تاریخی لگ رہی تھیں۔ اسی بھی کیا کر سکتی تھیں روک بھی نہیں پائیں۔

.....

ساجد پریشان تھا وہ گھر آیا کہ اس کے گھر کے سامنے

مرتا شا کی گواری کھڑی تھی۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ خوشی سے جھوٹا گھر میں داخل ہوا تو وہ عذر سے

باتیں کر رہی تھی۔ اسی کھانا تیار کر رہی تھیں۔ آج مرتبا شا پہلی بار اس کے گھر آئی تھی۔ اسی کھانا کھلانے بغیر نہیں جانے دیتا چاہ رہی تھیں۔ سامنے ساجد کو گھر سے بیلا تو چجرے پر

بھی سرفی چھانے لگی۔ ساجد کو کچھ سوچنیں رہا تھا آج اس

کے گھر اس کا محبوب آیا تھا۔ وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔

”ای کیا کپکالا ہے، بازار سے کچھ لے دیں کیا؟“ عذر

”بھائی کے انگ انگ سے واقف تھی، وہ سمجھنے تھی لہذا انک ساتھ اسی کے گوش گزار کر رہی تھی۔ اسی تواب ہر چیز کے

کے گھر اس کا محبوب آیا تھا۔ وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔

”بھائی کے انگ انگ سے واقف تھی، وہ سمجھنے تھی لہذا انک ساتھ اسی کے گوش گزار کر رہی تھی۔ اسی تواب ہر چیز کے

لیے تیار تھیں، انہوں نے سب کچھ ساجد پر چھوڑ دیا۔ آئیں۔ اب بھائی کی شادی کر دیں، امی عذر را کے چکر میں اس کا باپ تھا وہ جو بھی کرے گا احتماً کرے گا۔ تھیں کہ پہلے اس کی شادی ہو جائے لیکن ابھی تک کوئی صحیح رشتہ نہیں آیا تھا۔ اب عذر را کی خد کے آگے امی بجدوں کھانا کھا کر نشاستھا نے امی کا تھکریہ ادا کیا۔ عذر ابھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دوبارہ آئے نے کا کہا بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کیک لائی ہیں، ہم مٹھائی لے کر آئے گے۔

”خوش ہو گئی۔“ ”ہوں تو جناب شادی کے لئے تیار ہیں۔“ کیونکہ تشاکب تک امی کے سہارے زندگی گزارنی امی کی بھی طبیعت خراب ہے گلی تھی۔ اس کے والدایسا یے رشتے بیخ رہے تھے کہ تشاکب پریشان ہو گئی تھی۔ جب ساجد نے اپنی فیصلی کو ان کے گھر پہنچنے کا کہا تو تشاکب بہت خوش ہو گئی۔

”میں اس نے کہہ دیا امی سے۔“

”ساجد کی امی اور بہن آپ سے ملنے آرہی ہیں، شام کے بعد ہی چلا کر یہ سیرے لو گیں، بہت کوشش کی کہ گھر لے آؤں لیکن مزار کے لوگوں نے منع کر دیا۔ میں واپس آگیا۔ امی چلپیں اب لوگوں سے ملنے آتے ہیں۔“ ساجد کی فتحیں دیکھ بھال کے لیے ایک لڑکی رکھی ہوئی تھی وہ بھی ابوگاؤں سے لے لائے تھے۔

شامِ حل رہی تھی، ہلکی ہلکی خشنڈی ہوا۔ میں درخت کے پتوں سے پھیل پڑھاڑا میں مصروف ہیں۔ تشاکب کی نہ کرکھری کھڑی لگ رہی تھی۔ سرخ اور ہلکے نیلے رنگ کا لباس اس پر فخر رہا تھا۔ تشاکب صرف ساجد کے لیے ہی تیار ہوئی تھی۔ بالوں کو ذرا تینی کرتی سوچ جوں میں کم تھی۔

سجادا پتی امی اور بہن کے ساتھ تشاکب کے گھر آیا اور تشاکب کو تیار دیکھ رہی تھی۔ بانو نے تشاکب کو آنکھوں پہنائی اور تشاکب کی والدہ سے شادی کی تاریخ ملے کرنے لگیں۔ آج ساجدی کا گھول کی پیاس بچ گئی تھی۔

”چھوٹیں، خوشیوں بھرے گھر میں پھر خاموش ہبھاریں لوٹ گئیں، خوشیوں بھرے گھر میں پھر خاموش چھا گئی۔ ساجد کو تھی سمجھا جائے میں دریگ رہی تھی، امی اس کو دیکھ رہی تھیں، برہ نہ پا سکیں۔“ ”پٹکاں کی سوچ رہے ہو؟“

”چھوٹیں امی۔ امی آج میں مزار پر گیا تھا مجذب اس بابا میں کیا کشش تھی کہ میں کھنچا امی چلا کیا۔ کافی نوششوں کے بعد ہی چلا کر یہ سیرے لو گیں، بہت کوشش کی کہ گھر لے آؤں لیکن مزار کے لوگوں نے منع کر دیا۔ میں واپس آگیا۔ امی چلپیں اب لوگوں سے ملنے آتے ہیں۔“ ساجد کی فتحیں پیار میں بدل گئیں۔ عذر ابھی ماں سے بھند ہوئی، امی دونوں کے اصرار پر راضی ہو گئیں۔

مزار پر عقیدت مندوں کا الجھم لگا ہوا تھا، قوالی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ساجد اور اس کی فیصلی نے پہلے مزار پر حاضری دی اور پھر حجاج اوان کو ابو کے پاس لے لایا۔ یہ کیا؟ وہ جگہ خالی تھی۔ اور گرد کے ملک بابا سے پوچھا تو تھا چلا رات انتقال ہو گیا تھا۔ یہ جو مزار کے قرب قبر ہے یہ امی کی ہے۔

”اف میر اللہ چہرہ دیکھنا ہی نصیب نہ ہوا۔“ ماں کے آنسو، بہن کی روئی کی آواز کس طرح سے ساجد نے ان کو سفصالا، کچھ دیر میشے اور واپس آگئے۔ خاموشی سے سوئم کی فاتحہ ہو گئی۔ تشاکب آنکھی تھی، ہلکا چارا فرادے نے سوئم کی فاتحہ کر لی۔ خالہ خالو نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ ماموں جو شروع شروع میں آتے تھے وہ بھی آسٹریلیا شفت ہو گئے تھے امی اب بالکل تباہہ گئی تھیں ایک اب اک ملنے کی امید تھی وہ بھی اس قسم ہو چکی تھی۔

عذر ماں کے پیچے گلی ہوئی تھی۔ تشاکب آپ کو لے

میرے سکھاں

فترہ اعین سکندر

محبوب سے دور ہونے کا سوچ کر میرب سکندر کو بروقت

گھینہ اور چودھری ال میں پتھر کلائی دیکھ کر زیرینہ بیکم
اپٹال پہنچا کر اس کی جان پھاٹتی ہے اور اس کے گھر
والوں کا نے کے بعد کافی دیر سے گھر پہنچتی ہے تو اس
کے والد عثمانی صاحب کافی پریشانی سے بیٹھے ہوئے ملتے
ہیں اور اس کے دیر سے آنے کا پوچھتے ہیں جس پر میرب
سارا قصہ سنادیتی ہے۔ چودھری رب نواز فون کر کے ال
سے اس کے نا آئے کو پوچھتے ہیں اور اس کو سکندر کے
ایکیڈنٹ کا بتا کر کہتے ہیں کہ وہ سکندر سے مل آئے اور دو
دن تک گاؤں والوں کی بھی تاکید کرتے ہیں۔
اب آگے پڑیے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

گھینہ اور چودھری ال میں پتھر کلائی دیکھ کر زیرینہ بیکم
فوراً مداخلت کرتی ہیں اور چودھری ال کا غصہ شمندا کرنے
کی کوشش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور ان کے
جانے کے بعد وہ گھینہ کو سخت الفاظ میں برا بھلا کہتی ہیں اور
اس بجھ سے پتھر کے لیے گھینہ، زیرینہ بیکم سے اپنے
باپ کے پارے میں بھیتی ہیں تو زیرینہ بیکم چپ ہو جاتی
ہیں۔ عالی کی طبیعت حرب ہو جاتی ہے جب اس کی ماں
دیکھنے آتی ہیں تو عالی ان سے ال سے شادی نہ کرنے کا
کہتی ہے اور عالی کی طبیعت مزید خراب ہو جاتی ہے اپنے



شفقت کی تھی۔ اس رویے سے چودھری شاہنواز نے نیگم شاہنواز کو دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہوں وہ کھو میں نہ کہتا تھا کہیم انتخاب بہترین ہے، آخیر میرے بھائی کی اولاد پاس جاتا ہے۔“ ال نے اسے پوری بات بتائی اور نہال نے اس کی بات سن کر اشیات میں سرہلا دیا۔

”یار پہلے کچھ کھا تو لیتے۔“ نہال نے تعجب سے کہا۔ اب تو پہل پھر رہا ہوں، میں ہاتھ کی پیٹی کھلنے میں وقت لگے گا۔“ سکندر نے فس کر کہا۔ چودھری شاہنواز کی نظر پھلوں کے نوکروں پر پڑی توہہ فس دیئے۔“ یہ رب نواز بھی تاں، اس نے یہاں بھی تکلفات شروع کر دیئے ہیں۔“

”جی بانے کہا تھا خالی ہاتھ نہ جانا۔“ ال نے سادگی سے بتایا، آخر کو ان لوگوں کا گھرانہ تو ایک ہی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان کے والد محترم نے اپنی زندگی میں ہی آنے والی پریشانیوں اور خطرات کے پیش نظر پہلے ہی بنوارا کر دیا تھا کہ دونوں گھرانے حسن سلوک سے رہیں اور اس بات کو وقت نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ سب پیدا سے رہ رہے تھے۔ اپنی اپنی اراضی میں وہ اپنے حساب کتاب میں مکن تھے پھر یا توں ہی یا توں میں دو حصے کیے گزرے حساص ہی نہ ہو سکا۔ اس کے بعد ال نے اجازت طلب کی۔

”جی بس، ہمارا بھی کام مکمل ہو گیا ہے، تم بھی سکندر کو سیدھا گھر ہی لے جارہے ہیں۔“ چودھری شاہنواز نے بتایا۔

”تم نہیں پہل رہے گاؤں، یہاں کچھ کام تھا کیا؟“ سکندر نے براہ راست ال سے دریافت کیا۔ ال لمحہ بھر کے لیے گز بڑا یا پھر حل سے بولا۔

”ہاں بانے کچھ میںی کاغذات کے بارے میں بھیجا تھا لک، وہ بھی ہو گی۔“ ال نے سچھل کر جواب دیا۔

”اچھا باب میں چلتا ہوں۔“ ال نے لبے لبے گز بھر جا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شاہنواز نے خوش قوی۔

”سکندر کیسا محسوس کر رہے ہو؟“ سکندر، ال سے

چھوٹا تھا اور اس ناتے ال کے لبچ اور انداز دونوں میں کہنے پر سکندر نے اجنبی سے ان کو اور پھر تیج

”سنوم گاڑی تیار کھانا میں ایک گھنٹہ میں تیار ہوتا ہو، راستے میں پھل بھی لینے ہیں، مجھے اپنے کزان کے پاس جاتا ہے۔“ ال نے اسے پوری بات بتائی اور نہال نے اس کی بات سن کر اشیات میں سرہلا دیا۔

”یار پہلے کچھ کھا تو لیتے۔“ نہال نے تعجب سے کہا۔ ”ہونہ، بھوک نہیں میں سے تم ویسا کرو جیسا میں نے کہا۔“ اس نے بے دلی سے لھانے کی طرف نکلا ڈال اور اٹھ کر اڑا ہوا۔ اس کے نہانے اور تیاری تک نہال نے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اس کے بعد کار میں پیٹرول اور اپنی چیک کیا اور ال کی آمد سے پہلے پھلوں کا توکہ بھی گاڑی میں رکھا دیا تھا۔ ال جب بھر پور تیاری میں آیا تو نہال کی آنکھیں چک اٹھیں۔

اگرچہ ال دوستی دن سے ملکجے سے جیلے میں تھا مگر اس وقت شیو تازہ بنائے اور بہترین بیس میں بے حد و چیزہ لگ رہا تھا۔ اس کی بربی حرکتیں اس کے چہرے کی خوب صورتی کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھیں۔ اس کا اصل کردار اس کی راہ میں کاٹنے بلکہ رہا تھا۔

”واہ..... شہزادے لگ رہے ہو۔“ نہال نے اس کی دل سے تعریف کی توہہ مکرا دیا، جب وہ لوگ باہپھل پہنچ تو اس وقت سکندر کو ہاپھل سے ڈھارچ کیا جا رہا تھا۔ وہاں چودھری شاہنواز اور تیگم شاہنواز کے ساتھ ایک لڑکا افتخار بھی تھا جو پہلی مرتبہ ال نے دیکھا تھا۔ چودھری صاحب نے المہان طریقے سے ال کو گلے سے لکایا۔

”برخوردار اچھا گا تھا را یہاں آتا۔“ تیگم شاہنواز اس وقت غیر متوقع طور پر داما کو دیکھ کر حلہ سی گیس جبکہ خود اس ابھی تک اس ساری بات سے ناواقف تھا، ساری بات اس وقت بڑوں کے درمیان ہی طے پائی تھی اس میں بچوں کا کوئی کردار نہ تھا، حتیٰ کہ ابھی تک سکندر کو بھی رائے کے لیے ال کا حوالہ نہ دیا گیا تھا۔

”سکندر کیسا محسوس کر رہے ہو؟“ سکندر، ال سے چھوٹا تھا اور اس ناتے ال کے لبچ اور انداز دونوں میں

شاہنواز کو دیکھا۔
 ”میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا اب تو وہ جمال
 کرزن ہے اور کرزن ہونے کے نتائے اپنا ہے لس۔“ سکندر
 نے حیرت سے جواب دیا۔
 ”اوہ ہو بیٹا..... دراصل ہم لوگ کسی اور ہی انداز سے
 ال کو دیکھ رہے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہاں رشتے
 ہاتوں کا معیار و دیروں کو تجھنا پڑتا ہے، تمہاری باتی عالیٰ
 کے لیے ہم نے ال کو پسند کیا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس
 میں کچھ برائیاں ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ وقت کے ساتھ
 ساتھ وہ بھی دور ہو جائیں گی۔“ چودھری شاہنواز نے سکندر
 کو اعتماد میں لینا پاچا مگر سکندر کامنہ کھلا کا کھلا رہا گیا۔
 ”لما چان وہ سب تو درست ہے مگر اردوگرد اور بھی تو
 اونچے خاندان ہوں گے صرف ال ہی کیوں؟ آپ
 جانتے ہیں کہ اس کے کوارڈ میں جھول ہے۔“ سکندر خود کو
 یہ باور کروانے سے روک نہیں بیا اور اس کے اتنا کہتے ہی
 چودھری شاہنواز تھے سے اکھڑ گئے۔
 ”لیں ترایاں، بھی دشمنوں کی ہی بیبا کر دہی ہیں، تم نے
 دیکھا وہ کس قدر مہذب انداز میں مل کر گیا۔“ چودھری
 شاہنواز کا غصہ دیدی تھا۔
 ”اچھا بھی اب جانے بھی دیں ان باتوں کو، مگر چلتے
 ہیں، مجھے تو اس ہاپل کے ماحول میں سانس لیتے میں
 بھی دشواری ہوتی ہے۔“ بیگم شاہنواز نے برا سامنہ بیلا
 جس پر سکندر اور شاہنواز دو توں مسکرا دیے۔ جانتے تھے کہ
 بیگم باحول کا تاؤ کرنے کی سرگردان ہیں۔

آج وہ ماضی کا گھر و نہ کام کھر گیا تھا ان تصاویر میں پھر
 سے ایک ہو گیا تھا، تینوں بہن بھائی اکھنے کھڑے یا پ کی
 شفقت میں مسکار رہے تھے۔ ان کے لیوں پر مسکراہٹ
 تھی، ماہنی جو شفاف تھا، جہاں مصوبیت تھی، بچپن سے
 لڑکن تک کا تھرا ساتھ تھا، جو جوانی کی ولیم پر بننے اور دیور
 گیا تھا۔ اس وقت وہ سب الگ تھے اور عالیٰ اس وقت ان
 تصاویر میں اتنی گم تھی کہ اسے اپنے میں پہنچے باب کی آمد کا
 احساس تک نہ ہو سکا تھا اور بیگم شریا کا تو یہ مظفر دیکھ کر رنگ
 میں بخاوات کی تھی اس کی پھوپکو تعلیم کے حصول کے لیے

بھی فتح ہو گیا تھا۔

حصہ سے ”اس وقت بیگم رب نواز کلثوم نے اسے خفیٰ سے ڈالنے ہوئے کہا۔

” غالباً..... اچاک میں چودھری شاہنواز کی گونج دار آواز نے اس کے اوسمی خطاط کر دیے۔ اس نے تپ کر بھلی کی طرح مرکر پچھیدے کھلا سائے عین سر پر اپنے بات کو اس قدر غضب ناک انداز میں دیکھ کر وہ خوف میں جگڑتی اور قصر گھر کا نیچی اٹھ کھڑی ہوئی۔

” دیکھ پارو جو بھی میں ہوتا ہے ناں میں تو وہی کہتی ہوں، دوسروں کی طرح مجھے وکری باتیں نہیں آتی ہیں۔“

بیگم کلثوم نے بیگم شریا کی طرف دیکھ کر جاتا تھا۔

” تم مجھے کچھ شارہی ہو تو صاف صاف بولو،“ بیگم شریا نے بھی سخت خلکی سے کہا تھا۔ اچھا خاصاً ماحول خراب ہوتے رہا تھا۔

” پیکھا ہو رہا ہے، میں کہتا ہوں کہ تم سب ایسا کاہی لحاظ کر لو، وہ قریب ہی موجود ہیں۔“ چودھری شاہنواز اپنی بیگم کو لو کر بھی سکتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنی بیگم کو دو انش دیا تھا۔

” اس آپ کا سارا غصہ مجھ پر چھپا کر تھا، یہ ساری بھروسہ اس کا کیا رہے، اس کوئی کچھ نہیں کہتا۔“ شریا نے بھی مظاہریت کاروباری رہا تھا۔ اگرچہ یہ کسی حد تک درست بات بھی نہیں۔ کلثوم بیگم نظر کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

” ارے ارے میری پیاری بھائی میں بچ کر کتھ ہوں جب بھی ورنگ ہوئی ناں میرا ووٹ آپ کے ہی حق میں ہوگا، جانتی ہیں ناں، ایسا کی جان ہے پارو میں۔“ پارو نے اڑا کر کہا تھا اور کلثوم بیگم جل بھن کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

پہلے پڑی تھی تھی۔

” شہر جا کر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں چتنا پڑھ لایا کام ہے، وہ میرا بھرا ہے میرا ویر ہے عزیز اس کو اتنی بڑھتی نہیں کہا تھا۔ ریلے کے آئی کھانے میں اس کو لکھا تھا۔

” یہ توب ایسا کاہی فیصلہ ہوگا، ہم تو صرف مشورہ دے سکتے ہیں۔“ رب نواز بات سے ڈالتا تھا جبکہ چودھری سارے پھل ہی کھا جائے گی اس میں تیرے دیروں کا بھی شاہنواز حقیقت میں باپ گی عزت کرتا تھا۔ شہاب عالم

آواز نے اس کے اوسمی خطاط کر دیے۔ اس نے تپ کر

بھلی کی طرح مرکر پچھیدے کھلا سائے عین سر پر اپنے بات کو اس قدر غضب ناک انداز میں دیکھ کر وہ خوف میں جگڑتی اور قصر گھر کا نیچی اٹھ کھڑی ہوئی۔

” تمہاری جرات کیسے ہوئی ہماری اجازت کے بغیر ہمارے اس بکس کو کھونے کی۔“ چودھری شاہنواز کا لجہ کر دخت تھا اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عالی پر ہاتھ دیں۔ عالی نے مجرموں کی طرح سر جھکا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ شر سار تھا۔

” جاؤ و فغان ہو جاؤ یہاں سے اس سے قل کریں ایسا تھے تم پر اٹھ جائے۔“ چودھری شاہنواز نے شدید اشتغال میں کہا تو عالی بھاگی ہوئی بارہ لکھ گئی تھی۔

” یہ سب منحیت یہاں سے صاف کرو۔“ چودھری شاہنواز کہہ کر وہاں سے طویل مسافت کی حکلن لیے مردانے میں چل آئے تھے، انہوں نے خانے کیوں اب تک یہ تصاویر سنچال کر رکھی تھیں، وہ جب بھی تھا ہوتے، سب گھر والے رب نواز کی طرف جاتے تو رات کی تھنائی میں چکے سے ان تصاویر کو زکالتے تھے ان تصاویر سے دل کو جہاں ایسا ملتی تھی کہیں نہ گہیں انہیں پارو کی یاد بھی سکون سادی تھی۔

ہماراں کی اکتوبر بہن تھی، جو ان سے فراشون کا سلسہ چاری رکھتی تھی وہ کھلائے گھلومنا ماضی میں بچنے چکے تھے۔

پیچ سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو میں دہ سب کھیتوں سے سہم کھکتی تھی۔

” لی پارو، کم کھاموٹی ہو جائے گی۔“ شریا نے بنس کر پارو سے کہا تھا۔

” ہو جانے دے بھائی میر سایا کے کھیت ہیں۔“ پارو نے بھی بنس کر کہا تھا۔ ریلے کے آئی کھانے میں اس کو بہت سی مزرا کر رہا تھا اور وہ گھٹلیاں یونہی چیزیں جاری تھیں۔

” لے جملی نہ ہو تو، اگر تیرے باتے کے کھیت ہیں تو کیا سارے پھل ہی کھا جائے گی اس میں تیرے دیروں کا بھی شاہنواز حقیقت میں باپ گی عزت کرتا تھا۔ شہاب عالم

اس وقت خاموش تھے۔

”دیکھ لایا، میں نے وہی کرنی ہے جو کہا ہے، میں جانتی ہوں کہ سب میرے پڑھنے لکھنے کے خلاف ہیں مگر میں نے بھی پہلے تیرتی کوئی باتیں نہیں کیں اور جانتا ہے نہ کہ میں نے بھی آنکھ بھر کر اس کو دیکھا تھا نہیں، جو میرے باتیں کہاں سیں تے میان لیا۔ اب تو بھی تو میری بات مان لے لیا۔“ وہ رودینے کو تھی، اس کی غرماں آنکھوں میں مغلیت ہوئے آنسو کہاں وہ برداشت کر سکتے تھے۔

”پارو شہر جا کر رہے ہی بھائی میں، پڑھنے گی، یہ میرا آخری قصص سے، پڑھنے کے بعد وہ دیا ہے بھی وہیں کرے گی جہاں میں نے کہا ہے۔“ شہاب عالم نے دیکھ لجھ میں کہا تھا۔ ماحول میں سکوت چھا گیا تھا۔ اس پر ظاہر خاموشی کے پیچے بہت بڑی حلیلی بھی ہوئی تھی اور ان کے بھیں تو جی خضوری بھی مگر پیچھے واپس ہو گیا تھا، بات کے جاتے ہی زمینوں پر کلکشون بیگم نے شورذال دیا تھا۔

”ناشیں کہتی ہوں کہ میں اس کی نہیں بھی لگتی ہوں، اس کا ہی کوئی لحاظ رکھ لیتا، میرا ویراتی آزاد خیال بڑی کو برداشت کر رہا ہے، اس کی نیک فطرت ہے بھلا کہاں آنکھوں پیغمبھر کوئی نہ لگتا ہے، میں کہتی ہوں یہ لڑکی تاک کٹوائے گی ایک دن۔“ کلکشون بیگم کا واپسیا حاری تھا، ساس تو تھی نہیں کردی تھی، شہاب ایگم نے اسے چپ کروانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ سنتی بھی کہاں تھی، خاطر میں ہی کسی کو نہیں لاتی تھی۔ اس کا بولنا بندہ نہ ہوا تو پارو بول آئی تھی۔

”میں مدد پا رہ ہوں اور کس کی جرأت ہے کہ مجھ پر الام رٹا شی کرے میں با سے صاف کہوں گی آج۔“ اس کا اتنا کہنا تھا کہ کلکشون بیگم کی بیوی بن ہو گئی تھی۔ اسے سر کا لحاظ تھا یا نہیں مگر اس جانشی ایکی منتقلی تک اسے احسان کرتا تھا، وہ تو دولت کی بچادر تھی، اس کا شوہر رب نواز اور وہ خود اس رشتے کے کن میں اس لیے بھی تھے کہ اس طرح ان کی بہن ماہ پارہ کے حصے کی زمین بھی ان کے ہی قبضے میں آ جائی تھی۔ عزیز ایک سید حاصدا ساجدان تھا، اسے تو اپارو کی

”ابا میں یہ شادی نہیں کر سکتی کیونکہ میرے دل کے تار کسی اور سے جڑ پکھے ہیں۔“ اس وقت وہ شہاب عالم کے روپ و روکھڑی ہوئی تھی۔ شہاب عالم کا بات تھا اس پر زندگی میں پہلی مرتبہ اٹھا تھا۔

”اگر تو یہ نہ اق بے تو انجائی گھناؤتا ہے، جاؤ جا کر اندر بیٹھو۔ سب لڑکیاں سکھیاں تھیں ہیں۔“ وہ کہ کر پہنچنے لگے تھے جب وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

مگر فتنہ وقت و قوت نے سب کچھ بتادیا کہ وہ اس وجہ سے کہ جوڑ کا نہیں ہے، دیکھ میری خوبیاں دیکھ، اس میں کیا ہے سوائے زمین کے۔ میں نے جس کو جو چاہا ہے، جس نے مجھے اپنے کا وعدہ کیا ہے، اس میں لاکھوں میں، با صرف ایک بار تو اس سے مل لے، اس کی تکلیف دیکھ لے۔“ وہ رو رہی تھی بڑپ رہی تھی، شہاب عالم بے شینی سے اپنی لاڈی بیٹی کا جھکا ہوا سر دیکھ رہے تھے۔ سرتاؤج اس نے سب کا دادی جسی تھی تو اس کی شوخی و شراری پرین اس کی اپنی ماں پر تھا اس لیے ہر ہر بیات وہ اپنی منوجاتی کی منوار تو اس سر جبہ بھی وہ کئی تھی مگر اس کے لیے اسے اپنا سب کچھ بار دینا پڑا تھا۔ اپنے پاپ کا اونچا شملہ روند دیا تھا اس نے مکر پاپا تھا۔

”بے شرم، بے غیرت یہ سب کہتے تھے جیا نہیں آئی۔“ رب نواز نے اسے ڈھموکے پر کھلایا تھا اور چودھری شہاب عالم کے لیے جب یہ سب قابل برداشت تھیں رہا تو انہوں نے کرج داماً واز سے رب نواز کو روک دیا تھا۔“بس کر کر جاؤ۔“ فضامیں بے حد دادی محل گرد تھی۔

پا سرا ریت اور یا سیت بھری۔

”اس کو میں نے بڑے مان سے شہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا، کہیں سوچا بھی نہ تھا کہ میرا ایسا شدید دم اٹھائے گی، شہر پڑھنے کے بعد مجھے اپنی تکلیف بنت کھلائے گی، اس کو کہہ دے کر لے گر اس کے بعد مجھے اپنی تکلیف بنت کھلائے گی، یہ میرے لیتھان کے بعد میرچی ہے۔“ شادمانی ادا کی میں بدیں بھی ہے۔“ شادمانی ادا کی میں بدیں تھا، فقط ایک شخص کی قربت کی آرزو اس کے خواب بنتا اور اس کو چاہنا کوئی بھی گناہ نہیں تھا پھر کیوں اس کے بیانے اس کو اتنی بڑی سر اسنا دی تھی۔

وہ رو دی پھوٹ کر، سب ایک ایک کر کے اپنے کمر کروں میں بند ہو گئے تھے، گھر میں سو گواری، خاموشی تھی، ساری عورتیں گوٹھ میں طرح طرح کی پاتیں بیاری تھیں، سب تحریزدہ تھے کہ شہاب عالم کی بیٹی نے اتنی جنمات کر کیے ہی تھی۔ کیونکہ شہاب عالم صاحب کے رعب و دبدبہ کے سامنے تو ان کے اپنے شیر جیسے بیٹے گرد بن جاتے تھے، وہ ایک دینگ دار شخصیت کے مالک تھے جہاں کے گلے گلے کر دیو دی تھی۔

”بھائی بتائیں نے ایسی کون سی خطا کی ہے، ایک ذرا سا پانچ سو تو ماٹا ہے، وہ عزیز جسے کسی بات کی سمجھی

نہیں ہے، جب کہو بیٹھ جاؤ بیٹھ جاتا ہے جب کہو اٹھ کر کھڑا ہو جا، کھڑا ہو جاتا ہے، وہ کہو کا نیل لگتا ہے، میرا مرا جا۔ میری خصیت سے وہ میں کھاتا ہے کیا بھائی؟ جسے میں نے چاہا، اپنے من مندر میں ایک اوپنے مقام پر اسے بخایا، بھی قصور ہے ناں میرا کہ میں نے حق مانگ لیا۔“ وہ روری تھی۔

”پارو تو نے اپنا حق مانگنے میں بہت دریکردی میری بہن، ہم نے دیکھا تھا کہ تو پچھے بدی بدی اسی ہے مگر اس لیے چپ تھے کہ شاید اسے گھر بیا کر جانے کا مالاں ہر لڑکی کو اوس سا کردا کرتا ہے گھر تیری چپ کی اہل وجہ یہ تھی تو ہم نے سوچا بھی نہ تھا۔“ وہ درو سے بوئی تھیں، پارو کھل کر روری تھی۔

”پارو ہو سکے تو دبارہ یہاں مت آنا، جب تو نے اپنا من پسند جوں سا ہی جسی بی بی لیا ہے تو میری تو دعا کے کتو چہاں رہے سمجھی رہے اگر تو یہ حق ہے کہ اس طرح جس شخص کو یہاں لائے کی طوائے گی، عزت کا تاج اس کے سر پر رکھا سکے گی تو یہ تیری سر اسر بھول ہے بلکہ میں تیری چی دوست اور بھائی ہوں، میں سبکی کہوں کی کہ اسی غلطی بھی بھی مت کرنا تو چپ چاپ شہر چل جانا دہاں اپنا گھر سا لیتا۔ اگر تو اس شخص کو ایک بار بھی اس کو فتح میں لانے کی غلطی کی تو۔“ تھجانے کیوں رہیا تیکم چپ کر گئی تھی۔

”تو کیا بھائی..... کیا ہو گا اگر وہ شخص یہاں آگیا تو؟“ وہ حیرت سے گلگت تھی۔

”تو اسے مرداو بجا نے گا۔ تو نو پھر کسی اور کی بیوی بن سکے گی اور نہ ہی اس شخص کی جسے چاہتی ہے۔“ رہیا تیکم نے دونوں الفاظ میں وہ کہدیا تھا جو سولہ تھے حق تھا اور یہ حق سن کر وہ کاتپی تھی، اپنے من چاہے شخص کو کھو دینا اور اس کے بعد اس کو مرتے دیکھنا اس کے بس کاروگ ہی نہ تھا، بس وہ ایک لمحہ تھا جب اس نے دل میں مسکم ارادہ بنا دھ لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جائے گی مگر اس کے نام۔ بھی یہاں کسی کی سامنے لب پر نہ لائے گی۔

حق سویرے اسے چوہری شہاب نے ڈرائیور کے نہیں ہوئے اسے پارو کے چہرے پر بھرتے زلاں کو دیکھا تھا۔

میں کچھ سدھتا؟



”چل اخایہ سارے کپڑے اور بھائی دکھائی دے۔“

شبونے تیکے لجھ میں اپنے گاؤں کی سکھیوں کو کہا، کلکشون کو ان کا یہ انداز ایک لکھنیں بھایا تھا، ہوا یہ تھا کہ شبونے ان سے کچھ مبومات منگوائے تھے، وہ درسے گاؤں میلے پر گئی تھیں وہاں سے سب نے حسب استطاعت اس کے لیے بہترنے مبومات لیے تھے مگر جب یہاں لاکر شبوکے سامنے ڈھیر کر دیے گمراں کے چہرے کے زاویے بگر گئے تھے۔

”ایک بھی کام کا نہیں ہے۔“ اس کا منہ بن گیا تھا، قدرے فاسلے پر یعنی کلکشون تکم نے اس کا مزانج دیکھا تھا، اس وقت وہ مالک چپ رہی تھیں۔

”تو اسی کون ہی شے ہے جس پر پسندیدگی کی مہر لگا دے تیرے تو خرے اب آسمان کو چھونے لگ گئے ہیں اتنی اکڑا چھی نہیں ہوتی۔“ یہ ساتھ والے پنڈ کی اڑکی تھی جو کسی کی سین اور مزارع سے نتھی بلکہ وہ خود بھی وڈیے کی بیٹی تھی، بھلا شیو عالم کیوں کوئی کوئی کہاں لگاتی تھی کجا یہ کہ ان سے دوستی بھی کا نہیں۔

”تو مجھے سبق تہ پڑھا، تھے یہ گندے پھیکے رگوں والا کچھ رنگ والے کپڑے لیتے پھر احساس ہی نہ ہوا۔“ وہ ابھی تک اپنی سی خد پر اڑی ہوئی تھی۔

”نکھلو خیال کر، تیرے لے وہ ت Saraswati ہر شے اٹھا لائی ہیں کہ کوئی تو تجھے بھلی لگے جی مگر تیرے خرے ہی کم ہونے میں نہیں آ رہے ہیں۔“ کلکشون تکم سے اب مزید چپ نہ رہا گیا تھا۔

”ہاں تو خرے کیوں شکروں، وہی رے رب نواز کی اکلوتی بھی ہوں، وہ بھی لاڈوں والی۔“ وہ نخوت سے بولی۔ ”حق ہا، تو کیا ہم فالتو ہیں؟“ اس کی دوست حمیدہ کوتا آیا۔

”ارے نہیں مگر میرے جیسی بات کہاں، میں تو جو بات کہوں وہی میرے بامن و عن پوری کردیتے ہیں دیکھ

وہ سیدھا چلتا چلا گیا تھا، اس کے بعد اس نے دبارہ پارو کو نا تو جلاش تھا نہیں اس کو دیکھا تھا لیکن ایک بات تو تھی کہ پارو پنا گھر سا چکی تھی اور اب ایک بچی کی مان بھی تھی۔

”سینی؟“ اچاک شریا بیکم کی آواز اسے ماہی کے درپیچوں سے حال میں لاتی تھی۔

”جو ہوا اسے بھول جائیں، بچی سے غلطی ہو گئی ہے، اب کمرے میں بند رو ہتی ہے۔“ وہ دھمکی تھیں مگر بیٹی اور شوہر دنوں کا ہدی دکھان کا مشترک دکھ تھا۔

”بیٹی کو سر پر نہ چھڑا، رونے دو، اس سے پہلے کہ وہ ہمیں رلا دے۔“ دل کا دکھان کی زبان پاہی گیا تھا۔

”اللہت کرے کہ ہماری بیٹی اسی حرکت کرے، کیسی باتیں کر رہے ہیں کوئی بکی وقت بیویت کا وقت بھی ہوتا ہے۔“ ان کا دل دسوں کا شکار ہو چلا تھا، اس ایک خوف

کے پیش نظر انہوں نے اپنی بیٹی کو بھی گھر سے زیادہ باہر جانے تھی اسی تھا۔ اس کو میر میں ہی قید کر کے رکھا تھا، اس پر بظاہر کوئی روک لوگ تو نہ تھی مگر انہوں نے اس کو درست اور غلط میں واضح طور پر فرق کروادیا تھا، ان کا انداز اور حد بندی کا طریقہ ایسا تھا کہ عالی خودتی اپنی زندگی میں ایک مخصوص ست تک ہی جاتی تھی مگر دل ایک ایسا نادان چھپی ہے جس کی اڑاں ضروری نہیں کہ اپنی ہی سرحد تک حمدو رہے اس کی اڑاں تو غیر سرحدوں پر بھی ہو جاتی ہے اور اس دل کے ہاتھوں ہی مجبور ہو کر انسان بسا اوقات چھا بائے فصلے بھی کر لیتا ہے جہاں مقدار میں پچھتاوں کے سوا چھا بائے نہیں لکھا جاتا، وہ شام شاہنہزاں کو ادا اسی اور آزدگی میں حلی ملی تھی۔ سارے زخم جیسے کسی کی نہ ادھر دیتے تھے۔ سارے

غم ایک ایک کر کے سامنے آتے جلے گئے تھے۔ اپنے باپ کو ہو دینے کا دکھ ایسا تھا کہ جس کا کوئی بھی مادا و انس تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے باپ کی وصیت کے پیش نظر بھی بھی پلٹ کر اپنی بہن سے مٹے کی خواہش ہی نہیں تھی۔ جس باپ نے اپنی وصیت میں ہی لکھ دیا تھا کہ وہ دل کے ہر شے میں ماہ پارہ کو عاق کر چکے ہیں وہ اسے کیسے وراشت

لیتا میرا بر بھی میری پسند کا ہوگا۔“ اس نے اٹھا کر پورے یقین سے کہا۔
”اللہ اللہ کچھ بول جاؤ کر یہ کیا کہہ دیا تو نے۔“ کاشوم بیگم نے حیرانی سے اپنی بیٹی کو دیکھا جواب پکھنڈیا دہی بدزبان اور منہ پھٹ ہو چکی تھی۔

”بات کیا ہے آخ، اس قدر پریشان ساچھہ کیوں بتا رکھا ہے؟“ وہ تجھے زدہ انداز میں بولی۔

”تو نے آج جو کچھ اپنی سہیلوں کے سامنے کہا ہے تاں، وہ دوبارہ اپنی زبان پر بھی مت لانا۔“ کاشوم بیگم کے انداز میں قطعیت ہی۔

”ارے میں نے ایسا کون سا غلط جملہ بول دیا، اس اتنا ہی تو کہا تھا کہ پسند کا دیا کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔“ اس کی بات پر کاشوم بیگم کا تھا تھاں کے منہ پر اٹھتے رہ گیا تھا۔

”آج کے بعد کہاں تیرے منہ سے نہ یہ لفظ لکھیں اور نہ تو اسکی سوچ بالا۔ ہم نے کہتا ہے تیرا دیا اور جس سے بھی چاپیں گے کرس گے دوبارہ یہ لفظ کہے تو میں پرداشت نہیں کروں گی۔“ یہ جھلے تو اسے اپنی بیٹی کی زبان سے نازیاں لگ رہے تھے چاپک کی مار جیے وہ جھلے اس کی روپ پر میں مرابت کر گئے تھے، وہ کہہ کر دیکی نہیں تھیں مگر شبوش و شیخ کا فکار ہو چکی تھی۔

”یہ سب آخر ہے کیا؟“

.....
وہر سے روز ہی شیونے شہر جانے کی صد کڑاں تھیں، کاشوم بیگم سے وہ خفاہی اس لیے ان سے بالکل بات چیت ترک کر دی تھی، اس وقت اس کا مخاطب اس کا اپنا باپ تھا۔ ال بھی شہر سے آیا ہوا تھا اور اس وقت ناشتے میں پر اٹھا، آٹیٹ، آلو کے پر اٹھے اور میٹھی کی کے علاوہ گزر پیس نہیں مل رہے۔“ حیدہ نے دوبارہ سے ایک ایک شرست پیس انھا کر ہوا میں لہر لیا۔ بات بدل گئی تھی مگر کاشوم بیگم کا چھپہ اتر گیا تھا۔

”یہ سب اچھے ہیں مگر میرے لائق نہیں، تو نہیں سمجھے گی، خیر جانے دے۔ میں دو دون بعد اپنے بابے کے ساتھ شہر جا کر لے آؤں گی۔“ وہ فیصلہ کرن انداز میں بولی پھر ایک لاپرواں کیوں، بے اختناکیوں اور اس کی ضدی طبیعت اور

”لوہی اس میں براہی کیا ہے، انسان اپنا من پسند چیزوں ساتھی چھپنے لے اور اس کے ساتھ زندگی گزارے کسی بھی ان چاہے شخص کا ساتھ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے وہ انسان کو برداشت نہیں ہو سکتا۔“ وہ کہاں کسی کی بات کو بھی خاطر میں لانے والی تھی اور اس وقت بھی سن مانی کر رہی تھی۔

کاشوم بیگم کا چھپہ اتر گیا تھا، برسوں پہلے اپنی زندگی بہت سارے طفے دے جانے کے بعد بھی اب ان کی اپنی بیٹی وہی الفاظ دے ارہی تھی۔ اگرچہ صوت برق تھے اور اللہ تعالیٰ نے موت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے مگر اس نے شہاب عالم کو سنائے میں اور ان کے دل کے دورے پڑتے میں کوئی بھی کسرتہ اخہار تھی، ان کو تکلف دی تھی مگر اس میں شدت کا سبب کاشوم کے وہ طفے و شخص بن گئے تھے جو وہ مسلل چاری رکھتے اور اب اس کے سامنے اس کی بیٹی وہی سب کہہ رہی تھی۔

”ہائے نی کلتی بے شری سے اپنے دیا کا ذکر کر رہی ہے کچھ تو خاطر کر کر جاؤ۔“ اس کی دوست نے اسے احسان دلایا جیکہ اس کے دامیں اور بامیں کھڑی سکھیاں کمی کھی کرنے لگی تھیں۔

”یہ دیکھ رہی تھی لباس اور یہ جو کڑھائی والا کرتا ہے وہ خاص تیرے رنگ کو دیکھ کر پسند کیا ہے اور یہ جارجٹ کا لباس تو بالکل شہری طرز پر جاتا ہے مگر تو ہے کہ تیرے خرے ہی نہیں مل رہے۔“ حیدہ نے دوبارہ سے ایک ایک شرست پیس انھا کر ہوا میں لہر لیا۔ بات بدل گئی تھی مگر کاشوم بیگم کا چھپہ اتر گیا تھا۔

”یہ سب اچھے ہیں مگر میرے لائق نہیں، تو نہیں سمجھے گی، خیر جانے دے۔ میں دو دون بعد اپنے بابے کے ساتھ شہر جا کر لے آؤں گی۔“ وہ فیصلہ کرن انداز میں بولی پھر ایک

ہٹ وھر میوں کو اپنائی سہولت سے نظر انداز کر جاتے تھے شایدی بیکی وجتھی کوہ مدد سے زیادہ منہ پھٹ اور خود رہ جوچی تھی، اگر کوئی ملازمہ اس کے حسب فنا کھاتا نہ لاتی، اس کامن پسند سالن نہ پکاتی وہ مر نے مارنے پر گل جاتی تھی ہا۔ سینیں تک چڑھائی جاتی تھیں۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے اہل کے ساتھ چلی جانا شہر۔“
رب نواز نے اس سے کہا تو وہ پر جوشی ہوئی اور ایسا کی اس بات سے خوش بھی ہو گئی تھی آخر وہ دییرے رب نواز کی بیٹی تھی۔ اس کی کوئی بھی بات کہاں روکیے جانے کے قابل تھی۔

”اب رہی بات من پسند شادی کی تو کس نے روکا ہے تو اک چھوٹ چار چار شادیاں کر، یہ معاشرے تیرے اختیار میں ہے مگر یاد رے کے وہ درستی، تیرستی پچھی بھی اس عویضی میں نہیں آئے گی، اسے شہر کے گھر میں رکھ، اس کو بغل لے دے، باز خرخے اٹھا مگر اس کوہ دھیشیت نہیں مل سکتی جو ایک خاندانی بہوکول سکتی ہے۔“ چودھری رب نواز نے باتوں سی باتوں ش اسے بہت پچھ جاتا بھی دیا تھا اور اس کی حد بندی بھی اسے باور کر دی تھی۔

”تو کیا بابا جان آپ مجھے دھری شادی کی خوشی سے اجازت دے دیں گے ایسا شہر ہو کر بعد میں.....“ وہ مکر جانے کا لفظ زبان تک لاتے لاتے رہ گیا تھا مگر اس کا مقصد اور اس کا جملہ جو اسکا تھا سمجھ کر رب نواز خخت برادر و خذہ ہوئے تھے۔

”تو مکلا ہے کیا، اس لڑکی کے پیچھے اپنے باب کی زیبی پر نکل کر رہا ہے تو ناکبھے ہے اسکی لڑکیاں فقط خریدی جاتی ہیں، ان کو اپنا نام نہیں دیا جاتا۔“ رب نواز نے گھنی کا نام نہیں لیا تھا لیکن ان کے الفاظ اور ان کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ گھنی کے پارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، وہ اہل کی ایک ایک لفڑی و حرکت پر نگاہ رکھے ہیں، اہل کو اندازا تھا، تک بھی تھا مگر آج چودھری رب نواز کی باتوں سے یقین ہو چلا تھا۔

”لباجان میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ اہل گڑ بڑا سگیا۔

”یوں بھی اب اہل کی ملنگی کے لیے ساری تیاری تمہیں اور تمہاری ماں کوہی کرنی ہو گی۔“ چودھری رب نواز نے ٹھل سے مکراتے ہوئے کہا تو وہ کامگاہ اس جو اہل یوں تک لے جا رہا تھا ہیں ہو اسی متعلق رہ گیا تھا۔

”کیا مطلب یا، میں سمجھا نہیں؟“ اہل پر تحریر کا ہوا سے باب ٹو دیکھا۔

”ہم نے تیراشت مانگا ہے عابی کے لیے اور اس کے لیے تیرے تیار نہیں رضامندی دے دی ہے۔“ انہوں نے فقط اس تک اطلاع دیئے کافر یعنی حجام دیا۔

”مگر بابا شادی میں اپنی پسند سے کروں گا۔“ اہل کا بچہ نہ چاہے ہوئے بھی تھی لیے ہوئے تھا، رب نواز نے بری طرح سے چوک کر اپنے ہونہار بیٹھ کو دیکھا، جہاں نروٹھ پن کے تاثرات تھے، یعنی وہ باب کے اس فیصلے سے مطلقاً خوش نہ تھا۔ اس نے اپنی مرضی کا کہا تو اس میں ضرور کوئی کہانی پوشیدہ تھی، کچھ لمحوں کے لیے سب خاموش ہو گئے تھے اس خاموشی کو رب نواز نے ہی توڑا۔

”دیکھ اہل، ہم نے جو کہا ہے وہ خوب سوچ بھج کر کہا ہے، تو اب تک اراضی کا ایک بڑا حصہ تھی چکا کیا، اگر تو اسی طرح نوازشات کا سلسلہ جاری رکھے رہا تو پھر خود تو کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے گا، عابی کے حصہ میں وسیع اراضی آئے گی، اس کی شادی کے بعد وہ ساری اراضی تیری ہو جانے والی ہے، مجھے اپنے ذرا کے معلوم ہوا ہے کہ

”جو بھی مطلب تھا خیر جانے والے، ہم نے تیری اور عالیٰ کی مخفی کاٹے کر لیا ہے، اس کی تیاری کے سلسلہ میں تو اپنی ماں اور بہن کو شہر لے جا اور حقیقی مرضی قدم خرچ کر کوئی مسئلہ نہیں لیکن ایک بات کا ذکر کرنے لگ گئی تھی۔ اپنی ماں اور بہن کی جانبے والی شاپنگ کا ذکر کرنے لگ گئی تھی۔ اے جمِن زدہ انداز میں ناشستے سے فراغت کے بعد اپنے کمرے میں بیدرڑہ ہرگی تھا۔ کیا وہ مان جائے گی، گھینیز تو پہلے ہی اس کی ذات کے حوالے سے انجانے خدشات میں جلا تھی اس پر بابا کی یہ سخت شرطیں، وہ بے حد پریشان ہو گی تھا کہ اس نے ایک بات تو دل میں شاندار چیز جیسا نہ تھا کہ لوہن وہی جو پیاس بھائے اور اس کے حسن کو تو صرف گھینیز ہی بھائی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر مطمئن سا ہو کر کامیص موندی تھیں۔



عالیٰ کا رورکر راحال تھا جبکہ نصیرہ اس کی دوست اس کے پاس بیٹھی تھی۔
”تم اپنے بھائی سے بات کر کے دیکھو۔“ اس وقت نصیرہ کو بھی بات سوچی تھی۔

”اور کیا میرے کہتے ہی مان جائے گا؟“

”اس کو بتا تو دو۔“ فتحہ وہی تھی۔

کھر میں سب ہی عالیٰ اور اہل کے رشتے کو لے کر راضی تھے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا اور تو اور عالیٰ جو سوچتی تھی کہ سکندر کے آجائے سے حالات سورج جائیں گے اور سکندر ضرور اس کے حق میں کچھ قبولے کا گروہ بھی اپا کے فعلے کے سامنے چپ تھا۔ اب تو عالیٰ نے امید ہی چھوڑ دی تھی اس پر نصیرہ کے ہاتھ سے بخوبی پیغام ملا تھا کہ اسے تقدیر کا لکھا ہوا سمجھ کر قبول کر لے۔ اس دھمکی سمجھ کر عالیٰ کا انتخاب گیا تھا۔ ان کو بھی معلوم تھا کہ ان کا پیشنا کسی اور کسی زلف کا اسیر ہو چکا ہے مگر ان کو اپنے میئے کی اس کمزوری کا بھی علم تھا کہ وہ بھی اس عورت کو اپنا نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کو دولت کے ترازوں میں قول نہ دے اور دولت کے حصول کے لیے اسے ہر صورت میں اپنے پاپ کا فرمां بردار ہی رہنا ہو گا، چاہے وہ یقیناً برداری دل سے قبول کرے یا پھر اس میں روکھدار کرے۔

”کیا بات ہے آپو، روکیوں رہی ہو؟“ عالیٰ نے روتے ہوئے اپنے بھائی کو دیکھا۔
”بس دل اداں ساتھا، ایسا کچھ بھی نہیں۔“ وہ بات کو

عالیٰ کی مخفی کاٹے کر لیا ہے، اس کی تیاری کے سلسلہ میں تو اپنی ماں اور بہن کو شہر لے جا اور حقیقی مرضی قدم خرچ کر کوئی مسئلہ نہیں لیکن ایک بات کا ذکر کرنے لگ گئی تھی جاہے وہ تیری پہلی بیوی تسبیح پائے، سلسلہ تو عالیٰ کو اپنا نام دے گا، اس کے بعد تو اس سے شادی کر سکتا ہے مگر مجھے اپنے کسی کارندے سے اطلاع ملی ہے کہ تو نے اسے اپنا نام دینے میں جلدی کی ہے تو میں تھے اپنی تمام جاہیدا و سے عاق کردوں گا تو جانتا ہے تاں وہ غلطی تیرے پیسوں پر ہی پہنچ پھیلائے بیٹھی ہے، رقم نہ رہی تو ازانے میں درپیش کرے گی۔ رب نواز کو چال چلتی آتی تھی، وہ اپنے بیٹھے کے تمام عیسوں سے والف تھے، اس کی ہر حرکت کے گواہ تھے ان کی اس قدر معلومات پر کشمکش بیکمی جیز ان بیٹھی تھیں مگر دل کے کسی کو نہیں میں ان کو اس بات سے بہت تقویت ملی تھی کہ ان کا شہر فقط ظالم نہ تھا بلکہ اپنے پھول کے مقتبل کے حوالے سے فرمادے ہو تھا اور وہ جانتے تھے کہ اہل کو دونوں پاٹھوں سے پیٹھانے کی بیماری ہے اس لیے انہوں نے اہل کو ایک ایسے رشتے سے منسلک کرنا چاہا تھا جیسا اس کو دولت کی کمی نہ رہتی، جہاں تک ان کا جائز ہے، عالیٰ کی تمثیل کے تو سب ہی گواہ تھے، اور یہ ہی عالیٰ کی خوبی تھی کہ اس بھی منہ میں زبان ہو کر بھی کوئی رہنے والی بہو کیاں مل سکتی تھی اور اس لیے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر عالیٰ کا انتخاب گیا تھا۔ ان کو بھی معلوم تھا کہ ان کا پیشنا کسی اور کسی زلف کا اسیر ہو چکا ہے مگر ان کو اپنے میئے کی اس کمزوری کا بھی علم تھا کہ وہ بھی اس عورت کو اپنا نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کو دولت کے ترازوں میں قول نہ دے

اور دولت کے حصول کے لیے اسے ہر صورت میں اپنے دل سے قبول کرے یا پھر اس میں روکھدار کرے۔
الل کے پاس اس کے علاوہ کوئی بھی اور راستہ نہیں پچا

چھپائی تھی، وہ اپنے آنسو اپنی ہتھی کی پشت سے صاف کر رہی تھی۔

”بے لباس میں نے بختو کے ساتھ جا کر منتخب کیا ہے۔“ میری آنکھوں میں تو کوئی لباس ہی نہیں تھا رہا تھا، بھلاہو بختو کا اس نے اس لباس پر انگلی رکھ دی۔ کہنے کا اپنی بی بی جی پر یہ رنگ بہت بھلا لگ گا۔ ”شیا بیگم اپنی ہی دھن میں مکن تیری سے ساری روداد سناری ہیں، یہ جانے بغیر کہ یہ سب سن کر عالیٰ کا چہرہ یک دم دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ دل میں ما تم برپا تھا، تو گونج رہے تھے اس نے آگے بڑھ کر اس لباس کو تھام لیا تھا۔

”وقت پر تیار ہو جانا۔“ اور وہ واقعی بختو کے منتخب کردہ لباس میں پودھری رب نواز اور ان کی قیمتی کی آمد سے قبل ہی بھر پوٹری لیتے سے تیار ہو گئی تھی۔ جب بختو کو حکم نامہ ملا تھا کہ بھر نے نصیرہ کو عالیٰ کے کمرے میں دے آئے۔ بختو اس وقت بے حد مُضخل سا تھا۔ اس نے دیکھا عالیٰ اس کے ہی منتخب کردہ لباس میں کسی اپسرا کی مانند کھانی دے رہی تھی؛ اس کا چہرہ دھواں دھواں سا تھا۔

تم پیاس نہیں ہوتا کیا

دیدی آس دیاں میں چند نسیں ہی رہنے دو

مٹ پاندی لگاؤ اس چشمِ خمر پر

اسے زار دہنے دو

پانی پچا جو یہ گناہ مرستہ

تمہارے نام کے یہ چند نسوی رہنے دو

دونوں کے دل اس وقت آنکھ ملتے ہی ملوں سے ہو گئے تھے۔ عالیٰ کا تورو رو کر راحال تھا مرگ اس وقت وہ بالکل جب تھی اور بختو کا دل اب سلگ اور رورہا تھا، وہ عالیٰ کے چھٹی کے تقریب کے سارے انتظامات خود سنبھال رہا تھا، شامیانہ لکوا یا اور باقاعدہ ہر طرف مٹھائی تلقین کروانی تھی۔

باہر گہما ہی سے اندازہ ہوا کہ عالیٰ کے متوقع سرال وائلہا کچے ہیں۔ بخنوایتی رنگیں سنھالے باہر نکل گیا تھا۔ بعض لوگوں سے محبت کرنے پر لگتا ہے کہ وہ دل میں اپنا گھر کر رہا تھا۔

”وکی میری دھی رانی کے نصیب کتنے اوپنے ہیں، یہ لباس دیکھ۔“ واقعی لباس بے حد دیدہ زیب تھا، سب کی آنکھیں پتھر صیاً گئیں۔

”میں اب سمجھا تم وداعی کے خوف میں بھلا ہو گمراہی جلدی ہم تم سے جان چھڑانے والے نہیں ہیں میری بہن۔“ سکندر مکریا تو عالیٰ بھی زیرِ باب آنسوؤں کو پس پشت ڈال کر مسکرا دی۔

نصرہ نے اسے پیچی نگاہوں سے دیکھا، اس کا خیال تھا کہ یہ شہری موقع تھا مگر نجا نے کیوں عالیٰ دل کی بات دل ہی میں دبای کر رہی تھی اور سکندر رے پیارے سمجھا تھا وہ باہر نکل گیا تھا۔

.....
پتے منڈیر کی پتش لے

اداں شامیں

کس قدر مر جھانی

غمگین دنبا

گھنیری شاخوں کی اوٹ میں بھی

حلتے سلکتے بے سائب اس وجود

نکس قدر ہر اس اس

دیراں خود میں

اداکی کامندر دل میں

مو بجزن رکھے

ہیے جارہے ہیں

کب تک رہیں کی

کبھی تو ڈھلیں گی

یاداں شامیں

ای وہ وقت کرمے میں شیا بیگم آئی تھیں۔ ان کے

ہاتھوں میں ملکنی کا خوب صورت دیدہ زیب لباس تھا، یہ لباس بے حد فیض تھا، آٹھی لباس جو آنکھوں کے رستے دل میں اپنا گھر کر رہا تھا۔

”وکی میری دھی رانی کے نصیب کتنے اوپنے ہیں، یہ لباس دیکھ۔“ واقعی لباس بے حد دیدہ زیب تھا، سب کی آنکھیں پتھر صیاً گئیں۔

کب تک روئے کوئی
اپنی حرست ناتمام پر
اپنی سستی پامال پر
اپنے شب و روز پر
اپنے تکھرے حالات پر
اپنے تشنہ خواب پر
اپنی خالی تھیلیوں پر
اپنے فردہ جذبات پر
کب تک روئے کوئی

کیا کہا کروہ ایک دم تی اپنی جگہ پر کسما کر دیا گیا تھا اور اس
کے چہرے پر اچھا نک نہیں مصنوعی ہی مسکان ظاہر ہوئی تھی،
شیائیم نے گھری ساس لی تھی۔

وہ کسی حد تک مطمئن ہوئی تھیں، بے حد تھی تیرے کی
انکوئی اس وقت ال نے عالی کی مخاطبی انگلی میں پہنائی اور
جواباً عالی کی جانب سے بھی انکوئی اور کھڑی پہنائی تھی۔
ساتھ ہی شکن کے طور پر ہزار کی ایک بہت گذی اس وقت
ال کو دی تھی۔ شاہزاد اور رب نواز دوں اس وقت ایک
دھرمے کے گلے لگ کر ملے تھے، ان کی سوچ میں آج یہ

پچھا اسی تھی صورت حال اس وقت اس کی بھی تھی، رشتہ مزید مضبوط انتخاب کر گیا تھا۔

عالی کے چہرے پر حزن و ملال چھا رہا تھا حتیٰ کہ
تصاویر کے وقت بھی وہ بہلا کا سا بھی بمشکل مکرانہ کی تھی۔
اس کی آنکھیں اس کے چہرے کو ملال بنا رہی تھیں،
عجب وحشت تھی تھی اس وقت تو سب کچھا چھا ہو گیا تھا مگر
سب کے جاتے ساتھ ہی شیائیم سیدھا اس کے کمرے
میں آئی تھیں۔

”کیا بات سے عالی؟ میں ماں ہوں مجھے پورا یقین
خداشات سے ابھریے، اپنی بیٹی کو انہوں نے جس گھرائے
میں بیانہ کی تھا اور ان کا اپنا نام خاندان تھا مگر ال اور
عالی نے تو پہلے ہی دل میں شان می تھی کہ مرتے مر جائے
گی مگر بخت کا نام زبان پنہیں لائے گی کہ اس طرح اس کی
زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

”ماں مجھے ال پسندیں، اس کے علاوہ کوئی بھی بات
نہیں ہے تو اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑا۔“ وہ بے حد بے
زاری سے بوئی۔

”چھاتو کہتی ہے تو مان لتی ہوں مگر میری بچی ہی
قصت کا لکھا ہے اسے بخشی جلدی قبول کر لے کی اتنا ہی
خوف تھا کہ نجانے والے کیا سوچ رہا ہے، اس کے چہرے پر
اس نے بندھن میں بندھنے کی خوشی ہی تھی۔ اس نے
ایک نظر بھی اخھا کر اپنے پہلو میں پٹھی ہوئی سک سے
تیار عالی کو نہیں دیکھا تھا بلکہ ساٹ چہرہ لیے بیٹھا رہا تھا
جیسے وہ کوئی تودہ ہے، کوئی مجسم ہے، اس کے احساسات
وجذبات سے عاری چہرہ دل میں ٹکوک و ڈھپات پیدا
کر رہے تھے۔ شاید رب نواز نے بھی یہی محسوں کیا تھا۔
اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر ال کے کان میں نجاحے احکامات جاری کر دی تھیں، وہ سر جھکائے پیشی رہی۔

پھر لوٹ آیا۔ گھر میں عالی کی شادی کی تیاریاں عروج پر
چھیں۔ اسے عالی کی شادی میں میرب اور اس کے والد کا
شدت سے انتظار تھا وہ سب سے اُنہیں ملوانا جاتا تھا اور
عالیٰ کسکی ہوئی تصویر یعنی اللہ سے دعا کو ہتی کہ کسی طرح یہ
شادی اُل جائے گر لفڑی میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر ہتی رہتا
ہے، شادی کے ان ہنگاموں میں جمال سکندر کو عالی کی
جدائی ماری تھی وہیں وہ منتظر تھا کہ آخر میرب اور اس کے
والد شادی میں اب تک کیوں نہیں پہنچے؟ وہ بار بار میرب کو
فون کر رہا تھا اگر اس کافون سے تو کھلا تھا پھر یکم بندہ ہو گیا
تھا۔ اسے وجہ کچھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر اسے نہیں آتا تو کم از کم
فون تو رسیو کر لے وہ بہت پریشان تھا کہ وجہ کیا ہے نہ
آنے کی پھر عالی اور اس کے نکاح کے لیے اسے پکارا گیا تو
وہ اس طرف آ گئی اور عالیٰ رخصت ہو کر اس گھر سے چلی
گئی۔ اس کے جانے سے ایک دم خانا چھا گیا تھا۔ جسے
کوئی اس گھر کی رونق لوٹ کر لے گیا ہے، سب ہی اداں
اور اُنکے پار تھے مگر سکندر کو اس وقت میرب کی سر دہبری بھی
نہیں آ رہی تھی وہ وجہ جانتا چاہتا تھا۔
رونق تو میرب کے گھر کی بھی رخصت ہو گئی تھی۔

سکندر جو کی شادی کا کارڈ وے کر گیا اس نے خوشی سے
زیادہ یادوں کے زخم کھول دیتے تھے۔ شادی کا کارڈ کارز
ٹینبل پر کھا باٹکا کر کاڑ کے اندر جو نام پھیٹے تھے چھوڑی
شاہنواز اور چوہڑی رب نواز، ان ناموں نے سب کو خشم
کر دیا تھا۔ پایا الکل خاموش ہو کر اپنے کمرے میں چلے
گئے تھے اور اُنکی سے منع کر دیا تھا کہ ہم شادی میں نہیں
جائستے۔

”مگر کیوں؟“ اس کے بار بار پوچھتے پر بھی بیباخ احمد
رہے تو اس نے کہا۔ ”اگر نہیں بتا میں گے تو میں ضرور
جااؤں گی۔“ تو بیباخ اس پیضد سے مجبور ہو کر ہار مانتے
ہوئے اسے ساری کہانی شادی کی۔ وہ روشن تھے ہوئے اسے
بتا رہے تھے کہ کس طرح اس کی ماں کی ذرا سی غلطی کی سزا یا
ملی کہ اس کے خونی رشتہوں نے اس کی زندگی پُقل لگا دیے
وہ جتنی دری وہاں رہا اس گھر کے حرم میں گرفتار رہا۔ اور

اے پسندیدہں آیا ہے
میر انظر آتا
سواب یہاں لی ہے
کہتے دکھائی دوں
کرنا ٹکوہ تو خدا کو ہمی
نہ پسند ہے تاں؟
اں لے سوچا ہے
میری کوئندھ کھائی دوں
میری آواز سے فرفت
مجھے خود ہو گئی ہے
میں نے پیرے کیا ہے
خوکو ہمی نہ سنائی دوں
اب اگر آسمان سے اترے
فیصلہ بصل
میری خواہش ہے میں
مر کرے جدائی دوں.....!
سکندر عالیٰ کی شادی کا کارڈ لے کر آیا تھا۔ میرب کے
والد بہت محبت سے ملے تھے ان کے ہاتھ میں جب اس
نے کارڈ تھامیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ زندگی کے بہت
سے موضوعات پرانے سے گفتگو ہوئی۔ اس گھر کے ماحول
میں بہت سکون تھا۔ میرب کے والد مغلیٰ تھیں یا قوت اور روش
خیال تھے۔ ان کی بات چیت اس کے گھر کے رواتی
ماحول سے بہت مختلف تھی۔ انہوں نے اسے زبردستی
کھانے پر روک لیا تھا۔ جانے کیوں اس گھر کے درود یاوار
سے ایک آنسیت محسوس ہو رہی تھی جیسے اس گھر کے مکنون
سے اس کا کوئی رشتہ ہو۔

* * * * *

”ایسا کیا ہو گیا ہے میرب کا پکی طرف سے اس قدر اجنبیت کا اظہار ہو رہا ہے؟“ سوال ہی ایسا تھا جس کا جواب میرب دینے کی سکت شد تھی۔

”سکندر صاحب آپ میرے کلاس فیلو اور ایک قابلِ احترام انسان ہیں۔ اُبھی جان بیچان ہے اور اس سے زیادہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ میں بھر حال شرمند ہوں شادی میں شرکت نہ کر سکی مگر اب اس بات کے لیے کیا آپ یہں گئے؟“ میرب روک کر باز پرس کرتے رہیں گے؟“ میرب کا رشتہ کیسے کئے گا یہ سفر۔

سکندر کو اس کی میتھی متعالیٰ کی اصل وجہ بھی معاف نہ ہو پا رہی تھی۔ عجب سی لمحکش میں گرفتار تھا اور دوسروی طرف میرب نے ببابے خاموشی کا ایک بالکل ہی انوکھا عہد باندھ لیا مگر سکندر کو ہنوز میرب سے اس کی اس سرد میرب کی اصل وجہ دریافت کر رہی تھی۔ آخر اس نے اس قدر محبت سے پیش قدمی کرنے کے بعد اچاک لاغتی کی روشن کیوں اپنانی تھی۔ یہ بات ان کی بحث سے بالاتر تھی۔

کافی دنوں بعد یونیورسٹی میں اسے وہ دکھائی دیا تھا۔ بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ میں طبوں وہ پروجہاتِ شخص اس کے ذہن و قلب پر طاری ہو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر نظریں چاہ کر ایک طرف ہٹ جانے والی تھی۔ جب اس نے اسے خاطر طب کیا تھا۔

”آپ کیوں مجھے منادے رہے ہیں، میں پہلے ہی بہت زیادہ ابھسن کا ڈکار اور ہکلن سے چور ہوں۔“ میرب نے ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی ٹھکست تسلیم کر لی تھی۔ سکندر نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کی لاٹی اس کے اندر ہوئی اضطراب کی ترجیح کر رہی تھی۔ وہ افسوگی میں لپٹی ہوئی تھی۔

پچھا لاؤ اچل

ماں گئے خوشیاں

ماں گئے چیزوں

جیوں ایک ادھار

پھر سے لائے بہار
آنکھوں میں محبت کے رنگ بکھرنے لگا تھا۔
”آخر اسی کیا بات ہے، میرب مجھے نہیں بتا سیں گی؟“ سکندر کا الجھ پھرا رہا تھا۔

”میں کیسے کہوں کہ اسی ساری صورت حال میں، میں کہاں ہوں؟“ میرب نے تھی سے کہا۔
”خل کر بات کریں،“ میرب میں آپ کو اتنا لوجان گیا ہوں کہ آپ کے دل میں بھی میرے لیے اسی طرح کے

”تھبھاری میں اس غم کو اپنے اندر باتے پالنے اس دنیا سے چلی گئی۔ اب تم ہی ہتاہ میں ٹھیکیے تمہیں وہاں جانے کی اجازت دوں مگر میرا دل کہتا ہے سکندر اچھا لڑکا ہے۔ بھی موقع ملے تو اسے ضرور بتانا شاید رشتوں کی درازیں سچ کھم ہو سکیں۔“ بابا لگرفتہ سے ہو کر آنکھیں مسون کر سارا دن کمرہ میں بند رہے اور میرب اس موڑ پر جیوان تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ سکندر سے دل کا رشتہ اور دشمنی کا رشتہ کیسے کئے گا یہ سفر۔

سکندر کو اس کی میتھی متعالیٰ کی اصل وجہ بھی معاف نہ ہو پا رہی تھی۔ عجب سی لمحکش میں گرفتار تھا اور دوسروی طرف میرب نے ببابے خاموشی کا ایک بالکل ہی انوکھا عہد باندھ لیا مگر سکندر کو ہنوز میرب سے اس کی اس سرد میرب کی اصل وجہ دریافت کر رہی تھی۔ آخر اس نے اس قدر محبت سے پیش قدمی کرنے کے بعد اچاک لاغتی کی روشن کیوں اپنانی تھی۔ یہ بات ان کی بحث سے بالاتر تھی۔

کافی دنوں بعد یونیورسٹی میں اسے وہ دکھائی دیا تھا۔ بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ میں طبوں وہ پروجہاتِ شخص اس چاہ کر ایک طرف ہٹ جانے والی تھی۔ جب اس نے اسے خاطر طب کیا تھا۔

”بلیکیوڈری میں میرب۔“ وہ شپشاٹی۔ وہ اس کو پر شوق مگر اس نہ ہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرب کی نظریں خود بخوبی جلی گئیں مگر قدم پتھر کے ہو گئے تھے۔ بیک اس اپنی ہمراپن سے اتنی انسیت اتنی نسبت ضرور تھی کہ وہ اس کی ایک پکار رسمہ رہ جاتی۔

”میں آپ سے پچھو دیر بات کرن کرنا چاہتا ہوں، وہاں بیٹھنے ہیں۔“ سکندر کے قدم اٹھنے تو وہ بھی اس کی ہم قدم ہو چل۔ سامنے ہی سیدھی روشن کو پار کرنے کے بعد وہ دامیں جانب پنج پر بیٹھ گئے۔ میرب اضطراری کیفیت میں اپنی نوٹ بک کے صفحات اٹ پلٹ کر رہی تھی اور وہ اسے دیکھ کر سہوت ہو رہا تھا۔ اتنے دنوں کی رجیمیگی اس کے چہرے پر بھری ایک الگ ہی داستان محبت ساری تھی۔

احسات پروان چڑھ رہے ہیں جن سے میں گزر رہا
بواستی کہاں، وہی رشتتوں کی داغ تیل مجرم ہیں نہ کہیں اس
ہوں۔ یہ زیست کا سفر، اس میں خوشی و ملاں کے سائے
اکیلہ تباہ تو نہیں میرے نصیب میں آ رہے۔ ”سکندر نے
دھیٹے لجھے میں کہا۔

”میں تو بن گیا ہوں اور تو میں بن گیا ہوں میں تن
ہوں اور تو جان ہے۔ پس اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ
میں اور ہوں اور تو اور ہے۔“ اس وقت سکندر اور میرب کی
بھی بھی کیفیت تھی۔ محبت نے ان کو سمجھاں کر دیا تھا۔
اگر چہ دنوں ہی اس حقیقت سے نہیں چرانے میں بھند
تھے تک محبت تو الوہی چند بے جو دل کو سمارکردا تھا ہے۔ وہ
دفونوں بالکل خاموش تھے۔ تھری خاموشی ان دفونوں کے
درمیان حائل تھی پا تھا جیسی۔

”میرب میں سب درست کر دوں گا میر العقین رکھنا۔
میں اس محبت سے درست برداشیں ہو سکتا، یہ میری متاع
کل ہے۔“ وہ دخنوں لجھ میں بولا، اس کا لمحہ اس بات کا غماز
تحاکہ وہ اپنے جذبوں میں کس قدر ریکا اور رچا ہے۔
”مگر میں بابا جان سے عہد کر رہی ہوں کہ اب اس
سلسلے کریں شتم کر دوں گی۔“ میرب کا لمحہ بھگا ہوا تھا جو
سکندر کے دل کو اس کر گیا تھا۔ اس کی آواز میں حل نہیں اس
کی محبت کا عنا کھا تھی۔

”چھا جی اور جو یہا آپ کی ان خوب صورت نہ ہوں
نے مجھ سے پاندھر کے ہیں ان کا کیا ہوگا؟“ سکندر نے
ذوقی انداز میں اس کو مخاطب کیا، اس کا شوخ لمحہ پا کر
میرب نے قدرے جو نک کر سکندر کی آنکھوں میں دیکھا
جہاں سے اپنا ہی واضح عکس و کھاکی دے رہا تھا۔ اس قدر
خوب صورت اور پر یقین محبت، وہ بھی تو اسے چاہتی تھی۔
”میرب میں بابا جان سے بھی بات کر دوں گا، سارے
سائل حل ہو جائیں گے۔ لس شرط یہ کہ تم میرا ساتھ دو اور
ہاں بھی یہ بات تھا رے میرے اور تمہارے بابا جان کے
درمیان ہی رہے۔“ اس کا ذکر ہرگز نہیں بھی کسی نہیں
کر سکے۔ سمجھدی ہوتا اور تو بات بابا جان کی توں
خود انکل کو سمجھادوں گا۔ کیا وہ چاہتے ہیں کہ ایک کرب جو

”آپ نہیں جانتے کہ میری ماں کی وہ آخری وقت کی
اذیت آج بھی میرے ذہن و قلب میں نقش ہے۔ میری
ماں کے وہ آخری الفاظ کہ کاش بیا اور ان کے بھائی ان کو
صرف ایک مرتبہ گلے کا کرپا نہیں۔ وہ تو ان کی اپنی تھیں
مگر صرف ایک فیصلے کی پاداش میں ٹھکرا دی گئی تھیں۔“ یہ
سب جو ہوا بہت غلط ہوا اور اس میں سب سے زیادہ آگے
اور پیش پیش رہے آپ کے بابا سکندر آپ کے بیاناتھے وہ
جنہوں نے آخری آس بھی میری ماں کی توڑوی گی۔“ وہ
روہانی ہوئی۔ سکندر اس کے مند سے نکلنے والے انفلوں کو
سمجھتے میں خود کو بیکان کر رہا تھا۔ اسے تو بھی سمجھنیں آرہا تھا
کہ وہ اس وقت بے جوز ننگلو کیوں کر رہی ہے۔ بات تو
اس کی اور میرب کی ہو رہی تھی۔ اس میں اس کے والدین کا
کہاں سے ذکر کرنا گی اور اس وقت میرب کیوں اپنی ماں کی
وقات کا ذکر کر رہی ہے۔

”میرب ان سب باتوں سے میرا اور میرے بابا کا
بچلا کیا وادھ ہے؟“ سکندر دم خود ہوا۔
”کیونکہ آپ کے والد محترم میرے بڑے ماںوں
جان ہیں۔“ میرب نے بلا خروہ انشاف کر دی ڈالا جس
سے سکندر بالکل بے رخ تھا۔
”مگر نہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ نہیں ہو سکتا۔“ سکندر
بطرح پریشان تھا اور دینے لگا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا؟ آپ کا کیا خیال ہے میں آپ
سے غلط بیانی کرتی ہوں، ہرگز نہیں، یہ سب تجھے ہے۔“ وہ
ٹھہرے ہوئے لمحہ بولی، چہرہ چنان جیسا مضبوطی لیے
ہوئے تھا اور پھر اس نے ساری رو داد کہہ سنائی تھی سکندر کو
جسے سن کروہ پریشان ہو گی تھا۔
”تو گویا ہماری محبت کو فرنتوں کی آنچ کا سامنا ہے۔“
حکن اس کے لمحے میں اتر آئی تھی۔ وہی ظالم سماں، وہی

اپنوں کی دوڑی نے سہا ہے اب اس کرب سے ہم ونوں
دوچار جو جائیں۔ ”وہ بے حد ممتازت سے بولا۔

”اپ کی بات درست ہے مگر یہ تو سراسر دھکوادی
میں شمارہ گناہ۔“ میرب ہمچلچائی۔

پالی اور اس کا ایک سبق یہاں چھوڑ دیں۔ محبت کو پالیتا اور
محبت کی تجیری کو ٹھیک آنکھوں سے دیکھنا خوش نصیبی نہیں تو اور
کیا ہے؟ میں بھی پچھوکی طرح ہمت نہیں ہاروں گا۔ اپنے
جنہے اور دل میں عنزیم رکھوں گا۔“ سکندر کی باتمیں میرب
کے دل کو گدگاری تھیں۔ سکندر کی الہامہ محبت کے
سامنے وہ اکثر بالکل چپ کر جاتی تھی۔ بعض اوقات محبت
کا اعتراض اور اس کا اعتبار و مشکل مرحلے ہوا کرتے ہیں
گمراہ اپنا لینے سے مشکلات حل اور خوشیاں دستک دے
دیتی ہیں۔ اس وقت بھی سکندر اور میرب نے ایک نیا عہد
بر جھک گیا تھا۔

میرب کے دل میں کمی تو اس کی ایک خاص جگہ تھی۔
اس نے دل کی ضد پر اس ہمیانِ اختی کو ٹھاکریا تھا۔ جواب
اس کے لیے اختی تو دلوں طرح سے ہی نہ رہا تھا۔ وہ اس
کا اپنا خون تھا۔ دوسرا محبت میں اتنی زدanza وری ہوا کرتی ہے
کہ وہ ہر شے پر بھاری ہو جالیا کرتا ہے۔ محبت کا یہ خوبی، یہ
احساس ہر دل میں گھرنہیں کرتا بلکہ اس کے لیے مخصوص
زمیں کا انتخاب کیا جاتا ہے، زرخیزی سے محبت کی
خوبیوں سے معرض فضاء میں محبت کی شاخیں نکل آتی ہیں۔

جس پر احساس، مروت، وفا، طلب، ایثار اور اعتبار کے
خموں پھول کھل ائھے ہیں۔ محبت ایک الہی جذبہ ہے۔
جس کی تجیری ملے یا شے ملے مگر اس راہ زیست میں جمل اُر
انسان کی مزدیں پالیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اسے مجذوب
کی آنکھوں میں اپنا مسکن پالیتا ہر کسی کی خوش نصیبی ہرگز
نہیں ہوا کرتی۔ دلوں میں اس کی تاشیر گرجاتی ہے اور
اس میں تجزیہ میں کے بجائے زرخیز زمین کا انتخاب ہی اس
کو گدگار جاتا ہے۔

”تم بس میرا کہاں لو میرب اب تمہارا لکل بھی کسی سے
سوگ اگر عورت یا مرد کے مرنے کا ہوتا وہ بھی چار ماہوں
اعتراف بھی کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ سب کیا سوچتے ہیں،
دن تک رہتا ہے تو تاب پانچ ماہ سے اسی طرح اداں
کیا بکھت ہیں، ان کے دل میں کیا ہے؟ وہ میں نہیں جانتا
پھر تاہے۔ بتائیں ماں ہوں، کیا مجھ کھنکھنیں ہوتا۔“ تجیر اک

”تم بس میرا کہاں لو میرب اب تمہارا لکل بھی کسی سے
سوگ اگر عورت یا مرد کے مرنے کا ہوتا جو اس حوالے سے میں ایک
اعتراف بھی کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ سب کیا سوچتے ہیں،
کیا بکھت ہیں، ان کے دل میں کیا ہے؟ وہ میں نہیں جانتا
پھر تاہے۔ بتائیں ماں ہوں، کیا مجھ کھنکھنیں ہوتا۔“ تجیر اک

لچھ بھیجا ہوا تھا۔

”ماں اگر ہمیں رنگ نسل اور ذات پات کے دارے میں ہی رہنا اور جینا پڑتا ہے تو پھر یہ جھوٹی محبت کے لئے کیوں دل میں جڑ پڑا گر اس محبت کو تباہ و رخت میں بدل دیتے ہیں۔ ماں محبت تو میں کریمہا قہاگر میں میں بر اتب ہوا جب عالیٰ بیکم نے بھی اس محبت پر لیک کہا، مجھے اونچے اونچے خواب دکھائے تھے جب آرٹیس کا وقت آیا تو حب چاپ ائے اور میرے خوبیوں کو پل کر آگے بڑھتی چلی گئی۔“ بخوبتے لجھ میں گھر ادھ بول رہا تھا۔ سیرا جانی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل درست ہے۔

”پیشا جو ہونا تھا اب تو ہو گیا اور ان بڑے بڑے لوگوں کی شفقت اور ہمدردی کو بھی محبت سمجھنے کی بھول نہیں کر لی چاہیے۔“ وہ بے حد حدود سے بولی۔ اپنے میئے کو دیکھ رہی تھی جو کئی ماہی اور اوسی کوکوئی بھی بھانپ نہ سکے گا مگر اس مرین مسئلہ تو تھا کہ وہ اس وقت زنان خانے میں واحد صدر تھا جو سارے کام کرتا تھا۔ اس رے امور اور فرائض بجا لاتا تھا۔ وہ سوچوں کے دھاروں میں معروف دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کو زندگی کی طرف پلتا ہو گیا تھا۔

.....
اس وقت گھر میں رونق ہی رونق تھی۔ ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔ حوالی عالیٰ کی آمد سے جگہا اُنھی تھی۔
ال اور عالیٰ روتوں تی اکٹھائے تھے۔ ال کا اکٹھارا یہ سب نے ہی محسوس کیا تھا اور عالیٰ کا بار بار شرم سے سوتھ ہوتا چہرہ جو سی میں محبت کے رنگ مفروود تھے بلکہ رہمندگی کے رنگ گھرے تھے۔ وہ اپنے والدین کے سامنے ال کی اس طرح کردی کی کشمر ساری محسوس کر رہی تھی۔

”بھتی جکڑ کھاؤ، ملاڈ پھاؤ خوشیدا اور ذائقہ داری کا انتظام کرو۔ میرا جوانی گمرا یا ہے۔“ چوہرہ شاہ نواز نے عالیٰ کے سر پر دست شفقت رکھا اور چوہرہ کی سینے گل کراس کو دعا دی اور پھر انگل ہوتے اس کے کندھے پر تھکتے ہوئے بولے۔

”اور خودوار کی سماں مزاج ہے، سفر کیسا گزر؟“ وہ بے حد پرسرت انداز میں گویا تھے جگہ ال کے چہرے پر بے حد خوشیوں کی بھیل کا متنبی تھا۔ اس وقت بھی وہ اٹھ بیٹھا اور

”جی اماں، آپ درست کہہ رہی ہیں، میں میں تو اب اتنا ہی چاہتا ہوں کہ عالیٰ بیگم خوش اور آباد ہو رہی ہیں۔“ وہ ملوں ساہ موکر بولا۔

”تجھے معلوم ہے کہ کل عالیٰ آرتی ہے تو ان کی آمد پر کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نہ نکال دیتا کہ جو ان کی آئندہ کی زندگی کے لیے مشکلات کا سبب بن جائے۔“ سیرا بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”جی اماں میں اب کچھ نہیں کروں گا۔ جو ان کی زندگی میں کائیں بودیے۔ اگر یہی کرتا ہوں تو سلیے ہی نہ کر گزنا۔“ گھر میں نے تو ہمیشہ ان کی داگی خوشیوں کی دعا کی ہے، ان کی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ دیکھنا چاہتا ہوں، ان کو ہنستا بستا دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ ایک رنگ میں بول رہا تھا۔

ذنب کی کیفیت میں، جس میں صرف احساس اور پیارہ تھا، وہ پیار کی مٹی سے گوندھا ہوا صرف عالیٰ کی خوشیوں کی بھیل کا متنبی تھا۔ اس وقت بھی وہ اٹھ بیٹھا اور

دو کھنے سے تاثرات تھے۔ یوں جیسے مارے باندے یہاں کھڑا ہو۔

”جی سب صحیک ہے، دراصل میں عالیٰ کو کچھ دنوں کے لیے اوہری چھوڑے جا رہا ہوں، مجھے شہر میں کچھ کام تھے اس لیے، چند دنوں بعد میں واپسی کو ساتھ پہنچانا جاؤں گا۔“ اہل کو چوبدری شاہنواز کے سامنے وضاحت کا موقع مل گیا، دراصل چوبدری رب نواز سے اہل کوئی سے کہا تھا کہ اس کوہر صورت میں عالیٰ کے ساتھ جانا ہوگا اور اس کو وہ کسی صورت اکیلے میکے خصوصیت نہیں کریں گے کہ ایک طرح سے رسمیتی اور اس طرح کی رسماں میں ہونے والی ہر خوشی یادگاری واکرتی ہے۔

اہل کی وہاں آمد عالیٰ کے والدین کے لیے جہاں تقویت کا سبب بن جائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود عالیٰ کا سر فخر سے بلند ہو جاتا کہ اس کا مجازی خدا اس کو اتنی دیتے کے کاسے سے ساتھ لے جائے۔

”یوں بھی، چکھ دن تو رکتے پھر چلے جاتے۔ کم از کم ہم کسی صورت تھیں آج نہیں جانے دیں گے۔ کل سوریے چلے جاتا۔“ چوبدری شاہنواز کی مسکراہٹ پر منی تھی۔ یوں تو وہ بظاہر مسکرا کر ہی کھڑا ہے تھے مگر اہل جاتا تھا کہ تیا اس وقت کس نون میں بولی رہے ہیں۔ جب چوبدری شاہنواز نے کسی کام کو یا بھی تکمیل تک پہنچانا چوتا تھا تو اس کے لیے وہ بظاہر مسکرا کر مکھ مکھوں میں گرذتی سے چاٹپ ہوا کرتے تھے۔ رسول سے ان کا یہی طرز عمل رہا تھا۔

ایک مرتبہ یوں ہی زمینوں کے معاملات میں کچھ تنازعات سامنے گئے تھے۔ ان کے ساتھ والے گاؤں کا چوبدری کوئی قیصلہ کا انداز اور مقامات کی راہ اپنائے پر آمدی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ بلا خ رانہیں مجرما خود ہی ان سے ملنے جاتا پر اتحا۔

”کیا بات ہے، یہ پانی کی باڑ کیوں روکی گئی ہے؟ ملائی کے کاموں میں مسلسل نہ پیدا کرو بھی۔“ چوبدری شاہنواز نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا مگر ان کی آنکھوں میں پنچت

منڈلانے لگے تھے۔ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ اس کو تقدیر کرتے ہیں۔

”وَهِيَ رَانِيْ، سَدَا حُسْنِيْ رَهَ، آبَادَرَه“، سیمِر ایگمن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آنسوؤں کی نمی میں دعاوی، اس کے بعد دوسری عورتوں نے اس کے گرد بیٹھنا شروع کر دیا تھا مگر سارے تھائے سامنے میز پر سجائے گئے تھے اور وہ چوریوں کا ذہب اس کی گودیں دھرا تھا اور لفظ کہیں پہچھے ماضی میں رہے گئے تھے۔

”آپ جانتے ہیں مجھے چوریاں بہت بھاتی ہیں، رنگ بر گلی چوریاں اور میں جب روٹھ جاؤں تو وہ تھنچے رام کر لیتا ہے۔“ وہ بے حد جذب سے بولی تھی۔

”اچھا جو چوریاں پسند ہیں آپ کو؟“ وہ اس کے پاس ہی تدریجی قابلِ فحص سالی انداز میں بولا تھا۔

بخششی کیا ہیں عالیٰ کے روشن چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی ماگک کسی تدریج بھاتی ہی، اس کی نہایوں میں جلتی ہوئی شعیں کسی بھکھے سافر کو روشن راہ و کھلائی تھیں۔ وہ دل کے کتنے پاس تھی۔

”میں اس قابلِ تونہیں ہوں گر میں آپ کوشادی کے بعد چوریاں لا کر دیا کروں گا۔ آپ کی بھری بھری کلائیں میرے تن مردوں میں روح پھوک دیا کریں گی اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کلائی رنگ بر گلی چوریوں سے بھی اور بھری رہے۔“ ماضی کے گھرے نہرے خواب آج بھی اس کی آنکھوں میں بچل رہے تھے اس نے توہہت کچھ سوچا تھا مگر تقدیر کا لکھا بھی کچھ اور تھا۔ وہ اس وقت گھرے درد کو دل میں دبائے بیٹھی تھی۔ اس وقت اس کی بختی ہوئی نہایں، بخششی خلاش میں سرگردان تھیں۔ اس نے دیکھا چوپہری شاہنہواز اس کو کچھ لانے کے احکامات صادر کر رہے تھے اور وہ سر جھکائے اثبات میں سرہلاتا کس قدر کبھی اور اداس لگ رہا تھا۔ وہ بھی تو اس کی جدائی میں پے قرار بھی مگر اس کے نادان دل کی صداق کو جھلا کب سنواری مل سکی تھی۔ وہ تو اپنے دل کی کھاتی کو زبان سے بیان نہ کر پاتی تھی۔

مغربی ادب کی منتخب کتابیوں کا مجموعہ



شام ہو گیا ہے

لغو لفظ ہنگامے سطہ طریق سے بھر پو تحریر میں
اسکی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے شیعی طبقی ہوں گی

مغربی ادب سے انتقال
زیر و مرا کے موسیقی پر بہر ماہ مختب نادل
مختب ممالک شیلی دلی اڑاوی کی تحریر بکوں کے میں مفتر میں
معروف ادیبینہ نسل نسر کے قم سے کل نادل
ہر ماہ خوب صورت تراجم دلکش پسکی شاید کہ جانیاں



خوب صورت اشعار منتخب غربلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوب شوئے خون اور ذوق آنکی کے عنوان سے مستقل ملکے

اور بہت کچھ آپ کی پرندہ اور آرائے مطابق
پیشہ ملک صورت میں رجن ۷۴ (03008264242)

Info@naeyufaq.com

(021)35620771/2

تھی اور جائیداد کا وہ حصہ اس نے جس شخص کو سونپا تھا۔
اسے بھی بھر پور تسلی کروادی تھی کہ وہ چاہے تو اس کی منہری
زمین پر کام جوں کا توں ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ اس کے
زمن کے مالک ہوتے ہوئے ہوا کرتا تھا۔ فرق صرف اتنا
ہو گا کہ وہ تو ان ملازمین کو سالاتہ کپڑے اور مراعات دیا
کرتے تھے تکرروہ دوسرے فریق کو اس باندی سے بھی آزاد
کر گیا تھا۔ درحقیقت تو یہ ایک لائق تھی مگر حال کے حق میں
ہی تھی۔

اس طرح چوبدری رب نواز اس زمین کے بدلتے
ہوئے اور فارغ کیے گئے ملازم کی طرف سے چونکا ہو سکتا
تھا۔ اور اس نکاح سے چوبدری رب نواز کو اس کارروائی کے
حوالے سے کوئی سرانہیں دینا چاہتا تھا۔ چوبدری رب نواز
ایک نایابی کرامی شخصیت بن گیا تھا۔ اس کی آمدن لاکھوں
میں تھی۔ وہ تمام کاروباری وادی جب تک جنوبی جانب تھا اور وسیع
اراضی منافع کی حلقتوں سے بھی خوب واقف تھا۔ وہ تمام
ملازمین پر کڑی نگاہ رکھنے کا قائل تھا۔ اس کی روز روں
منافع کی اصل وجہ اس کی محلی آنکھیں تھیں۔ وہ کسی پر بھی
اندھا اعتماد نہیں کرتا تھا مگر یہاں اپنے خون سے ہی مار کھا
گیا تھا۔

شام کو ہو گی کوہ ہن کی طرح سجادیا گیا تھا۔ مختلف انواع
و اقسام کے کھانے اور ان کی لفڑی پیکہ دل کوشاد کر رہی
تھی۔ کڑھائی گوشت، سندھی بریانی، بخن اور شامی کیا بول
کے ساتھ خستناک اور مشکل میں کھڑے ہنائی تھی۔

”کیا بات ہے پہنچا ہوئے گل رہے ہو؟“
بیکم رب نواز نے ال کے چہرے پر بچھلی خمیدگی دیکھ کر
پوچھا، دل عجیب سے دہنوں کی امامگاہ ہنا ہوا تھا۔

”جی سب تھیک ہے بس میں ان رسولوں کے لیے
ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھا، ہو سکے تو میں کچھ دیا رام کرنا چاہتا
ہوں۔ میرے لیے کمراتیار کروادیں۔ سوتاے مجھے۔“ ال
نے خخت ناکواری سے جواب دیا، یہ دلکھ کر بیکم رب نواز کا چہرہ
تاریک رہا ہو گیا۔

”اسکی ہی بات ہے تو پہلے بتانا تھا انہم لوگ جیسے ہی
جحاب جنوری 2021ء 203

آئے تھے جب ہی میں کرہ تیار کرو چکی ہوں، سولیتے تھے ہوا۔ ”آپ بھول رہے ہیں کہ یہاں امشتری کہ کرہ ہے اور گھری دو گھنی بکر پرتاب اس وقت مت سوتا، کھانے کا وقت ہو چلا اے اور پھر رات گھر سوتا ہی ہے نا؟ مگر بہت سارے شتوں کو بجا تا پڑتا ہے۔ تو پراندہ یہاں جمع ہے اج تمہارے اور عالی بیٹی کے ایک ایک ٹنکاہ کھکھے ہوئے ہیں لوگ، میں بیٹیں چاہتی ہوں کو کسی بھی قسم کی بات سے اور چھپے سے تھکن ہو چکی۔ اس کا چھڑہ بھولپن لیے بنانے کا موقع ملتے۔“ پیغمبر نبی نواز نے چل سے تھا لین اسے بھیں سے بھی وہ کرشش نہیں کوکھائی وے رہتی تھی جو اس کو گینہ کی طرف دھیرے دھیرے پھیتھی۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے دونوں کاموازہ کیا اور قدرے کر گیا۔

”حجاں میں کمرے سے ہو کر آتا ہوں۔“ ملازم نے اہل کو ایک مخصوص کمرے کی سمت رہنمائی کی جوئے نویلے جوڑے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

”پریشان مت ہوں، میں صرف فریش ہو کر باہر جا رہی ہوں آپ کی خلوت میں چل نہیں ہوں گی۔“ عالی کا لجھ بھیگ ہوا ساختا۔

وہ تو پہلے ہی بخشود کیلئے کر رونے کے بھانے تراش رہتی تھی اور اب اہل کی خلفات اس کو یہ موقع فراہم کر رہی تھی۔ وہ اس کے پر سوچ نہ ہوں کوئی ذات پر پا کر عجیب سے انداز میں دلوک بولی۔

دنیں رہنے دو ہم فریش ہو لو اور ادھر ہی لیٹ جاؤ، ایسا بھی کیا ہو گیا ہے۔ تم لیٹ سکتی ہو، پیٹھ سکتی ہو، سوکتی ہو۔ اس میں اتنا چاہتا ہوں کہ میرے معاملات میں زیادہ باز پس نہ کرو اور اگر تم ایسا کرو گی تو مجھے اپنے حق میں ہیش ہمواری پاؤ گی۔“ وہ قدرے نرم لجھ میں بولا، اس کا لجھ سانچے تھے۔ وہ یک نک بندہ گھوول میں اس کے سرخیں گرفتار رہا اور دل اس کی محبت کے لیے چک رہا تھا اس کا جی چاہا اس وقت آنکھیں بند کیے لیا رہے مگر ایک جھکے سے اس کو چوکنا ہو کر سیدھا گھنٹہ پڑا تھا۔

سامنے ہی عالی کھڑی تھی۔ اداں دسو گوار، اس وقت وہ عالی کی یہاں آمد کی توقع ہر گز نہیں کر رہا تھا۔ دل ایک دم بچھل سا ہو گیا۔ وہ کسی محبت میں گرفتار رہا اور یہاں کوں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جو اس کی مکملود اور جس کا نام اس کے نام کے ساتھ جز گیا تھا۔

”تم اس وقت یہاں کیا کرنے آئی ہو؟“ اہل کا لجھ ہشاں بیٹاں بیٹھے باشیں بگھار رہے تھے جیسے دنیا کے

پولیس والے کی بھی خدمات لی تھیں۔ ”افی کا لہجہ تسلی بخش تھا مگر اس کی آواز بے حد کوکھی تھی۔ جیسے اسے خود ہی اپنی کمی گئی بات پر یقین شدہا ہو۔ دراصل غربت سب سے بڑا جرم بن جایا کرتی ہے اور اسی تو غربت میں ہی پروان چڑھاتا اور غربت میں ہی جی رہا تھا۔

”تو یہ جھوٹی تسلیاں کسی اور کو دینا، میں ماں ہوں، کیا میں نہیں جانتی کہ یہ سب بھانے ہیں، اس کو کیا کی تھی یہاں، امرے اس لفظ سے شادی سے منع ہی تو کیا تھا۔ کون سا جرم سرزد ہو گیا تھا ہم سے، انکار کرنے کی پاداش میں کھری چھوڑ کر دفعان ہو گئی۔ کوئی خالص مردت بر سول کا پاس بھی نہ رکھا اس نے، ”خورشیدہ بیگم کا لہجہ گلوکیر ہوا درمیں ڈوبی ہوئی آوازان کے دھوکوں کی عکس کی کردی تھی۔

”میں جانتا ہوں یہ مشکل کام ہے یہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ڈھونڈتا کا لوں گا۔ اس لڑکے کا بھی معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے مگر اس کا کوئی انتہا نہیں مل سکا، سب کاہنا ہے کہ وہ اسی مقصد کے لیے گھر تبدیل کرتا رہتا ہے اور اس نے چند ماہ پہلے ہی یہ گھر کرانے پر یا تھا اور اب تک اس کا کوئی سوراخ نہیں مل سکا، یہ تھیک کوئی کے یہاں سے جانے کے بعد کا ہی وقت نہ تھا ہے۔ اس ذیل انسان نے اپنی اوقات دکھادی۔ ”افی بے حد دل گرفتہ سا ہوا۔

”اچھا..... اب کیا ہو گا افی؟“ خورشیدہ بیگم کا چہرہ مایوسی کی شدتوں سے اباہوا تھا۔ درد او رگہ اکر ب، ایک ماں کا دل ایک ماں ہی کچھ سکتی ہے۔ اس وقت خورشیدہ بیگم اپنی بیٹی کوئی نہیں رہتی تھیں، برا جھلک بھی کہر ہی تھیں مگر دل ہی دل میں اس کی تجھی کی بھالی کی امیدوار بھی تھی۔ دل میں آس تھی کہ کاش وہ خیرت سے ہو۔

(ان شاء اللہ تباقی آئندہ شمارے میں)

سب سے زیادہ خوش قسمت شادی شدہ میاں ہیوی ہوں۔ جب کے اندر کے احوال کا علم صرف ان دونوں کوئی تھا کہ وہ دونوں اندر سے کس قدر ناخوش ہیں، دونوں کے دلوں میں کسی اور کاہی قدم اور بت نصب ہے اور اس کے حصول میں دل میں ایک عجیب سی ترتب اور لگن تھی جو بیدار ہو گئی تھی۔ عالی ایک لڑکی تھی اس لیے اپنی ہا اسودہ خواہشات کو دل کے نہایاں خانوں میں ہی تھک تھک کر سلا دیا تھا اور اس کے پر عس اہل ایک مردقاہ اور اس وقت دہاں خوش گپیاں کرتے کھانے سے بھر پور انصاف کرتے ہوئے بھی اس وقت صرف اور صرف اپنے نئے جیون ساتھی کے حصول کے لیے ہر ہر پہلو سے غور کر رہا تھا۔

”افی پہنچا ب کیا ہو گا؟ ہفتہ ہو گیا ہے اس کلموں کو گئے، اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔ اس نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس کی بیویہ ماں نہیں اس صدمے سے دوچار نزدیکی کی بازی ہی نہ پار جائے..... آہ۔“ اس وقت خورشیدہ بیگم آہ ویکا کر رہی تھیں۔ کوئی ان کی دھرم نہیں بھر کی تھی اور اس کے بعد ارمگی کوئی کوئی کھر سے فرار ہو جانے کے بعد دھوگ بے حد پریشان تھے اور اسی نے خفیہ طریقے سے ہر جگہ چھان میں کر کی تھی مگر کوئی کاٹنیں انتہا نہیں مل رہا تھا۔ افی اتنا دلبر راشتہ ہو گیا تھا کہ اس نے اس وجہ سے بہت دونوں سے یونہدستی کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔ بہن کی اس گھٹیا اور ذیل ہر کت کے بعد اس کا سر شرم سے جھجک گیا تھا مگر اس محلہ ابھی تک اصل بات سے ناواقف تھے کیونکہ نہیں یہی پتالیا گیا تھا کہ کوئی اپنے دور پرے کے عزیزوں کے پیہاں گئی ہوئی ہے مگر اب خورشیدہ بیگم اندر ہی اندر گھل رہی تھیں اور چھوٹی ارم کے بھی کان جانے پر پابندی عائد کرو گئی تھی۔ ایک بہن کے کرموں کی سزا درسوں کوئی کھل رہی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا اور گھر کی فضا بے حد پر خل ہو رہی تھی۔

”ماں پریشان نہ ہوں، میں نے اپنے کچھ جانے والوں میں کوئی کی قصور نہیں ہے اور اس کے لیے ایک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سمیٰ عثمان

ضمیم اصرہ اُمیٰ..... جنگ

میری قسمت میں کہاں نازاں حوشائی
میں تو چیزے بھیرا مانند برگ آوارہ
دکھ کر رخ زیبا حیران ہوں میں
آنکھوں میں ہے اداس اور چہرہ ستارا
سعد یہ حورین حوری..... بخون، کے پی کے
بکھری کتاں، پیکے اوراق اور تھائی پسند سادل
یقین مانو محبت نے میری عمر پر بھی ترس نہیں کھلایا

مدیح قورین ہمپک..... بیانی
ہرشامر چاخوں کی طرح جلتی ہیں آنکھیں
کیا کوئی چلا جائے تو یوں بھی ہوتا ہے
حرش قیم..... گورجنوالہ

روز کہتا ہوں بھول جاؤں تجھے
روز یہ ہی بات بھول جاتا ہوں
عالیہ چوہری..... لاہور

کاش کاش محبت خواب سی ہوتی
آنکھ کھلتی تو قصہ ختم ہوتا
کلشوم ملک..... ڈنگہ بوگہ

موت کی آہٹ سائی دے رہی ہے دل میں
کیا محبت سے خالی یہ گمراہ نہ کو ہے
بڑی عراں چکنی..... میانوالی

زنگی بھی تو پیشان ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھوندتی ہے کوئی حیله میرے مر جانے کا
شہزادی فرخدہ..... خانیوال

صدموں سے لوگ مر نہیں جاتے
تیرے سانے ہے مثال میری

خالدہ خالد ملک..... ملکان
میں تیرے ملنے کا مجھر کہہ رہا تھا یعنی
تیرے پھر نے کا ساختہ بھی کمال گزار
ارم صابرہ..... تلہ گلگ
تمہیں بھولنا ہوتا تو کب کے بھول چکے ہوتے محن
تم حرث زندگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں
مریم شہزاد..... قصور

اکثر یہ احساس ہوتا ہے مجھے
تجھے کوئی انسان نہیں میرا
ہالہ سیم..... کراچی
کاش ہم محبت سے انجان ہوتے
نہ دل نوٹا نہ ہم حیران ہوتے
سیدہ تمسم بشیر حسین..... ڈنگہ
محق تم ہو نہیں سکتے
مجھے منقی سے نفرت ہے
تمہیں تقیم کرنی ہوں
ضرب دل پر لکھتی ہے
سیدہ مبارکہ بشیر حسین..... ڈنگہ

تم واقع اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگی ہو
چہرے کی اوازی دود کرو
تم نہتی اچھی لگتی ہو
کنوں شہزادی..... نامہ
اپنے حصے کی چال تم چل بیٹھے
ہمارے منتظر ہنا کہاں ختم کرنی ہے
ابیر چختا..... راولپنڈی

بکھی تو محل کے برس ابر ہماراں کی طرح
بھرا وجود ہے جلتے ہوئے مکان کی طرح
بھی تو سوچ کر وہ فخش کس قدر تھا پلند
جو جھک گیا تیرے قدموں میں آسان کی طرح
کوٹھ ملک..... کجرات
اگر معلوم ہوتا کہ عشق اتنا ترپاتا ہے

مجھے ملنے سے مطلب تھا
 نادیہ توں سمجھات
 ہمارا تو خیال تھا وہ ہمارے ہوں گے
 خیال تو اچھا تھا مگر رہا خیال ہی
 دانیہ الطاف حیدر آباد
 اشکا کے پھول کی پتی نزاکت سے مل ڈالی
 اشادے سے کہا، ہم دل کا ایسا حال کرتے ہیں
 نوشابا بام .. کراچی
 بے حباب حرثیں نہ پالیے
 جو ملا ہے اسے سنجا لیے
 دانیہ الطاف حیدر آباد
 کانچ کے جیسا تھا رشتہ تیرا
 اک آہٹ سے ٹوٹ گیا ہے
 شہریں وڑائچ قصور
 یاد اس کی اب بھی آتی ہے
 بڑی عادت ہے کہاں جاتی ہے
 فائزہ بھٹی پتوکی
 جس قدر آپ کریں گا ہیں مجھ سے
 اس قدر تو برا نہیں ہوں گیں
 فائزہ شاہ لاغری
 ہم بہت گہری ادا کی کے سوا
 جس سے بھی ملتے ہیں کم ملتے ہیں
 امیر رضوی ننگل
 تیری آنکھوں میں سدا پار کے جگنو چکیں
 تیرے ہو گئے پر سدا گھنی سی مسکان رہے
 گفتگو خان بھلوال
 خیال کیجئے کہیں مر ہی نہ جاؤں
 بہت زہری ہیں خاموشیاں آپ کی

تو ہم دل جوڑنے سے پہلے ہاتھ توڑ لیتے
 نورین داش چوہری میر پورہ زادوں کیمیر
 جو ابھن گھنی درپیش وہ حل ہوئی
 تجھے دیکھتے ہی غزل ہوئی
 میرے دل میں جب سے کہیں تم ہوئے
 بھی کفری اک محل ہوئی
 عائشیم کراچی
 مجھے پھوپ کی آنکھوں میں وہ سارے رنگ ملتے ہیں
 جنہیں چھونے سے آئے زندگی کی خواہش کرنا
 بخی نور کراچی
 کبھی نظر میں یلا کی شوئی کبھی سرایا جا ب آنکھیں
 وہاں تے تو لوگ مجھے بولے حضور کھیں جناب آنکھیں
 عجب تھا کچھ گفتگو کا عالم سوال آنکھیں جواب آنکھیں
 ہزاروں ہی ان سے قل ہوں گے خدا کے بندے سنبھال آنکھیں
 گھپت غفار کراچی
 پیغمبروں سے زینیں وفا نہیں کرتیں
 ہم ایسے کون خدا تھے کہ اپنے گھر رہتے
 نورین احمد اعوان کراچی
 فصیل شہر میں پیدا کیا ہے وہ میں نے
 کسی بھی بابِ رحمات سے میں نہیں آیا
 اڑا کے لانی ہے شاید خیال کی خوبیو
 تمہاری سمت ضرورت سے میں نہیں آیا
 پروین افضل شاہین بہاولپور
 دشت میں ہے ایک نقش رہ گزرسب سے الگ
 ہم میں ہے شاید کوئی محوس سب سے الگ
 چلتے چلتے وہ بھی آخر بھیز میں کم ہو گیا
 وہ جو ہر صورت میں آتا تھا نظر سب سے الگ
 بجم جنم اعوان کراچی
 ماں مجھے دیکھ کے ناراض نہ ہو جائے کہیں
 سر پر آپل نہیں ہوتا ہے تو ڈر لگتا ہے
 ماری نندیر بھاگشا نوالہ
 وہ مطلب سے مل تھا

چکان

زہرہ جسٹن

گاجروا آنکا سوپ

اجزاون

گاجر

آلو (در میانے)

نمک

لہن کے جوئے

بیاز (در میانی)

چکن کی چنی

سفید مرچ

فریش کریم

مکھلے کے جوئے

دودھ دار

دودھ دار

حسب ذات

دودھ دار

ایک عدد

بیاز

گاجر

حصب ضرورت

حسب ضرورت

دکھلے کے جوئے

گائے بکری کی بہیاں

تمی یا کھن

ایک کھانے کا جج

ایک در میانے سائز کی

ایک در میانے سائز کی

تازہ اجوائیں نہ مک، کالی مرچ

ایک ایک جائے کا جج

ایک لیٹر پانی

ترکیب:-

بہیاں صاف کر کے ہو لیں۔ پانی ڈال کر مد تم آجج پر ڈھک کر ایک گھنٹہ پکائیں۔ پھر بیاز گاجر کے مکھلے کر کے ڈال دیں اور باقی تمام چیزوں بھی شامل کر دیں اور مزید ایک گھنٹہ پکائیں۔ چنان کر دیاں میں نہ کالیں بویہ و ارجح..... کھرات گاجر کا حلہ

اجزاون

گاجر (کدوش کی ہوئی)

کھویا

چینی

دودھ

چاول کا آٹا

الاچھی (بھی ہوئی)

پالام

پست

کیوڑا

زردہ نگ

ترکیب:-

پین میں کھنچن ڈال کر پچلا کراس میں چوب کی ہوئی بیاز اور کلک ہوئے ہمکن کوہلہ کا سافر انی کر دیں پھر اس میں آلو اور گاجر کے قطعے ڈال کر فراہی کر دیں اور چکن کی چنی شامل کر دیں۔ جب بیزیاں گئے پر آجائیں تو نہ کھل شامل کر کے چوہلے سے اتار لیں۔ سوپ تھوڑا سا خستہ اہوجاے تو میٹنڈ کر دیں۔ گرم گرم ڈش میں نکال کر سفید مرچ چھڑ کر دیں اور کریم سے جا کر پیش کر دیں۔

تذییل الطاف..... حیدر آباد

چکن اینڈ ٹھیکنیل سوپ

اجزاون

چکن (ریشہ کر لیں)

بندگوںی (باریکی کی ہوئی)

ہری بیاز (چوب کر لیں)

سیاہ مرچ پاؤڈر

نمک

حسب ذات

ایک عدد

ایک لیٹر

آدھا لیٹر

پانی

کارن فلور

ترکیب:-

سب سے پہلے وکپ پانی میں ایک کپ چینی ڈال کر چوپ لے پرچھ عادیں تاکہ شیر ان جائے۔ ایک باؤل میں ٹنک دودھ میڈہ ائندہ اور آنکل ڈال کر اچھی طرح سے کونکھ لیں۔ ائندہ پہلے الگ پھیٹ لیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے ڈالیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں اور گرم تمیل میں فرنی کر لیں۔ زیادہ ہوا نہ کریں۔ پھر گرم گرم شیر میں ڈال کر دو منٹ تک ڈھلن بند کر کے پکالیں پھر اس کو ایک ڈش میں نکال لیں۔ گلاب جام تیار ہیں۔

نورینِ انجمِ عنوان..... کراچی

محمل کا پاؤ

اجزاء:-

۳۰۰ گرام	چاول
آدھا کلو	سرمی فرش
ایک کھانے کا چج	اور لہن کا پیٹ
ایک چائے کا چج	گرم مصالحہ (پاہوا)
ایک چائے کا چج	ہلدی
حسب ذاتہ	نمک
حسب ضرورت	تمیل
آدھا کلو	سمی
دو عدد	پیاز
حسب ضرورت	گرم مصالحہ (ثابت)
چار سے پانچ عدد	ہری مرچ
وں سے بارہ عدد	کڑی پتے
ایک چائے کا چج	سفید زیرہ
ایک چائے کا چج	کالازیرہ
دو عدد	ٹماڑیں (بلجے چھوٹے کٹے ہوئے)

ترکیب:-

پہلے محمل کے چھوٹے پیز کاٹ لیں۔ پھر ان میں اور کلہن کا پیٹ، پاہرا مصالحہ اور تھوڑا سامنک لگا کر میری نیٹ کر لیں۔ اب انہیں تھوڑے سے تیل میں شیل فراہی کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ پھر ایک پین میں گھنی گرم کر کے پیاز، ثابت گرم مصالحہ، ہری مرچ، کڑی پتے، سفید زیرہ اور کالازیرہ شامل کر کے ایک سے دو منٹ تک مجھوں پھر اس میں ہوا سے ذرا چھک گاں تک پانی شامل کریں۔ جب پانی گرم ہو جائے تو بھیج

کدوش کی ہوتی گاہ جروں کو پانی میں بھجوں۔ ایک پین میں دو دو گرم کر لیں، پھر اس میں چینی گاہ جو رحاب کا آنا شامل کر کے ملکی آجھ پر پکائیں۔ جنگ کی عدے سے مکمل ہلاتے رہیں۔ اب اس میں الابھی پاؤڑ رشائل کر کے چندہ منٹ تک کھنے دیں۔ جب گاہ جو نرم ہو جائیں تو اس میں زردہ رنگ کیوڑا بادام اور پستے شامل کر کے اچھی طرح مٹس کر لیں۔ پھر ڈش میں نکال کر مختندا کر کے سرو کریں۔

انوشانگی..... لاہور

سمجھ بیلا

اجزاء:-

ٹانڈہ دودھ	گاجر (کدوش کی ہوتی)
چاول (ابلے ہوئے)	کنڈہ نیڈہ ملک
چھوٹی الچھیاں	ہمی
سماں گواران	باہم اپستے

ترکیب:-

فرانگیں پین میں گھنی گرم کر کے بادام پستے اور کشش تل کر نکال لیں۔ ڈیجی میں دو دو گرم کا جھیان سماں گواران اور چاول ڈال کر پکائیں۔ پھر گاجر ڈال دیں۔ جب گاہ جا ہونے لگے تو کنڈہ نیڈہ ملک شامل کر دیں۔ تھوڑی دیر پکا کر ڈش میں نکالیں سے بادام اور پستے سے جا کر مختندا کریں اور مہانوں کے سامنے پیش کریں۔

شہزادی فرخندہ..... خانوال

گلاب جاس

اجزاء:-

ٹنک دودھ	ایک کپ
میدہ	ایک کھانے کا چج
انڈہ	ایک عدد
بیکن باؤڈر	ایک چائے کا چج
آنکل	ایک کھانے کا چج
چینی	ایک کپ
پانی	کپ ۲

جھینچے کی بیرانی

اجزاء۔

آدھا کلو	جھینچے (صاف کیے ہوئے)
۳ پیالی	سیلا چاول (ابلے ہوئے)
۳ پیالی	وہنی (چھینٹی ہوئی)
۲ عدد	پیاز (باریک کئی ہوئی)
۲ کھانے کے جھنچے	پاہواہن اور ک
ایک کھانے کا جھنچے	۶ ہنسی ہوئی لال مرچ
ایک کھانے کا جھنچے	پاہواگر مصالحہ
ایک چائے کا جھنچے	چی ہوئی ہلدی
کھانے کے جھنچے	پاہوا دھنیا
۲ عدد	ہری مرچیں (باریک کئی ہوئی)
۲ عدد	کیوں کے قلتے
چوتھائی چائے کا جھنچے	زرد سکاراگ (پانی میں گھلاہوا)
حسب ضرورت	نمک
تلنے کے لیے	تیل

ترکیب:-

فرانشیز میں تیل گرم کریں اور جھینچے تبل کرنا کمال ہے۔
جسکی میں تیل گرم کریں اور اس میں پیاز اور ہنس بھوپلیں۔ پھر
لال مرچ ہلدی دھنیا وہنی اور نمک بلا کھڑیتھا جو پر کا میں۔ اس
میں گرم مصالحہ ری مرچیں اور جھینچے ملا کر چالیا جو کر دیں۔ اس
کی یہیں رکھ دیں۔ اس کے اوپر چاول پھیلائیں۔ زردے کا
نمک چھپریں اور دم بر کر دیں۔ پاچ سے دس منٹ بعد چاول
بند کر کر کٹش میں نکال کر ضرورت کریں۔

نرین افتر..... اسلام آباد



ہوئے چاول شاہل کرویں۔ جب چاول پھول کر اوپر آئے
لگیں تو اس میں نماز اور قرآنی کری ہوئی پھولی شاہل کر کے میں
کریں اور آٹھ سے دس منٹ کا دم دیں۔ تیار ہونے پر گرم
نکال کر سرو کریں۔

فرائی فش

اجزاء۔

سرخی مچھلی	ایک کلو
سفید مرکہ	دو کھانے کے جھنچے
لیموں	تین عدد
ہلدی	ایک چائے کا جھنچے
نمک	حسب ذاتہ
پیس	ایک پیالی
ٹانڈے کی شیری	ایک عدد
اجوان	ایک چائے کا جھنچے
لال مرچ (کئی ہوئی)	ایک کھانے کا جھنچے
کالی مرچ (کئی ہوئی میں)	ایک چائے کا جھنچے
سفید زیر (بیرون کر پیس میں)	ایک چائے کا جھنچے
اور کلبن کا پیسٹ	ایک چائے کا جھنچے
سرسوں کا تیل	حسب ضرورت
چات مصالحہ	حسب ضرورت اور ذاتہ کے لیے

ترکیب:- پہلے مچھلی کے قلنے کو ہوئے بغیر سفید مرکہ لگا کر پاچ سے

دس منٹ کے لیے رکھیں۔ پھر ہو کر جھنچی میں رکھ دیں تاکہ پانی
نکل جائے، اس کے بعد مچھلی کے قلنے میں دو عدد لیموں کا اس،
ہلدی اور نمک لگا کر رکھیں۔ اب ایک پیالے میں بیکن، ٹانڈے
کی سفیدی، اجوان، لال مرچ، کالی مرچ، سفید زیر، اور کلب
لبن کا پیسٹ اور ایک عدد لیموں کا اس بلا کھڑا حاصل آئیزہ تیار
کر لیں۔ پھر کڑا اسی میں سرسوں کا تیل گرم کریں اور ایک ایک
مچھلی کا قلنے میں آئیزے میں ٹبوکر گرم تیل میں ٹولٹن
براون کر لیں۔ اب اسیں نکال کر ٹشوپر ٹھیس ہا کسی چکنائی جذب
ہو جائے، اوپر سے چات مصالحہ چڑک کر گرم گرم ہان اور اسی کی
چنچتی کے ساتھ سرو کریں۔

مہبہ شریعت عمان

سُرِّ حَكْمَتِي

زینب احمد

حرباری تعالیٰ

پا رجن تیری رحمانیت کے میں شار
گرتا ہے فقط تو ہی ہر اک سے سچا بیمار
شب میں ذکر تیرا ہو دن میں بھی تجھے پکاریں
شنا ہے فقط تو ہی مولا دل کی ہر پکار
حسم تجھے میں بھولوں، ووہم ہی نہ آئے
صدقة میں تیری یاد کے وہی ہے بیدار
تیرے نام سے ہوتے ہیں سارے ہی مرے کام
تیرا نام جونہ لول، یہ جینا ہے بیکار
بھوس و فقر ہوں یا کہ پکتے ہوئے تارے
کرتے ہیں شاہ تیری اور تیرا ہی اظہار
بادل ہو یا باش یا کہ صحا کہ جمن ہو
آئی ہے ہواوں سے ہر سو تیری میکار
مسلم ہو کہ نا مسلم، سب ہی تجھے سے ہی ماں میں
ہے تیری عبادت سے یہ زندگی گلزار
حمد و شنا میں نظر آتے ہیں تیری یاد کے جلوے
نعتوں سے ہیں ملتے تیرے محبوب کے آثار
کثر قبولیت کی سند پائے یہ مدح
آجائے مقدر میں میرے آفلاطون کا دیدار
کثر خالد..... جزا نوالہ

وعا

اللہ! آنے والے اپ کے برس
میں تجھے سے یہدا کرنی ہوں
اب کے برس یہ مجھ و مکھا دے
مچھڑے ہیں جوان اکملادے
میری ارض پاک لوخش حال رکھنا
اں کی روشنیں سماں حال رکھنا
میں سے نہ ہٹوں کے چہرے بھول رکھنا

ہر گھر پر خاص رحمتوں کا نزول رکھنا
کوئی مخصوص کھلقوں کو نہ سے
رزق سب پر باش کی طرح جرسے
اللہ آنے والے اپ کے برس
میں تجھے سے یہدا کرنی ہوں
تیک لوگوں میں لکھا تم ہمارا ہو
ساری دنیا میں بلند پر جم ہمارا ہو
کسی گھر سے سکیوں کی صدائیں ناہیں دے
کوئی آنکھ پر ختم نہ کھائی دے
کوئی دل کھیل مولوں شہو
دعا میں زندگی کی بھی قبول ہوں
اسدعب المعرفت اپ کے برس
میں تجھے سے یہدا کرنی ہوں

شبِ حنفیف..... الاحور

سلام کرتے ہیں

جو مگر کر سنوئے آیا ہے
وہ میرا چہرے بدلتے آیا ہے
پسے اندر کرے یقین پیدا
وہ ہو ہم کو پکھنے آیا ہے
کس میں ہمت میں نوک لے اس کو
نیا سورج چلنے آیا ہے
اس کو دل سے سلام کرتے ہیں
وہ جو گر کر سنھلنے آیا ہے
وقت کے ساتھ دوریوں کا جنم
ملئے آیا ہے، باشندے آیا ہے
چاند، سورج، ستارے، پھول کنوں
خوش ہیں کوئی تو ملے آیا ہے
یا کہنے توں..... پرو

وعددہ پورا کرو نا

سنوا

انتظار کے پل بھی
گزار دیئے میں نے
بہت ہی مہر سے لیکن
وعددہ ہم نے بھجا والا
خوشیوں وا منتظر کی

سوی پچھاڑا
اب پاری تھاری ہے
تیری قربت بھی
پیاری ہے
وہ وعدہ تھا نے کا
کیا تھا اپنے برس
تم نے
اب پورا وہ کرو دناں
میرا نیساں خوشیوں
سے بھر دناں
وہ وعدہ اپرا کرو دناں

مدیح نورین مہبک برتائی

نیابریں

میری دعا ہے
نیابریں ہو جہارے جیسا
نہ کسی کا دل دکھانے والا
محبتوں کے رفاقتون کے
چنانچہ ہر جہا نے والا
چہاں میں کوئی نہیں ہے جن کا
انہیں گلے سے لگانے والا
اجاڑا آنکھوں کو زندگی کے
پسند کھانے والا
اواس اکوں کے آنکن میں
خوشی کی نہیں اگانے والا
 فقط محبت، فقط محبت، فقط محبت
سکھانے والا

عائشہ پوریز کراچی

مال کے نام
مال تجھے سلام صحتی ہوں کر
اتی ساری دعا میں تیرے نام لکھ صحتی ہوں
بھی جو زور لگا، سینے میں چھپا تو نے
راتوں کو جاگ کر ہم کو سلاپا تو نے
تیری آنکھوں کو سلام صحتی ہوں
بھی روئے تو پیارے بہلایا تو نے
کبھی سینے سے تو بھی گوئیں سلاپا تو نے

اس متا بھری گوکو سلام لکھتی ہوں
آج میں یہاں ہوں اور
جس مقام پر ہوں بالتعلیٰ
اس کا ہر آغاز تیرے نام صحتی ہوں
تیرے نام سے بادیے گھر ہمارے مال
تیرے ندوں میں جنت کو بچایا خدا نے
خدکے اس کرم کو احسان صحتی ہوں
مال تجھے سلام صحتی ہوں

بنت حوا..... مقام نامعلوم

آباد ہو گیا

میرے دل کو بھی اب ہے یقین ہو گیا
وہ کہیں ہو گیا میں تمہیں ہو گیا
میرے سائے سے بھی لوگ ڈرنے لگے
خون میں ڈوبی ہوئی آستین ہو گیا
دھنٹا اسے دیکھ کر یوں لگا
وہ پسلے سے اور بھی حسین ہو گیا
اس نے دیکھا جو سیلی نظر سے مجھے
رخص ہی رخص دل کے قریں ہو گیا
کر کے ودھے وہ آیا نہیں عمر بھر
حاوشاں لے جگہ با یقین ہو گیا
جانے کسی وقت الفر کوئی بے وفا
دل کے گھر میں آکر آباد ہو گیا
لیکم الفر راشی جنت مدر

گلاب کا پھول

گلاب کا چھوٹا سا پھول ہوں میں
ہر ایک میں مقبول ہوں
باد صبح آتی ہے خوش یوم بھری
چاروں طرف پھیلانی ہے خوش یوم بھری
قد میں چھوٹا سا پوچھوں میں
گملوں، کیاریوں میں کھلتا ہوں میں
گلکے کا ہارلوگ بختی بنا تے ہیں
اپنے گھر میں ہوقاتر کو جاتے ہیں
پھول کو دکھ کر سکراتا ہوں میں
پوپے پر لکھ لکھلاتا ہوں میں

فخشی الحب خان

تیرے انتقام کے بھول سے محبت ہے مجھے
میں تیری رہا ہوں میں پھیلیں
بچائے نیچی ہوں
تیری حیات کو بول سے
لگائے نیچی ہوں
بڑی آس سے
بڑی چاہ سے
بڑے ان کے ساتھ
میں نظر ہوں جاتاں
کہ ہمیں ناہب کے برس

انہ زہرہ.....حلماں

وقتِ رخصت
وقتِ رخصت درخواست کی تھی
بس اک ہی فریادی تھی
کہ دل کہہ تو لوث کتا تا
آنکھیں میری انتقامار میں ہوں گی
گزندگی کے دھنکوں میں کھوکر
تم پھر ہم کے بھول گئے شاید
کتاب بھی لوپی را تکتا ہے
تم سے ملے کی دعا کرتا ہے

رانی اسلام.....گوجرانوالہ

غفلت ہو گئی ہے
نہ جانے کیسی غفلت ہو گئی ہے
میرے دل کو دشت ہو گئی ہے
شکایت تم سے تھی افسوس، لیکن
زناء سے شکایت ہو گئی ہے
ترپتے تھے ہم صدیوں سے گر دہ
دکھا کے جلوہ رخصت ہو گئی ہے
ترما ملتا خوشی کی بات ہے پر
تیری فراقت قیامت ہو گئی ہے
دل اذیں پڑ گئی ہیں جسم و جان میں
کہ بسویدہ عمارت ہو گئی ہے
لگایا روک نیز عمر بھر کا
غم فرقت کی عادت ہو گئی ہے
نیز رضوی.....کراچی

وفاقہ و تو
زندگی اپنی نہ کے بہر کنا
نفرتوں کے راستے پر نہ سفر کنا
وفا نہ ہو تو محبت الھوری ہے
محبت کے سفر میں وفا کی فکر کنا
زمانہ جتنا بھی ہو ہمدرد آپ کا
زمانے کو نہ شریک سفر کنا
محبت ہر کسی کا مقدر گہیں ہوئی نہ
تلے جو محبت تو اس کی قدر کنا
رقبیاں.....طیح و باڑی
جمیں آتا ہے

ہاں جانتی ہوں میں
کہیں آپا کے جاتاں
کہہتی ہی دھواریاں
تمہاری راہ میں حال ہوں گی
اور سب گھر میاں ائے ملے کی راہ ہوں گی
اتی صرف دفیت سے ہمیں تم کو
جب خیال میر آیا ہوگا
اور باتاں کرنے کو مجھ سے فون اٹھایا ہوگا
ای لمحے ہوئی ہوئی دھک تہارے افس میں
اور کوئی پھنسنی فاسیں لیتا یا ہوگا
بات کرنے کے ارادے کھلوتی کر کے
تم پھر سے اپنے کام میں صروف ہو گئے ہوں گے
اور چند بھول میں مجھے بھول بھی گئے ہو گے
پری بھول سے نہ
پکھنے کو تیار نہیں
اس لمحہ تھیت کو مانے تیار نہیں
پھر کتے ہوئے کہتا ہے
چھمیں آتا ہے
سپاس چلتی ہے تو لکھتا ہے
چھمیں آتا ہے
ایک امید کا دن ہے چھوتا نہیں
تیری خاموشی سے سیرا دل روختا نہیں
دل کی مخصوصی خواہیں ہے جاگیں
اپنی صرف دفیت سے وقت نکال کر گئی میرے گھر بھی آتا

ول کاموس
موم نے اگڑا اپنی
بلیوں کی اوٹ سے
چھانک کر دیکھا سورج نے
سندروں پر چلتی ہوئی
پاریم نے
پیروں سے گرتے چل سے
وہل اڑی تو پھلوں نے
خوشیوں کے بہنے چشوں پر
تیراون کی اکھیز نے
تلیم کیا کہ موسم بھی
عجب دست نلاہاتا ہے
جو ساتھ نہ مانتا ہے مادا
اور روپ بدلتا رہتا ہے
چھوپل پر نہ ہے فضا
آگھوں میں کالی ڈوریاں
پھرائیے ملے تھیں
جو ظاہر کردی تی ہیں کہ
دکھ کھا سماں چاہے
ابدل کاموس اچھا ہے

اقرائیظ.....ہری پور

وعدے دفانیں ہوتے
آگئے ہو تو یوں کیا جائے
تم کو دل میں بنا لیا جائے
وہ جو وعدے وفا نہیں ہوتے
کچھ حباب ان کا بھی دیا جائے
گیت لکھتے بہت ہیں چاہت کے
آؤ ان کو گھنٹا لیا جائے
بھر گر زہر ہے تو پھر اے گل
زہر یہ کس طرح پی لیا جائے
سباس ملی.....رجیم یارخان
محبت کاردان

سنوا!

یاد ہے تاں
محبت کاروں ن

عزہ یوں حافظ آباد

وہپ کا کچھ

میری طرف سے وہ رخ بدلتا گیا
پھر بھی جانے کیوں وہ سورتا گیا
مشق کی دستاں لوگ بننے لگے
ہر کوئی پھر آئیں بھرتا گیا
میں نے سوچا دکھاؤں اسے کچھ رخ
وہ وار خیز کے پھر سے کرتا گیا
وقت کی وہپ کا کچھ اڑ ہو گیا
وہ بہت کی طرح پختلتا گیا
اس نے رسما پوچھا میرا حال
میں خوش گمانیوں میں کھرتا گیا
ساس رکنے لگی راج پھر سے میری
جب یہ دیکھا وہ ست بدلتا گیا
سید عبادت راج ذیرہ اسماعیل خان

دکبر مت گیاشاید

میری آنکھوں میں یہ مولی
دکبر دے گیا تھا
کہ جب تم نے کہا تھا
دکبر میں میں کے اب
شوجانہاں
میرے ساولوں کے ہینوں میں
دکبر اب بھی آتا ہے
تیرے ساولوں کے ہینوں سے
دکبر مت گیاشاید

شنبی کنوں حافظ آباد





ہماذ و افقار

پھلوٹ کا کلکنہا

ایک رفخ حضور ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ احد کے پہاڑ پر چھٹے تو احد کا پہاڑ کا نام لگا حضور ﷺ نے فرمایا۔

”حضرت پابزرید بسطائی فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ بندے کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ کی تمام حرکات و مکانات خالق کائنات کی طرف سے ہے۔“

”حضرت علی ہجویریؓ فرماتے ہیں معرفت اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ کی عنایت ہو وہی دل کو ہکھوتا اور بندے کرتا ہے۔“

حیدر نور.....برگ روحا

مجنونوں

آپ کے القابات: تول، زہر، رافیہ، سیدۃ النساء العالمین، سیدۃ النساء الامل جنت، آنکی، طاہرہ، مطہرہ۔

آپ کے والد ماجد حضرت محمد ﷺ اور والدہ ماجدہ حضرت میں نماز پڑھ رہا ہوں تو پیر سعائی گے سے کیوں گزر؟ ”مجنوں تو ہمچنان تھے۔“

آپ کے بھائی حضرت قاسم و حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم تھے۔

آپ کی بیٹیں حضرت زینب، حضرت رقی، حضرت ام نمازی تھیں۔

”کیوں نہیں دیکھا کیا تو اندر ہا ہے؟“ ”مجنوں نے کہا۔“

آپ کی شادی حضرت علی سے ہوئی اور آپ کی اولاد میں حضرت حسن، حضرت سین، حضرت زینب، حضرت رقی، حضرت ام نکثہ اور حضرت محن ہیں جبکہ بعض مومنین حضرت محن کے وجود سے انکا کرتے ہیں۔

فیاض احراق مہمان.....سلانوالی

ستھنہری بدقیقی

○ مردم کرنے والے اچھا ہے، لیکن گورت کرنے والے بہت اچھا

اصنیائیں.....سمجھاتے

معرفت الہی کی حقیقت ہو صوفیا کے

اقوال

○ امام حضرت صادقؑ فرماتے ہیں۔ جس نے اللہ کی معرفت ہے

○ شریف علم پڑھ کر متواضع ہو جاتا ہے اور رزیل علم پڑھ
کر مکبر ہو جاتا ہے۔

○ زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہو گی۔

○ عدل جو بھی کرے بہتر ہے لیکن امید کریں تو زیادہ بہتر
کہتا ہے ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ، کوئی ہستی نہیں دیکھیں

طیبہ ذیر... شادیوال، گجرات

مسکو اہتنی

”میں شرط لگاتا ہوں کہ تم خوش کوئیں مار سکتے۔“ ایک
دوسٹ نے درس دادوست سے کہا۔

درس دادوست بولا۔ ”تم نے یا انعامہ کیے گا؟“
پہلا دادوست۔ ”کیونکہ تھاہی بندوق میں گولی نہیں ہے۔“
دوسرا دادوست۔ ”تو تمہیں معلوم ہے خوش کوئیں نہیں۔“

رانا شاہ الفہد... چھانگا کالا

استاد: ”ریاضی کے کہتے ہیں؟“

وجاہت: ”ریاضی کی بیوی کو۔“

استاد: ”اگر بڑی کے کہتے ہیں؟“

وجاہت: ”اگر بڑی کی بیوی کو۔“

لکش پودھری..... لاہور

عبد الغفور قیصر ”پیٹا ایک ادا کس کریم کھاؤ گے؟“

میٹا: ”ابو بھی تو آپ نے ایک آکس کریم بھی نہیں کھائی۔“

عبد الغفور قیصر: ”پیٹا آپ بھول رہے ہیں پچھلے سال ہم

نے یہاں ایک آکس کریم کھائی تو تھی۔“

پروین افضل شاہین..... پاونٹر

سنہری بلقین

□ غلطی ایک بیچ ہے جبکہ رشتہ پوری کتاب اس لیے
ایک بیچ کے لیے پوری کتاب کوئی بہت کریں۔

□ دوسٹ کی خاکست کروں خواہ وہاگ گہی کیوں نہ ہو۔

□ کسی سے اس حد تک ناراض نہ ہوں کہ مٹانے والا

ہوتا حال کلہ پڑھ کے مومن ہو سکتا ہے حال مومن ہو جائے تو

مایوس ہو کر لوٹ جائے۔

رجح کوئل شہزادی..... سرگودھا

کون سی مخلوق کون سے من ویدا کسی

گنی

○ شریف علم پڑھ کر متواضع ہو جاتا ہے اور رزیل علم پڑھ
کر مکبر ہو جاتا ہے۔

○ حکمران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بدینت
ہوتے ہیں۔

○ کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس
پر بلاائیں مذکوب عام کردہ تا ہے۔

○ امیر بھر کر لے لے برائیں غریب کر لے بہت بڑا ہے۔
مالا اسلام..... خانیوال

عودت

عودت ذات کو قدرت نے عجب مثی سے بھایا ہے۔ جس
گھر میں بیدا ہوئی، پروش پاپی اور جس گھر کی دلیل پر جوان
ہوئی، جس آگنی میں چکتی رہی، جہاں نجاتے لئے خواب
بننے، لئے تھیتی بکھیرے اور لئے لاؤ اشوائے، جب جوانی کا
دو را یا تو رخصت کروی گئی۔ عورت واقعی ایک پر مشال ہیرہ ہے
کہ جس کی چکنگا ہوں کوئیہ کردے۔

مجھے بیٹیوں کی ہوت پر شکتا ہے جو جیتے جی پرائی ہو کر
دور کے دریوں میں چل جاتی ہیں اور پھر ان کی قبر بھی وہی بنتی
ہے۔

اے عورت تیری عظمت اور ہمت کو طام۔

ٹوپی نواز اخوان..... کنڈاں، سرگودھا

بلقین یلد رکھنے کی

□ جو شے ملنے سے حاصل نہیں ہوتی وہ تھہر نے سے
حاصل ہو جاتی ہے۔ جو سکون میں جمع کرنے میں نہ پایا جائے

وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا۔

□ حال کے عمل سے ہنسی کا عمل بدل سکتا ہے ہنسی کفر

ہوتا حال کلہ پڑھ کے مومن ہو سکتا ہے حال مومن ہو جائے تو

ہنسی بھی مومن۔

□ انسان جس کیفیت عقیدے میں مرے گا اس میں

دوبارہ اٹھایا جائے گا دعا کریں کہ وقت رخصت کلہ نصیب ہو۔

اپتوال خلیل جبوان

④ میں ان لوگوں میں چھوٹا بن کر رہتا چاہتا ہوں جو تصورات اور تصورات کی تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔
⑤ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں، اس لیے کہ میں اپنی زندگی کے درد، درد، دمود، دنار کے بد لذیں بیچتا اور میں لوگوں کو پاگل سمجھتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے غم کو درد، دمود، دنار کے بد لے لے جاتے والی بیچ سمجھتے ہیں۔

⑥ انسانیت کی مراجع ضفول گوئی نہیں بلکہ خاموشی ہے۔
⑦ بعض ایک بے جان لاش ہے پھر تم میں کون ہے جو اس کی قبر بننا پسند کرے؟

نوشین اقبال نوشی..... گاؤں بد مر جان

سلل فو کا کلڑہ

آج میں نے بھی خریدا ہے
سال تو کایا بہت سادہ سا کارڈ
تیری جانب سے پھر اس کو میں نے
اپے الٹی لیس پارسال کیا
تارکائی کی سب سکھیوں کو
جسکے مطلاقوں کوں یہ تھے
جس میں تحریر بدل کر میں نے
اپنے ہاتھوں سے یہ کھاخو دو کو
سال نو تتم کو بارک جاتاں

شاعر: فاخرہ رسول

انتخاب: عائشہ پوریز..... کراچی

شدی سے بھلم

شادی سے پہلے کسی نے شادی شدہ شخص سے پوچھا۔
”آپ شادی سے پہلے کیا کرتے تھے۔“ اس کی آنکھوں میں
آن عاگلے اور دبولا۔ ”جیسے اول کرتا تھا۔“
وہاں عمر..... حافظ آپاد

انمول بلتیں

☆ کچھ لوگوں سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ ان کی کچھ یا تمنی سوچ کر ان کو محبت دیا ملکل ہو جاتا ہے۔

☆ عورت کی میت کو ناہرم نہیں دیکھ سکتا تو زندہ عورت سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر..... جوڑہ

صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا بھٹکنے کے اداور فرمایا۔ میں کو اللہ تعالیٰ نے حق کے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو تو اوار کے دن اور خشتوں کو بیڑ کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور تو روکو بدھ کے دن اور جانوروں کو حصرات کے دن ادا دموجع کے دن۔

نادیہ اسلام..... ننکانہ صاحب

بلتیں ہیں خوشبو جیسیں

بھی ہیکل کی رخچ خونی رشتہ کو ختم کر سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح چیز تیر و ہوب ٹھہر کو تو جھلسادے گھر اس کی جذیں محفوظ ہوں گیں۔

بھی زندگی کی سب سے بڑی فتح فرش پر قابو پاتا ہے اگر فرش نے دل پر اپنی آنکھوں کو دوڑ رہا ہو گیا ہے۔

بھی زین اور الال زین کے درمیان انکھی اچھی باتوں کو بیوں پتھے چھے پرندے میں دنگی کے لیے رزق چلتے ہیں۔

بھی جو فرش ارادے کا پاک ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

الفت ایند فائزہ عباسی..... چتراری آزاد کشمیر

حیبوت انگلیز

+ شہد کی بھی شہد کے علاوہ ہم بھی تیار کرتی ہے۔
+ ہیونگ بڑا ایک ایسا پسند ہے جو اڑ سکتا ہے مگر مل نہیں سکتا۔

+ کیٹ فش ایسی بھلی ہے جو پشت کے مل تیرتی ہے۔

+ جانوروں میں سب سے بڑا اٹھ ویل شارک کا ہوتا ہے۔

+ دیکھ بھل کرنے کے ہوتے ہیں۔

+ دیکھ بھل کرنے کے ہوتے ہیں۔

+ کافر فل فش مندر میں کتے کی طرح بھیتی ہے۔

+ ویل بھل دوسال تک بغیر کھائے پیئے رہ سکتی ہے۔

+ دو ماں غیر ندر کے ہوتے ہیں۔

+ سندھر کا سب سے بڑا پسندہ البراں ہوتا ہے۔

+ کیکڑا ایک ایسا کیڑا ہے جس کے دانت اس کے پیہٹ کے اندر ہوتے ہیں۔

کیوں اپنی نہائش کرنی پڑتی ہے
حقیقتاً اچھا انسان وہ ہے جو ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے
زیلش ارشمن..... مجرمات جن کو لوگ برا کرتے ہیں۔
چکو وہاں جہاں کسی کو کندل میں تمہیں جھکانے کی خدمت
لئے ختم ہو ملکا ہے
جب سائب زندہ ہوتا ہے تو چوتھیوں کو کھا جاتا ہے لیکن نہ ہو
جب یہ مر جاتا ہے تو چوتھیاں اس کو کھاتی ہیں۔ وقت کسی بھی
زندگی میں ہر چیز کی عزت کرو، کسی چیز سے غافل نہیں ہونا
چاہیے۔

بھی نے نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن دعا
مالکے بغیر ہی پچھے گرا دی۔
شوہر: ”یہ کیا بعد دعا کیوں نہیں مانگی؟“
بیوی: ”ماں تھے لگی تھی کہ اللہ آپ کی تمام پریشانیاں ختم
کر دے لیکن پھر خیال یا کہ کہیں میں ہی نہ مر جاؤں۔“
ارم صابرہ..... تلمذ گنگ

بلدگلو بلقین
اگر زندگی میں سکون چاہتے ہو تو کسی سے کبھی تو قع
مت رکھو، کیونکہ قع کا پالہ میں شکر کروں کی زندگی رہتا ہے۔
بچپن میں ہم دوستوں کے پاس گھری نہیں تھیں لیکن
تائم سب کے پاس تھا تکڑا ج ہم سب دوستوں کے پاس گھری
یا موبائل میں وقت ہے مگر ہم کس کے پاس نہیں ہے۔

تو مجھے لوتاتا ہے یہ تیرا کرم ہے یا اللہ وہ نہ تیری رحمتوں ہے
کے قابل نہیں بیانیں ہے میری زندگی ہے۔
قیرستان ایسے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں جو یہ سمجھتے
کہ قیرستان کے خیر یہ دنیا ابڑ جائے گی۔
اتنا حقیقت نہ کر خود کو کہا میری حیثیت سے باہر ہو جائے
تھے کہاں کے خیر یہ دنیا ابڑ جائے گی۔
لگ اکھر ہمیکی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں اپنی حیثیت کو یک کر۔
عقل مند اپنے خیالات میں تبدیلیاں کر سکتا ہے مگر
شہزادی فرخندہ..... خاندان احمد میں اتنی بچہ گھبیں ہوتی۔

اچھا برا
کبھی کبھی یہ دنیا لوگوں کی وجہ سے اتنی بھری ہے اور خلوص کے لئے ہی
تازک ہوتے ہیں جیسا کہیں کہ رای ٹھیں لگے تو ٹوٹ گئے
بے گمانی نے سر اٹھایا تو چھاتا چور ہو کے پھر ان پر پھر کیسا؟
اسے ہم جیسے اچھے بنا دیتے ہیں۔
نورین اطیف..... ذی جی خان
سائز واؤ..... ذی جی خان

بلقین سوچنے کی
زندگی کی کتاب پڑھ کر صرف وہی لوگ کامیاب
ہوتے ہیں جن کی تو جاگے ہاں پڑھتی ہے۔
انسان بہت کچھ تقدیر پر جگہ تقدیر بہت کچھ انسان پر
چھوڑ دیتی ہے۔

السلام عليكم ورحمة الله
کے باہر کت نام سے ابتدأ
کرنے والا ہے۔ نے سال
اور بہت سی امیدیں بھی
ہے۔ بے شک ہمارا رب
والا ہے۔ اس لیے اس نے
رکھی ہے۔ ان شاء اللہ یہ سال ہمارے لیے راحت ثابت ہو گا اب بڑھتے ہیں آپ کے تبریزوں کی جانب۔

حکایت حجہ

جوہی احمد

و برکات۔ اللہ بتارک و تعالیٰ
ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم
کا سورج طلوع ہو گیا ہے
ہمارے ہاتھ میں تمہارا رہا
ہم سے بہت محبت کرنے
ہر تکلیف کے بعد راحت
رکھی ہے۔ ان شاء اللہ یہ سال ہمارے لیے راحت ثابت ہو گا اب بڑھتے ہیں آپ کے تبریزوں کی جانب۔

دمشاً أَصْفَهُ خَلَفَكُثْرَهُ - السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو اس بارچا جبارتار بخ کول گیا۔ نائل دو مکن بالکل اچھی نہیں گئی۔ سفید بالوں والی بوڑھی اماں کو بیٹھا دیا۔ شادی کی جیواری اچھی تھی مجھے پسند آئی اور دوسرے صدا نکالی (قریب تھی) تو جوتا انھا کروز ورے مار دیتی) ارے او بورڈی اماں میں دیتی جا جیواری۔ جواب میں بوڑھی اماں نے وہ ٹھوڑیاں دکھائیں کہ سردی میں بھی پسینے چھوٹ گئے۔ (بِاللّٰهِ الْمَمْوُلِ) آگے بڑھے "بات چیت" کی طرف تبدیلیوں کو، ہم ضرور پسند کریں گے۔ بس آپ یہ خیال کرنا کہ "آگلنے کی چیزیاں" والا سلسلہ نہ ختم کر دیتا۔ "حمد و نعمت" بھیش کی طرح بیت رعنی۔ کوثر خالد کا انترو یوبس میک قھا۔ ہم دونوں بہنوں کا "آگلنے کی چیزیاں" اکٹھے ہی لگادیں اور تب تک کے لیے یہ ہمارا آخری خط ہے جب تک آگلنے کی چیزیاں ہمارا تعارف شامل نہیں ہو جاتا۔ اگر ہو سکتے تو اگلے ماہ ہی لگادیں اپورا پلیز پلیز پلیز۔ "مرگ تھا" کافی اچھی بھی سی اسٹوری ہے۔ مجھے اس کہانی میں بس عزت فاطمہ کا کروار بھیجیں آتا ہے۔ "عشق نگر کے سافر" اس کہانی سے فی الحال رابطہ توڑیا ہے۔ اس کہانی کو پڑھنا اب میرے بس میں بالکل نہیں ہے۔ "دل کو کس کا ملال تھا" شرچل کی انتہا درج کی مکاریوں کا (بِاللّٰهِ الْمَمْوُلِ)"۔ میرے سکندر" بہت زبردست تحریر ہے۔ "عشق اللہ ہو" یا اسٹوری بہت بہت اچھی تھی۔ بہت بہت بہارک ہو مونا شاہ کو اتنی اچھی کہانی لکھنے کے لیے۔ "تجدید وفا" بتسام کی ای کی اتنی مکاریاں۔ ہم تو حیران رہ گئے۔ وہی حال تھیں کہ یہ کہانی جلدی "ملک داستان" یا اسٹوری اچھی نہیں گئی۔ "چھوٹی بہو" راستر کو بھی اتنی جلدی نہیں ہو گئی۔ حقیقی میں تھی کہ یہ کہانی جلدی شائع ہو گری مخصوص عرض پڑھ کر منہ بور کر رہ گئے۔ تیرے بنا جیتا ہے "شمانتواز کی محبت کو حکیمی تھی۔ وچھلے ماہ ایک اسی ہی کہانی تھی۔ "دل تشنہ ب کیوں" جس میں ایک پڑھی لکھی اور باشور لڑکی بنا کسی وجہ کے گمراہ گئی اور اس میں بھی ماہر رنج کو گھر سے بھاگ جانے پر شامتواز نے مجور کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس لڑکی کو شامتواز کی مان شادی سے پہلے پسند نہیں کری تھی۔ وہ شادی کے بعد اس سے کیسے اپنی بہو مان سکتی۔ ان مردوں کو کیا لڑکی کو لا کر گرف پیٹھا دیا۔ لوگوں کی باتیں تو عورت کو ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ پلیز اس قسم کے موضوعات پر کہانیاں لکھنا بند کر دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گئی۔ اچھی نہیں گئی یہ کہانی۔ "میرے ہاتھوں کی لکیر" شکر شتوں کو دیک کی طرح جاٹ جاتا ہے۔ بہت اچھی لکھی یا اسٹوری۔ "لطفوں کے دکھ" ایمان کی کہانیاں شہر یار سن کے پاس کیے جائیں گیں اور شعروں کا مجموعہ بھی ایمان کا شہر یار کے ساتھ کیا رشتہ تھا۔ جب ایمان کی لکھی ہوئی اسٹوری مدد پرہنے ہی رنجیک کروی تو وہ شہر یار کے پاس کیے جائیں کچھ بھی اس کہانی میں واضح نہیں کیا۔ اس کہانی کے آخر میں جو نظم لکھی ہوئی تھی وہ مجھے بہت بہت اچھی گئی۔ اس کہانی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کی نسبت زیادہ ذہین ہوتی ہیں۔ حسن شہر یار چھڑ

کہیں کا، اس کی وجہ سے ایک لڑکی کی جان چلی گئی۔ کتنا مسرور ہو رہا تھا ان (تالائیں) اپنی کامیابی پر۔ ”چاہت کی راہیں“، ”حیراً گوندل آپ نے دل خوش کر دیا میر اتفاقاً ملک کہا تھی تھی۔ ”بزمخن“ سے طیبہ سعدیہ، ”غمزہرہ“، ”زینب زہرہ“ (کیا آپ دونوں بہنیں ہیں) ایم محرب، ارم صابرہ، شبانہ امین، حافظہ سیرہ، ایں آر مکان اور شمینہ مغل نے بہت اچھا لکھا۔ ”دوست کا پیغام آئے“، اس بار شامل کیوں نہیں تھا۔ کچن کارز نہیں پڑھا۔ ”سوج خحن“ سے صبا ناز، ماہ رخ چودھری، چودھری شاہد کی دعاء محبوب (غلط نہیں ہے یا آپ کی) آسید نزیر، ایں اے مکان، کرن شہیر، عادل معطفی، رقیہ امیر، روپی علی، تبسم بشیر، مدیح نورین اور آسید شاہین نے بہت عمدہ لکھا۔ ”شوختی تحریر“ سے نور حمر، مشی خان، شاہی عبد الغفور، عشرت قاطر، بشری بای جوہر، ارم کمال، شرہ گفار، رشک و فا، نجت شیر اور شرزاں بوج نے بہت اسی اچھا لکھا۔ ”حسن خیال“ سے شانزہ پویز شاتو، عاششہ ٹکلیں، ایمن غفور نے بہت اچھا تبصرہ کیا۔ جوہی آپی بات تو بتا میں کہ ڈاکٹر ہما جہانگیر کا ”شب بائے وی اینی ول“ یعنی اول کتابی صورت میں آگیا ہے اگر آگیا ہے تو اس کی قیمت کتنی ہے؟ ڈیزرا ایمن غفور آپ ہمیں چتنا پسند کرتی ہوا سے کہیں زیادہ ہم آپ کو پسند کرتے ہیں۔ اتنی شدت سے میں آپ کو اور حرا کو لا ایک کریں ہوں، جس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ بھی آجانا ہمارے گھر ملنے کے لیے۔ ایمن غفور بات آپ نے بالکل بھک لکھی ہے کہ آج کے دور میں مغلص دوست ملا شکل ہے۔ آج کل کے دور میں مغلص ساتھی اور بیٹھے مالٹے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ڈیزیر قیہ ناز جب آپ اپنی ای کے گھر آؤ تو خط لکھ کر پوست کر دیا کرو۔ مجھا آپ کی بڑی شدت سے محوس ہوتی ہے۔ میری بیٹھ فریڈر بربرہ کی روح ڈھڈے فروری میں ہوتی ہے۔ اس لیے ایڈ والس نہ ساگرہ کی مبارک باد قبول کرو۔ اللہ تمہاری عمر دراز کرے، آمین۔ آنھ سال ہو گئے ہیں ہم دونوں کو اکٹھے پڑھتے ہوئے اور پانچ سال ہو گئے ہماری دوستی کوچھ تھی کلاس میں ہم نے ایک دوسرے کا داد دی کرنے کے لیے ہاتھ تھاماتھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری دوستی کو ہر بری نظر سے بچائے آئیں۔ سب قارئین کی نذر ایک شuras کے ساتھ اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

تحا کوئی جو میرے ول کو رُخم دے گیا
رُنگی بھر جینے کی قسم دے گیا
لاکھوں پھولوں میں سے ایک پھول چتا تھا میں نے
جو کامنوں سے بھی گھری رُخم دے گیا
☆ پیاری رُنشا! پہلے دفتر کی منتقلی اس کے بعد بارش نے نئے دفتر کا بے حد براحال کیا ہی کہیں۔ بس رونے کی سرہنگی ہے وہ تم پوری کر دو اس خبر کو سننے کے بعد کہ تمہارا اور ارم کا آٹھن کی چیزیاں کے پانی میں بہہ گیا۔ اس پر فاتحہ پڑھ کر دوسرا ارسال کر دو۔

اوْمَّ أَصْفَ مَلَك خَدْنَجَةٌ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ جَوَهِي جَانُوكِی هُو؟ او جی، ہم ایک مرتبہ پھر حاضر ہو گئے۔ آپ کی مغلل میں جوہی جانو کیسا گا؟ (ہہہہا) جاپ بارہ تاریخ کو ملا۔ نائل پر پہلی رنگا پڑتے ہی ایسا گا جیسے چیل بیٹھی گھور ہی ہے۔ (ہہہہا) مگر جی ہم نے نائل کو تقدیری اور تعریفی نہیں ہوں سے دیکھا۔ جیلوڑی ماشاء اللہ سے بہت پیاری تھی اور ناخن تو جیلوڑی سے بھی زیادہ پیارے تھے مگر جب ذرا غور سے دیکھا تو اس کے ناخن نعلیٰ تھے شام خود تو پیاری نہیں گی۔ میک آپ کی وجہ سے آنکھوں والا میک آپ پیارا نہیں کیا ہوا تھا۔ پلیز جوہی جانو نیم نیز یا جل علی کا

نائل لگادیں پیارا پیارا سا۔ ”بات چیت“ میں صحیدہ آنی اپنے گفتہ انداز میں مخاطب تھیں ضرور آنی ہم بھی جواب میں تبدیلی دیکھنا چاہتے ہیں۔ آئی کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اسٹریٹ کے انزو یو کا سلسلہ شروع کرو دیں؟ اور آنکن کی چیزیں اسلامہ بن دیں کرتا پلیز چیز اور ذرا کہانی کے موضوعات کو بھی زیر غور لا میں پلیز جیسے کچھ کہانیوں میں یہ ہوتا ہے ہیر و اور ہیر و ان کی ملاقات یونیورسٹی یا کالج میں ہوتی ہے دیں سے ان کا پیارا شروع ہوتا ہے یا پھر یہ کے لذیں گھر سے بھاگ جاتی ہے اس قسم کی کہانیاں زیر غور لا میں پلیز پھر اس قسم کی کہانیاں پڑھ کر والدین اپنی بچوں کو رسائے نہیں پڑھتے دیتے کہ کیا سی کہانیاں پڑھ پڑھ کے ان کا دام غر خراب ہوتا ہے آنی بھی میری بات کا رہنمیں مانا۔ اب ہر کسی کا دام ایک جیسا تو نہیں ہوتا ان۔ ”حمد و نعمت“ ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت انداز ہیا۔ ”آنکن کی چیزیاں“ میں نے اس آس کے ساتھ کھولا کر اس مرتبہ میرانام آئے گا بھائے رے سوٹوٹے ہو گئے دل کے خیر۔ کوثر خالد جی آپ کا بے ساخت انداز اچھا لگا۔ ”شادی کا احوال“ نزہت جیں خیام بھی اتنی دعوم و حصر کے والی شادی میں تو پڑھ کے اتنی خوش ہوئی کہ کیا چاتاؤ اور حیران اس بات پر کہ جیوڑی آپ خود بھی بنا لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے، آئیں۔ ”مرگ تنا“ ماوراء آپ بھی آپ یقیناً بہت اچھا لکھ رہی ہوں گی کوئکہ میں نے ابھی تک ایک قطف بھی نہیں پڑھی۔ پڑھوں گی ضرور ان شاء اللہ۔ ”عشش گر کے مسافر“ میں صبح یتکم کی دوبارہ شادی ہو گئی یا در بخت کے ساتھ اور یہ شہنم کو کیا مسئلہ ہے فاریہ کے ساتھ؟ نہ آپ کی اسٹوری مجھے بھی بھی پر اسرار لگتی ہے۔ ”دل کوکس کا ملال تھا“ (یعنی کہ پچھلے ماہ یہ کہانی کہاں غائب تھی؟) نادیا آپ کی آپ نے تو بیشہ بھائے ہی لاکھوں کی شاپنگ کراؤ ای (ہہہا) منہوس شر جبل تھے کیڑے پریں، شر جبل کا دام غر ہے یا شیطانی گھر۔ یہ تاذان کوئی نہیں معلوم کر فضیلت بی بی کی سرجری ہوئی ہے یا نہیں۔ نادیا آپ کی کہانی اچھی ہے پر آپ لمحتی بہت کم ہیں جھوٹی ہی زیادہ لکھ لیا کریں۔ ”چاہت کی رایں“ حمیرا گونڈل کے قلم سے نکلی تیری بہت پسند آئی، اس میں امامہ کا کردار بہت پسند آیا۔ ”تجدد ورقا“ مجھے الکی سائیں زہر سے بھی بردی لگتی ہیں جو پہلے تو پیار بخت سے بیاہ کے بہول آتی ہیں اور بعد میں ان کی زندگی اجرن کر دیتی ہیں جبکہ وہ اپنی بیٹی کو سر ایل میں خوش و خرم دیکھنا چاہتی ہیں۔ چلوٹھیک ہے ایتمام فخر کو کسی نہ کسی طریقے سے عقل آتا آتی۔ انہوں کا کردار بہت اچھا لگا۔ ”ملکہ داستان“ از صبحاتِ رفق چیزہ بہت ہی اترستگ کہانی تھی پر مجھے شروع میں پچھے سمجھ میں نہیں آئی عمر کا بیوں چھوڑ کر جانا۔ ”عشش اللہ ہو“ اس ماہ کی نمبر ون اسٹوری رہی۔ مونا شاہ قریشی آپی قسم سے آپ نے بہت عمدہ کہانی لکھی۔ پہاڑے آپ نے مجھے شروع میں ہی انداز ہو گیا تھا کہ ہیر و شہنم نہیں بلکہ وہ رہی شور و شہنشاہی ہو گا جبکہ ملکوہ تام کا اگر مطلب پتا ہے تو پلیز بتا دیں جبکہ عبدالعزیز نام بھی بہت پیارا ہے۔ ”میرے سکندر“ از قرآن میں سکندر وہاں آپی جان کیا مزیدار کہانی لکھی ہے آپ نے مجھے لگاتا ہے کہ میرب اور سکندر آپس میں کزن ہیں ماضی میں جو سکندر کی پھوپکھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں وہ یقیناً میرب کی مہماں ہوں گی اور وہ گھینہ مجھے لگاتا ہے کہ اس کا بھی کوئی نہ کوئی رشتہ ہے چودھری شاہ نواز کے ساتھ اور عالی اور سخت کو ضرور ملاتا آپی عالی اور اس کی شادی نہیں ہوئی چاہیے۔ ”میرے ہاتھی کیکریں“ عالیہ بلکر ای شایدی را اسٹریٹ میں پر افسانہ بہت اچھا لکھا۔ ”چھوٹی بہو“ بھی خوب رہی نام سے تو پچھوٹی لگ رہی تھی بس فرق یہ تھا کہ بڑی بہو زبان چلاتی تھی اور جھوٹی بہو ہاتھ۔ ”تیرے بتاب جینا ہے“ کہانی کا نام پڑھ کر مجھے راحت فتح علی کا گناہ میرے

پاس تم ہو یاد آ گیا (ابہا) مجھے اس کہانی میں ماہر خ کا فیصلہ اچھا لگا۔ اگر شاہنواز کے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو وہ کسی نہ
کسی طرح اپنے والدین کو ماہر خ کے لیے راضی کر لیتا تھا کہ ماہر خ کو گھر سے بھاگنے کے لیے مجبور کرتا۔ ”لطفوں
کے دکھ“ مجھے یہ افسانہ بہت اچھا لگا پر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایمان کی کمی ہوئی چیزیں سن شہر یار تک کیے
چکنچی ہیں؟ ایمان بعلیؑ جی نے واضح نہیں کیا اس چیز کو۔ ”بزمِ حُنَّ“ سے ”خُمُّ ابْحَجَ عَوَانَ، أَقْصَى ثَمَنِهِ طَبِيبٌ مُحْدِثٌ، أَنْزَمَ زَهْرَةَ
کے علاوہ بھی سب نے بہت خوب صورت لکھا۔ سمیع عثمانؑ جی میراثام شامل کرنے کا بہت بہت شکر یہ۔ ”چُنْ كَارَزْ“
میں تو رین ابْحَجَ عَوَانَ کی رسمی اچھی لگی ان شاء اللہ رائی کروں گی اسی حقے، میں نے بھی پچھلے ہفتے ایک نئی ڈش ایجاد
کی ہے خود جس کا نام سے آ لوکی چلتی۔ ”مَوْجُ حُنَّ، زَمْبَ اَحْمَجَ كَسْطَلَيْهِ مِنْ مَا شَاءَ اللَّهُ سَبَّنْ خُوبَ صُورَتَ
لَكَهَا پَرِ سَيِّدَه جَيَاعَبَسَ كَاطُلَيْهِ اور آسِیَه شَاهِيْنَ نَزَّلَوْ جَوَابَ لَكَهَا۔“ ”شُونَتِيْحُرْ“ بھی لا جواب رہا۔ ”حُسْنِ خَيَالِ“ شانزہ
روزِ شانوں کی ایسے تحریقی اور تنقیدی تھے کہ ساتھ پہلے نمبر پر بر احمدان تھیں۔ شانوں ڈیزیر اور ایکن غفور ڈیزیر میں
نہیں بھی عائب نہیں تھی۔ آچل اور جاپ ہر ماہ لیتی تھی پرشال ہونا مشکل تھا کیونکہ ایک توڑاک خانہ دور پڑتا ہے
اب گھر سے تو درسرائی مصروف تھی بہت۔ دل تو بہت کرتا تھا شامل ہونے کو کچھ ماہ پہلے تک تو بالکل فری تھی پر اب
پہلے پڑے سلاں نہیں ہوتے تو درسرائے جاتے ہیں کڑھائی بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ اب ہر ماہ کوش کروں گی
کہ شامل ہو جاؤں ان شاء اللہ۔ ایمان کی پنجی اتنا پار کرتی ہو ہم سے؟ تو سوچ ہم لکھنا کرتے ہوں گے۔ آپ سب
سے ڈھل ڈھل پانی سب کے تبرے بھی ساندھ رتھے اس بات کے ساتھ اجازت کہ جیو تو ایسے کمرنے سے پہلے اللہ
تعالیٰ کو پیارے ہو جاؤ اور اللہ پاک آپ سب کو جہاں بھی رکے بھیش اپنی رحمت کے سامنے تلے رکھے، آئیں۔
☆ پیاری ارم! آپ کے شعر کے لیے کچھ کہنا مناسب نہیں، کہا بیاں اتنی دلچسپی سے پڑھ رہی ہو کہ اختتام
دوسرول پر واضح کر رہی ہو۔ ملکوہ کہتی چڑاغ اور روشنی کے ہیں۔

اللَّهُ وَكَمَا چَوَدَهُرِي..... هَلَوْنَ آبِلَد..... جَرِيَ آلَبِي..... اُور جَابَ كَتَمَ قَارِسِينَ كَوَالِسَامَ عَلَيْكُمْ! اس ماہ
جَابَ سَاتَ وَمِيرَ كَوَالَا جَوْ مجھے دریے لگ رہا ہے کیوں کہ پہلے تو رہا سات، آنکھ تاریخ کو تصریح مجھ بھی دیتا تھا اور
اب مجھے ذرگار ہاہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں تصریح سینڈ کروں اور جو ہی آپنی کائنت آجائے۔ ”بِحَيَا وَقْتٍ اور جَكَلَهُ بِيَهِي۔“
اس سے پہلے کے جو ہی آپنی کو خاص آجائے چلتے ہیں ۲۰۲۰ء کے آخری شمارے کی طرف۔ سرورق کیا کہوں کچھ مجھ
میں نہیں آرہاں کا شف بھائی سے یہاں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اتنا خوب صورت ہی را کہاں سے نکال لائے ہیں؟ اس
ماہ سرورق نے تو نکال ہی کر دیا۔ شاخان ایسا لگ رہا ہے جیسے ہمیں ہی دیکھ رہی ہیں۔ فہرست کو دیکھتے ہوئے بات
چیت، پڑھی سعیدہ غارا آپنی نے بہت زبردست باتیں لکھی ہیں۔ اب نائب مدیر کون ہیں یہ سنس اب اگلے ماہ
تک رہے گا کہ آخر وہ کون سا ہی برائے۔ اللہ پاک اس ہیرے کی آمد مبارک کرے آئیں۔ ”حَمْدُ وَعَنْتَ“ پڑھ کر ”آگُنْ
کی چُنْپَا“ میں کوڑ خالد س کے سوالوں کے جواب پڑھ کر داد دینے کو دل چاہا شاء اللہ۔ بہت ہی بھادر ہیں۔ اللہ پاک
لبی خوشیوں والی عمر عطا فرمائے آئیں۔ ”نِزَّهَتْ جَبِينَ ضِيَاءً“ میری بڑی آپنی ہیں اس ماہ ”پِيَا كَأَكْمَرْ“ پڑھ کر بہت ہی حزہ
آیا کمال کر دیا آپنی ہر جگہ بات ہر جگہ کام یاد رکھا اور پھر ایک ساتھ لکھا بہت ہی اچھا لگا پڑھ کر ویسے مجھے پڑھتے ہوئے
ایسا عجوس ہوا جیسے میں خود اس شادی میں شریک ہوں۔ ایک مزے کی بات میری بہن جیبوری سیٹ تیار کرنی ہے اور
مجھے پڑھا نہیں۔ آپنی اب جلدی سے تین سیٹ اپنی بھائی کے لیے بھی تیار کریں ایسا نہ ہو کہ پھر دیر ہو جائے ویسا بھی

تک ملتی نہیں ہوئی۔ (ہائے یہ شادی اور بر بادی کے خواب ہالہا) ”میرے ہاتھوں کی لکیروں میں“
لکھا ہے تیرنامہ پیا
ہو گئی میں بد نام پیا

عالیہ بلکاری سے کس نے کہانی شروع ہی ہاتھ کی لکیر سے کی ہے لیکن مجھے سہ بات اب حق نہیں لگتی مجھے بھی ایک بابا
جی نے بتایا تھا کہ آپ کی شادی اس سے تی ہو گئی اور اب اس کی شادی بھی ہو گئی ہے لیکن ہمیں تو اپنی شادی دو روزو
تک نظر نہیں آری، مجھے لگتا ہے بابا جی نے اس کی شادی کا ہی بتایا تھا کہ ہو گئی اور تم دیکھ دیکھ کر جلتے رہتا (ہالہا) کہانی
شروع سے لے کر آٹھ بجے زیر دست رہی تھی ایک ایسی بیماری ہے جو اسی قیصہ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اللہ پاک
اس بیماری سے ہر ایک کو بچائے آئیں۔ ”چاہت کی راہیں“ حیراً گوندل سے نے اپنی کہانی میں بیان کر دیا ہے کہ
چاہت جائے پہنچی بھی اچھی اور پیاری ہو لیکن اس کی راہیں کافیوں بھری ہوتی ہیں۔ امامہ کا کروار بہت ہی پسند آیا
ویسے جو بچوں کی ہو جائے بات آخر قسمت پر ہی آکے ختم ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے غلطی کوست میں محبت ہے جو آخر
میں آکر اس کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اختتام پیشی کیا جو بہت اچھا لگا۔ ”مرگ تنما“ ماروا طلحہ اپنی اب آہستہ آہستہ
ناول کو کھول رہی ہیں۔ شاید اگلی دو قسطوں میں معلوم ہو جائے کہ کون کس کا ہے اور کس کا ہو گا یہ جانے کے لیے
پڑھتے رہیں مرگ تنما کی ہر آنے والی نقطہ۔ یہ آخر میں مجھے لگ رہا ہے لی جان اللہ کو بیماری ہو گئی ہیں کیونکہ ایک کا
پہلا حملہ بہت ہی خطرناک ہوتا ہے اب آگے کیا ہوتا ہے۔ ”چھوپی بہر“ فرمودت جین کس چھوپی میںی ہے لیکن
بہت ہی عمرہ اور ہر سارے کے لیے سبق آموز تحریر۔ ویسے بڑی بھوکی زبان کا پڑھ کر ایسا لگا کے چھوپی میںی ہے لیکن
مجھے آخر میں چھوپی بھوپ پیارا گیا۔ اللہ پاک ہر بچی کے نصیب اچھے کرے، آئیں۔ مونا شاہ فرشی سے کس کو سب سے
پہلے تو اتنے زیر دست عنوان پر، بہت کی داد میری طرف سے کتنا خوب صورت عنوان ہے شروع میں ہی بہت نہیں آئی
جب سب نے میشم سے پوچھا۔ مجھے مکھوٹہ کا کروار بہت پسند آیا شروع سے آخر بجھے کے مسافر“ عشق گر کے مسافر“
نماد حسین سے ناول تو اپنی جگہ سکھا ہے لیکن شاعری کیا کمال کرنی ہیں مجھے کہانی سے زیادہ شاعری پسند آرہی ہے ہر لفظ
تین تین بار پڑھتا ہوں۔ ”تیرے ہتاب جینا ہے“ صباء احمد خان سک کو میں اتنی خوب صورت منظر نکاری اور کرواروں
کی جگہ ان کے بیٹھنے کا انسائیل لکھنے پر بہت کی داد دیتا ہوں۔ کہانی بھی زیر دست رہی دیل ڈن۔ ”تجید و فقا“ تو تو
مجھے ”عهد و فقا“ کی یادو لا دی مجھے اس میں دعا کا کروار بہت پسند آیا ہے اور اس میں مجھے انمول کا کروار بہت زیادہ پسند
آیا۔ بہت ہی عمرہ تحریر کی ہے زما رضوان سک نے۔ ”دل کو کمال تھا“ تادی احمد اپنی سب سے پہلے تو بہت
بہت بہار کیوں، ماشاء اللہ سے آپی آپ ڈراما لکھ رہی ہیں بہت خوش ہوئی شاید اس لیے ہی ”دل کو کمال تھا“ کی
ایک ماہ قطع آتی ہے اور ایک ماہ نہیں۔ اس قطع کے شروع میں ہی گیم الٹ ہو گئی ہے مجھے تو ترس آ رہا ہے ویسے مجھے
اب لگ رہے کہ باب کے کیے کی سڑا ب عاشش کو ملے گی لیکن دیکھتے ہیں اب آگے کیا ہوتا ہے۔ ایک ایسی تحریر اس ماہ
کے حوالہ میں ہے کہ میں اس کی جتنی تحریف کروں کم ہے مجھے ایسا لگا جیسے یہ ایک بار بیٹھیں بلکہ بار بار ہو چکا ہے۔ یہ
بات تھی ہے کے عورت جس پر بھروسہ کرتی ہے اس پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے لیکن کچھ متفاق لوگ بھی ہوتے
ہیں جو ان کی مخصوصیت کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو استعمال کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تحریر ہر اس لڑکی کے لیے سبق
اموز ہے جو حصتی ہیں اور پھر اپنی کہانیاں شائع کروانے کے لیے دوسروں سے مدد ملتی ہیں۔ میں کہانی پڑھ رہا تھا تو

ایک دم سے پانچیں کہاں سے آنسو اٹھوں میں آگئے اتنا بڑا ظلم لیکن آخر میں ایمان نے خود کشی کری اور رکھا۔ مگر تو میں بات کر رہا ہوں اس ماہ تی ایک سبق آموز کہانی ”افظوں کے دل“، ایمان علی آپی میری طرف سے میلوٹ ہے جو میں جو بھی یہ کہانی پڑھے گا کچھ سبق حاصل ضرور کرے گا بہت سی داد فقر اُخین سکندر آپی کا ناول ”میرے سکندر“ کیا کمال لکھ رہی ہیں آپی پلیز سکندر کے ساتھ اچھا کرنا نہیں تو پھر میں تو سکندر کا ساتھی دوں گا۔ اگلی قسط کا شدت سے منتظر ہوں۔ صبحاتِ رفیق چیمہ سے جب بھی آتی ہیں کچھ نیا ہی لائی ہیں اس ماہ ”ملکہ داستان“ پڑھ کر بہت ہی اچھا کھا صن نے آخر اپنی ملکہ کو حاصل کریا لیا، بہت خوشی ہوئی ویل ڈن۔ ”بُرْمَخْ“ میں سب کے دوالاں اور چار لاٹن کے شعرز برداشت تھے۔ ”کچن کارز“ میں انڈوں کا مغز، چکن ٹماڑ سوپ، بوفی اسٹک اور عربی چھلی پڑھ کر منہ سے پانی آنے ہی والا تھا کہ میں نے جیب سے ٹانی نکال کر کھائی کیوں کے بدلے ہی پا تھا ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی منہ میں پانی ہی آئے گا (ہلہا) ”موروخن“ میں تو موجیں لگی ہوئی ہیں بس میری بیٹیں کی لیکن کوشش بھی جاری ہے اس لیے سب کی موجیں دیکھ کر مزے کر رہے ہیں۔ سب کی اپنی شاعری اور شعر پڑھ کر بہت اچھا لگا سب کو بہت سی داد اور دعائیں۔ ”شوئی تحریر“ میں دعا، دعیر، رنگ بر لگی باشیں، کھوچ، کیے جھوکیں، چکلے حرفاً، محبت اور ایمان زبرداشت تھے دیل ڈن پڑھتے پڑھتے ہم آگے کے جو ہی آپی کی محفل میں جس میں ہر ماہ انتظار ہوتا ہے شمارے کا دل چاہتا ہے جاپ کے ایک ایک لفظ کے بارے میں لکھوں لیکن پھر خیال آ جاتا ہے کہ باقی سب کو بھی جگد دیتی ہوئی ہے۔ اس ماہ کری صدارت پر شانزہ پرویز شانزہ آپی تھی بہت سی بہت ہی عمده تبرہ پڑھ کر مزہ آگیا۔ میرا تبرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ آپی۔ شرہ فلزار آپی بہت ہی عمده تبرہ پڑھ کر خوب ہنسی آپی اور مجھے انکل بحادیا آپی اللہ پوچھتے گا ابھی تو اس دنیا میں آیا ہوں۔ وہ تو صبا ایشل آپی اور ماروا طحرا آپی کا شکریہ کہ مجھے جاپ تک آنے میں میری مدد کی اور کر رہی ہیں۔ اللہ پاک میری تمام بہنوں کے نصیب اچھے کرے اور باعث میں گلاب کے پھولوں کی طرح مکھتی رہیں۔ اللہ پاک نصیب اچھے کرے آمین والسلام۔

☆ پیارے بھائی اللہ درکھا آپ کی محبت پر فوس ہوا اگر ہاتھ کا جادو بخوبی بھائی کو دکھادیتے تو یقیناً محبت مل ہی جانی تھی پر کیا کریں اب دیے محبت کے ملنے پر بھی رونا ہی تھا۔ اب دل کھوں کرو لو۔ میرا مشورہ ہے بہنیں اتنی مت بناؤ کہ بعد میں پچھتا ناپڑے۔

ظہیر ملک ہلوون آبد۔ اسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ پیارے جاپ کے مصنفوں اور قارئین کرام امید کرتے ہیں کہ آپ سب ٹھیک ہوں گے۔ مذہر خواہوں ایک ماہ کی چھٹی کری مصروفیت کی وجہ سے تبرہ نہ بھیج سکا لیکن تو ببر کے شمارے کا مطالعہ ضرور کیا تھا زبرداشت تھا ماشاء اللہ۔ اس پار جاپ ملا تو سوچا چھلی بارکی مذہر سے ساتھ محفل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سروق کی بات کریں تو ہر بار کی طرح زبرداشت تھا خوب صورت دو شیزہ سے جا سروق اچھا لگا۔ فہرست پر کئی میری طرف سے تمام مصنفوں بہنوں کو بہت مبارک باد جن کی تھا ریشمائی ہوئیں اور یقیناً بہت ساری داد کی میتھی ہیں۔ ”بات چیت“ میں سعیدہ شانزہ آپی کے سلام کا جواب علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ بہت پیاری باشیں لکھیں آپ نے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی تو یقین عطا فرمائے، اور یہ تو میں بھول گیا یہ شمارہ جاپ کا سالگرہ نمبر ہے پیارے جاپ کو سالگرہ بہت مبارک ہوا اللہ تعالیٰ یہ سفر ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ ”حمر و نعت“ سے دل کامنور کیا ماشاء اللہ بہترین کلام چنان گیا شعر اکام کے لیے بہت سی داد۔ ”اُنگن کی چیز یہ ہے کہ

خالد صاحب کے ہمارے میں جان کر اچھا لگا ماشاء اللہ آپ کے سب سوالات کے جواب پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی
سلامت رہیں اور حصتی رہیں۔ ”پیا کا گھر“ نہجت جی بن خیام صاحب ماشاء اللہ شادی کے متعلق بہترین تحریر یعنی بہت کی
داد حصتی رہیں قلم میں آپ کے روایتی آئے۔ عالیہ بلکار ای صاحب کو بھی بار پڑھا ماشاء اللہ بہترین ہم ائمہ رہیں آپ کی تحریر
”میرے ہاتھوں کی کیروں میں“ زبردست تھی چاہت کی راہیں حیراً گوند صاحب بھی کیا اکمال حصتی ہیں ماشاء اللہ
کہاںی کا پہلا پھرہ ہی سید عادل پر لگائیں نے بھی سوچا بھی نہ تھا کہ محبت اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہے اور زندگی میں تکفیفوں
کے انبار لگاسکتی ہے۔ تقایا تحریر بھی کچھ کم نہ تھی۔ ”چھوٹی بہو فرشت جی بن صاحب کی کہاںی اچھی لگی بالکل ایسا ہوتا ہے
جب کوئی آپ کے یاں اور وہ بات کرے آپ سے یاد بنا کر پھر تارے تو بندہ اپنے آپ کو قابل ترس بھختی کی
پی کہاںی کی کوشش اچھی تھی ماشاء اللہ۔ ”عشق اللہ حُو“ بھی اپنی طرز کی بہترین کہاںی تھی ماشاء اللہ منظر نگاری بھی اچھی
تھی مونا شاہ قریشی صاحب کے لیے بہت سی دادا و دعا میں۔ ”عشق نگر کے مسافر“ کی قطاز زبردست تھی۔ ماشاء اللہ
تاول اپنے دوسال اور ایک ماہ مکمل کر گیا لیکن کروار بھی تجھ وہی بیں کیا بات ہے نہ احسین آپی ویلان۔ ”تیرے بنا
اب جیتا ہے“ صباء احمد خان آپی کی کہاںی نام میں ہی پوری کہاںی چھپی تھی اور مجھے اپنی ماضی کی تھی یادوں میں لے گئی مگر
کہاںی کے لیے بہت سی داد قبول کریں۔ ”تجید وفا“ زار ارض وطن صاحب کی کہاںی بہت اچھی لگی اچھا تھی ہیں بہترین
جملوں کے استعمال نے کہاںی کو خوب صورت بنادیا بہت سی داد آپ کے لیے ویلان۔ ”ول کوکی کاملال تھا“ کہاںی
بھی بہترین جائزی ہے نادیا حماہ آپی کی شاعری بھی اکمال ہوتی ہے یغزل تو سید عادل پا رکر رہی تھی۔

بھارت میں اجاڑتے

کا کرو گے تو روپڑو گے

بقا یا تاول کے لیے بہت سی داد۔ ”لغظوں کے دکھ“ ایماب علی آپی کیا لکھ دیا آپ نے یقین نہیں آرہا اپنے پڑھے
پر دو بار پڑھی لی ماشاء اللہ ہر لحاظ سے کہاںی زبردست اور لا جواب تھی لگدا آپی آپ کے لیے بہت سی دادا و دعا میں اللہ
مزید ترقیوں سے نوازے آئیں۔ ”میرے سکندر“ قرآن عین سکندر صاحب کی کہاںی کی پہلی قحط لا جواب تھی ماشاء اللہ
اگلی قحط کا منتظر ہوں۔ ”ملکہ داستان“ صاحت رفت چیزہ صاحب کی کہاںی بہترین منظر نگاری اور سب سے بڑھ کر الفاظ
کا استعمال خوب صورت تھا بہت سی داد بہترین کہاںی کے لیے۔ ”بزم خن“ میں سمیع عثمان آپی کا سلسہ ہمیشہ کی طرح
رنگ برلنے اشعار سے سجا تھا تمام شعر اکرام کے لیے بہت سی دادا و دعا میں۔ ”چکن کارز“ زہر جی بن ایمان آپی کا سلسہ
پڑھ کر دل کرتا ہے روز پاکا کہ کھاؤں لیکن کیا کروں اکیلا میں سب نہیں کر سکتا ناں کوئی ہمسفر ساتھ ہو موسم سرمایہ
پارش ہو اور اپنی خوب صورت یوئی جواب مختیہر ہے اس کے ساتھ مل کر پاکا اوس اور انجائے کروں دعا کریں ساری
بینیں مل کر آپ سب کو بھی بھیجوں گا۔ ”مون خن“ زینب احمد آپی کا بہترین سلسہ جس میں شعر اکی اپنی شاعری ہوتی
ہے اس پار بھی یہ سلسہ زبردست رہا۔ ”شوخی تحریر“ ہماز و الفقار صاحب کا سلسہ بھی بہترین ہے بہت پیاری پیاری سبق
آموز تحریر یہ بار پڑھنے کو ملتی ہیں بہت سی داد سب کے لیے۔ ”حسن خیال“ جو کہ میرا پسندیدہ سلسہ ہے سب سے
پہلے تو جو ہی احمد علیکم السلام آپ اپنے حالات بتائیں کیسی ہیں آپ۔ اس دفعہ فرشت سیٹ پر ہماری پیاری شانزہ
پو دیز شان اپنی پر اجھاں تھیں ماشاء اللہ بہت پیار تھرہ کرتی ہیں ہر دفعہ کی طرح اس وغیرہ بھی کمال کا تھا میرا تھرہ پسند
کرنے کا بہت شکریہ۔ عائشہ حکیل آپی آپ کا تھرہ پڑھ کر بھی خوشی ہوئی ماشاء اللہ۔ گلشن چودھری آپی آپ کو ایک بار

پھر بہت ساروں میکل آپ کا آنا مبارک ہو مختصر لیکن اچھا تبصرہ کیا آپ نے۔ ایمن غفور آپی کو دل کی اتھا گہرائیوں سے جگا کی دینا میں دیکھ کرتے ہیں اب آگئی ہیں تو ہر دفعہ مختفل میں شرکت کیجیے گا آپ کا تبصرہ زیر دست تھا مشاء اللہ میرا تبصرہ آپ کو پسند آیا اس کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ رکھا چوہڑی کا تبصرہ بھی مکال تھا زبردست پیارے میرا تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ شرہ گلزار آپی پہلے تو بہت افسوس ہوا کہ آپ کوڈا اجھت دی رہے ملتا ہے اللہ کرے جلدی جایا کرے آپ کا تبصرہ بہت زیادہ پسند آیا میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ اب اس امید کے ساتھ اجازت چاہوں گا انگلے ماہ حاضری ہو گی ان شاء اللہ پانچ پانچ سال پیاروں کا بہت ساخیاں رکھیں اللہ حافظ۔

☆ پیارے بھائی ظہیر! ہمیں امید ہے کہ ہماری بھائی ان شاء اللہ جلد آ کر آپ کو کچن کے کاموں میں ضرور کرو گی پھر ہم ان کی دعوت پر اپنے دلبہ بھائی کے باحکھ کا کھانا کھانے ضرور آئیں گے۔
اس دعا کے ساتھ اجازت کا اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب پر فضل فرمائے اور ہمارے صغیرہ، بکریہ گناہوں کو معاف فرمائے کہ ہماری پریشانیوں اور مشکلوں کا آسان کرے آئیں۔

معصینیں سے گزارش

- ☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشم لگائیں مخفی کی ایک جانب اور ایک سطر چوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فونو کا لپی کر کر اپنے پاس رکھیں۔
- ☆ قطدار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کر لازمی ہے۔
- ☆ حق لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افغان لکھیں پھر ناول یا ناول پڑھ آزمائی کریں۔
- ☆ قوتوں اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشتافت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
- ☆ کوئی بھی تحریر نسلی یا ساہرو شناختی سے تحریر کریں۔
- ☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا کامل نام پہاڑ اور رابطہ نمبر خوش تحریر کریں۔
- ☆ کہانی ای میں کرنے کے لیے ایج کی قائل ہو ایم ایس ورڈ کی قائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہوئی چاہیے یا یوں کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے قائل کا نام رکھنا ہو گا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام کمل پہاڑ اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہو گا۔
- ☆ ای میں چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیوای میں کا احتساب کریں اور سمجھیکث میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جو ای میں پر کچھ بھی ای میں تاکریں اگر جو ای میں پر کچھ بھی ای میں کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہو گا۔
- ☆ ای میں پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے ایکین ۱۱ ہجری روز میں یا یوں ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔
- ☆ دیگر سو شیل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہو گی۔
- ☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر جھڑڑا کیا کوئی سر کے ذریعے ارسال کجھے۔ ۸۱ پیغمبر میر کس ہا کی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزدیکی پل پر نیس کراچی ۰۲۱ ۷۵۵۱۰

پھر بہت ساروں میکل آپ کا آنا مبارک ہو مختصر لیکن اچھا تبصرہ کیا آپ نے۔ ایمن غفور آپی کو دل کی اتھا گہرائیوں سے جگا کی دینا میں دیکھ کرتے ہیں اب آگئی ہیں تو ہر دفعہ مختفل میں شرکت کیجیے گا آپ کا تبصرہ زیر دست تھا مشاء اللہ میرا تبصرہ آپ کو پسند آیا اس کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ رکھا چوہڑی کا تبصرہ بھی مکال تھا زبردست پیارے میرا تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ شرہ گلزار آپی پہلے تو بہت افسوس ہوا کہ آپ کوڈا اجھت دی رہے ملتا ہے اللہ کرے جلدی ل جایا کرے آپ کا تبصرہ بہت زیادہ پسند آیا میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ اب اس امید کے ساتھ اجازت چاہوں گا انگلے ماہ حاضری ہو گی ان شاء اللہ اپنے پیاروں کا بہت ساخیاں رکھیں اللہ حافظ۔

☆ پیارے بھائی ظہیر! ہمیں امید ہے کہ ہماری بھائی ان شاء اللہ جلد آ کر آپ کو کچن کے کاموں میں ضرور کرو گی پھر ہم ان کی دعوت پر اپنے دلبہ بھائی کے باحکھ کا کھانا کھانے ضرور آئیں گے۔
اس دعا کے ساتھ اجازت کا اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب پر فضل فرمائے اور ہمارے صغیرہ، بکریہ گناہوں کو معاف فرمائے کہ ہماری پریشانیوں اور مشکلوں کا آسان کرے آئیں۔

معصین سے گزارش

- ☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشم لگائیں مخفی کی ایک جانب اور ایک سطر چوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فونو کا لپی کر کر اپنے پاس رکھیں۔
- ☆ قطدار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
- ☆ حق لکھاری بہنس کو شکریہ اپنے افغان لکھیں پھر ناول یا قبول پڑھ آزمائی کریں۔
- ☆ قوتوں اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشتافت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
- ☆ کوئی بھی تحریر نسلی یا ساہرا و روشنائی سے تحریر کریں۔
- ☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنے کامل نام پتا اور رابطہ نمبر خوش تحریر کریں۔
- ☆ کہانی ای میں کرنے کے لیے ایج کی قائل ہو ایم ایس ورڈ کی قائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہوئی چاہیے یا یوں کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے قائل کا نام رکھنا ہو گا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنام لکھیں اور آخر میں اپنام کامل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہو گا۔
- ☆ ای میں چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیوای میں کا احتساب کریں اور سمجھیت میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جو ای میں پر کچھ بھی ای میں تاکریں اگر جو ای میں پر کچھ بھی ای میں کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہو گا۔
- ☆ ای میں پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے ایکین ۱۱ ہجری روز میں یا ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔
- ☆ دیگر سو شل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہو گی۔
- ☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر جھڑڑا کیا کوئی سر کے ذریعے ارسال کجھے۔ ۸۱ پیغمبر میر کس ہا کی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزدِ اپنے چل پریس کراچی ۲۰۲۱ء ۷۵۵۱۰